إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

سُنّتِ نبوی ﷺ اور ہم

تالیف: ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی

تخریج و اضافہ: حافظ حامد محمود الخضری، حافظ نصر اللہ (تحت اشراف) شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

انصار السنّہ پبلیکیشنز - لاہور

فہرست مضامین

○ مقدمہ -- 13

باب نمبر :۱

قرآن حکیم کی روشنی میں سنت رسول ﷺ کی حیثیت

○ قرآن حکیم کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے------------- 19
○ قرآن حکیم کی روشنی میں آپ ﷺ کی اطاعت ایمان ہے---------------- 20
○ قرآن حکیم آپ ﷺ کی سنت کو ہی عمل کی قبولیت کا معیار قرار دیتا ہے------ 23
○ قرآن حکیم کی نظر میں آپ ﷺ کی سنت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے --- 27
○ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے--- 29
○ قرآن حکیم کی نظر میں سنت بھی وحی الٰہی ہے---------------------------- 30
○ قرآن حکیم کی نظر میں سنت قرآن کی وضاحت-------------------------- 32
○ سنت کامیابی ورحمت ہے اور تزکیہ کا بہترین ذریعہ ہے -------------------- 33
○ سنت رسول ﷺ پر عمل اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے ------------------ 39
○ سنت رسول جنت میں اعلیٰ ترین مقام کا باعث ہے ---------------------- 41
○ قرآن حکیم سنت رسول ﷺ سے منہ موڑنے سے روکتا ہے --------------- 42
○ مخالفت رسول ﷺ تباہی کا دوسرا نام ہے----------------------------- 44

باب نمبر: ۲
سنت کا شرعی مقام بزبان مصطفیٰ ﷺ

- حدیث قرآن کی طرح ہے -- 48
- سنت رسول ﷺ پر عمل ضروری ہے ---------------------------------- 57
- سنت رسول ﷺ پر عمل ہی کامیابی ہے------------------------------ 59
- فرمان مصطفیٰ ﷺ --- 62
- سنت ہی روشن ترین شاہراہ ہے--------------------------------------- 62
- سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والے خوش نصیب------------------------ 63
- سنت کی حفاظت کی ترغیب--- 65
- سنت رسول ﷺ کی تبلیغ کا حکم------------------------------------- 66
- سنت رسول ﷺ میں احتیاط کرنے کا حکم ------------------------------ 68
- سنت رسول ﷺ سے منہ موڑنے والے دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوں گے -- 70

باب نمبر: ۳
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں سنت رسول ﷺ کی حیثیت

- سنت رسول ﷺ پر عمل کرنا ہی حق ہے------------------------------- 72
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے ہوتے ہوئے رائے کوئی اہمیت نہ دیتے تھے ------- 74
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرتے تھے ------------- 75
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی مخالفت کرنے والے پر سختی کرتے تھے ------------- 76
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کے خلاف قول سے رجوع کر لیتے تھے ------------- 79
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے میں بہت زیادہ حریص تھے --- 80
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی بات آپ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے ----- 83
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول ﷺ کو یاد کرنے کے شوقین تھے ----------- 84

○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول ﷺ کو سننے کے بھی شوقین تھے ----------- 87

باب نمبر: ٤

انبیائے کرام علیہم السلام اور اطاعت مصطفیٰ ﷺ 89

باب نمبر: ٥

مقام سنت تابعین رحمہم اللہ کی نظر میں

○ حدیث کے مقابلہ میں رائے (اپنی سوچ) کی کوئی اہمیت نہیں --------------- 93

○ حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل ہلاکت ہے ---------------------------- 95

○ سنت رسول ﷺ کو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سننے کی کوشش کرتے ----------- 96

باب نمبر: ٦

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور سنت نبوی ﷺ

○ سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والے ہی کامیاب ہیں -------------------- 99

○ سنت کی قبولیت کے لیے قرآن کی موافقت کی شرط جہالت ہے ----------- 101

○ سنت کے خلاف فتویٰ چھوڑ دو -- 102

○ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے ---------------------------------- 103

○ دلیل کے بغیر فتویٰ دینا حرام ہے ------------------------------------ 105

○ رائے پر عمل نہ کرو -- 107

○ اصل علم قرآن وحدیث کا ہے ------------------------------------- 109

○ نبی ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات کو چھوڑا جاسکتا ہے ------------------ 110

○ کسی کی تقلید نہ کرو --- 114

باب نمبر: ٧

سلف صالحین رحمہم اللہ اور سنت رسول ﷺ

○ آپ ﷺ کا کسی کام کو نہ کرنا بھی سنت ہے ------------------------ 116

○ حدیث آجائے تو رائے چھوڑ دو ---------------------------------- 117
○ کسی کی ہر بات نہیں مانی جاسکتی---------------------------------- 118
○ دلیل جانے بغیر کوئی فتویٰ نہ دے ---------------------------------- 120
○ تقلید ضروری نہیں ہے ---------------------------------- 120
○ تقلید حرام ہے ---------------------------------- 123
○ محبت کا تقاضا بس آپ ﷺ کی حدیث کو ماننا ہے ---------------------------------- 124
○ غیر مشروط اتباع آپ ﷺ کی ضروری ہے---------------------------------- 125
○ حدیث ہی حقیقی دین ہے ---------------------------------- 127

باب نمبر: ۸

حدیث اور محدثین رحمہم اللہ

○ امام بخاری رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی---------------------------------- 135
❀ سلسلۂ نسب ---------------------------------- 135
❀ تعلیم وتربیت ---------------------------------- 135
❀ حافظہ ---------------------------------- 137
○ امام مسلم رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی---------------------------------- 139
❀ خاندان اور سلسلۂ نسب، پیدائش اور وفات ---------------------------------- 139
❀ تعلیم وتربیت ---------------------------------- 140
❀ علم حدیث کی تعلیم وتحصیل ---------------------------------- 140
❀ صحیح مسلم کی ترتیب ---------------------------------- 142
❀ کتب حدیث میں صحیح مسلم کا درجہ ---------------------------------- 142
❀ وفات امام مسلم رحمہ اللہ ---------------------------------- 143
❀ امام مسلم کی دیگر تصانیف ---------------------------------- 143

○ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ ---------------------------------- 144
❀ نام ونسب -- 144
❀ پیدائش -- 144
❀ وطن --- 144
❀ اسفار -- 144
❀ اساتذہ --- 144
❀ تلامذہ --- 145
❀ حفظ واتقاق --- 145
❀ ورع وتقویٰ -- 145
❀ عادات وازواج --- 145
❀ تصانیف -- 145
❀ سنن نسائی کی اہمیت -- 146
❀ خصوصیات -- 146
○ امام ترمذی رحمہ اللہ --- 147
❀ نام اور سکونت -- 147
❀ پیدائش اور تحصیل علم -------------------------------------- 147
❀ علم وحفظ اور زہد وورع ------------------------------------ 147
❀ وفات --- 148
❀ مقام سنن ترمذی -- 148
❀ امام ترمذی کا مذہب -------------------------------------- 149
○ امام ابوداؤد رحمہ اللہ -- 150
❀ حفظ وضبط --- 150

❀ جرح وتعدیل -- 150

❀ ''کتاب السنن'' اہل فن کی نظر میں ------------------------------ 151

❀ سنن ابی داؤد کی خصوصیات ------------------------------------ 151

❀ وفات --- 152

○ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ -- 153

❀ نام ونسب -- 153

❀ مؤلفات --- 154

* امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ -- 156

* امام ابن جریر طبری (۳۲۰ھ) ---------------------------------- 159

* امام ابن شہاب الدین زہری رحمہ اللہ (۱۲۴ھ) ---------------------- 160

* امام ابن قتادہ بن عامر رحمہ اللہ (۱۰۷ھ) ------------------------- 160

* امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) ---------------------------------- 161

* امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۲۳۵ھ) ------------------------------ 161

* امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) -- 161

* امام علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ (۳۸۵ھ) ------------------------ 162

* امام طبرانی رحمہ اللہ (۳۴۰ھ) ------------------------------------ 162

* امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) ---------------------------------- 162

* امام ابویعلی الموصلی رحمہ اللہ (۳۰۷ھ) ----------------------------- 163

* امام ابوبکر بزار رحمہ اللہ (۲۹۲ھ) --------------------------------- 163

* امام دارمی رحمہ اللہ (۲۰۰ھ) -- 163

* امام السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) ------------------------ 164

* امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (۲۳۸ھ) ---------------------------- 164

* امام حمیدی رحمہ اللہ (۲۱۹ھ) ---------------------------------- 165
* امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) ---------------------------------- 165
* امام مالک رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) ---------------------------------- 166
* امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲ تا ۴۶۳ھ) ---------------- 167
* مجدد دین امام ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر (المعروف بہ امام ابن قیم رحمہ اللہ) مصنف ''اعلام الموقعین'' کی مختصر سوانح عمری ------------------------ 167
* امام ابوزرعہ رحمہ اللہ (۲۹۴ھ) ---------------------------------- 169
* امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی رحمہ اللہ ------------- 170
* حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ---------------------------------- 171

باب نمبر: ۹

فتنہ انکارِ حدیث اور مسٹر پرویز وحواری

○ غلام احمد پرویز کے خلاف امام کعبہ عبداللہ سبیل کا فتویٰ ------------------ 179
○ مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ رحمہ اللہ کا فتوی ------ 181
○ منکرین حدیث کے گروہ -- 182

باب نمبر: ۱۰

منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات

○ پہلا اعتراض اور اس کا جواب -- 184
○ دوسرا اعتراض (حدیث قرآن کے خلاف ہے) اور اس کا جواب ---------- 189
○ تیسرا اعتراض اور اس کا جواب -- 193
○ حدیث رسول بھی ''وحی الٰہی'' ہے ---------------------------------- 195
○ سنت رسول ﷺ قرآن کی ہی تفسیر ہے ---------------------------- 203
○ چوتھا اعتراض اور اس کا جواب -- 210

- پانچواں اعتراض اوراس کا جواب ---------------------------------- 212
  - پہلا مقدمہ --- 212
  - دوسرا مقدمہ -- 212
- چھٹا اعتراض اوراس کا جواب --- 213
- ساتواں اعتراض اوراس کا جواب--- 215
- آٹھواں اعتراض اوراس کا جواب--- 216
- نواں اعتراض اوراس کا جواب --- 217
- دسواں اعتراض اوراس کا جواب -- 217
- گیارہواں اعتراض اوراس کا جواب ------------------------------------- 218

باب نمبر:۱۱
تدوین حدیث کے مختلف ادوار

- پہلا دور: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تدوین حدیث ------------------ 220
- تدوین حدیث کا دوسرا دَور-- 230
- تیسری صدی ہجری کا دَور -- 232

باب نمبر:۱۲
تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

- لُغوی تعریف -- 234
- اصطلاحی تعریف --- 234
- تقلید حرام ہے --- 237
- قرآن حکیم کی نظر میں تقلید کی حیثیت-------------------------------- 239
- قرآن حکیم کی نظر میں تقلید ہمیشہ گنہگاروں کی دلیل رہی ------------------- 241
- قرآن حکیم کی روشنی میں تقلید کرنے والے خواہشات کے پجاری ہیں ------- 243

- خواہشات کے پجاری عذاب کے مستحق ہیں ------------------------- 245
- قرآن حکیم میں تقلید نہ کرنے اور شریعت کا پابند رہنے کا حکم --------------- 246
- شریعت مکمل ہے تو تقلید کیوں؟ ----------------------------------- 247
- تقلید نہ کرنے والے بہترین لوگ ہیں----------------------------- 248
- تقلید نئی پیداوار ہے -- 251
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں تقلید کی حیثیت ------------------- 252
- تقلید پر سلف رحمہم اللہ کے اقوال --------------------------------- 254
- تقلید کے ساتھ عبادت گمراہی ہے ---------------------------------- 254
- تقلید قوت فیصلہ کو کمزور کرتی ہے ---------------------------------- 255
- تقلید کوئی اچھا کام نہیں--- 256
- مقلدین کے اعتراضات وشبہات اوران کے جوابات------------------ 259
- پہلا اعتراض اوراس کا جواب ------------------------------------- 259
- دوسرا اعتراض اوراس کا جواب ------------------------------------- 260
- تیسرا اعتراض اوراس کا جواب ------------------------------------- 262
- چوتھا اعتراض اوراس کا جواب------------------------------------- 262
- پانچواں اعتراض اوراس کا جواب ---------------------------------- 263

باب نمبر:۱۳
بدعت کی حقیقت

- بدعت کی لغوی تشریح --- 265
- بدعت کی شرعی تعریف --- 266
- اس تعریف کی روشنی میں دنیاوی ایجادات------------------------------ 266

○ بدعت قرآن کی نظر میں -- 267
○ بدعت اللہ تعالیٰ پر افترا (جھوٹ) ہے ------------------------------- 269
○ بدعت اللہ تعالیٰ کے دین میں اضافہ اور شرکیہ کام ہے-------------------- 271
○ احادیث کی روشنی میں بدعت کی حقیقت ------------------------------ 273
○ بدعت کی ایجاد سے سنت ختم ہو جاتی ہے ----------------------------- 273
○ بدعت بدترین کام ہے-- 275
○ بدعتی کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہے ---------------------------- 278
○ بدعتی جب تک بدعت نہ چھوڑے، کوئی عمل قبول نہیں -------------------- 279
○ بدعتی کی کچھ علامتیں ------------------------------------ 280
○ بدعت اچھی لگتی ہے ------------------------------------ 283
○ سلف صالحین رحمہم اللہ اور بدعت -------------------------------- 285
○ کچھ بدعات کا بیان -- 286
○ بدعتی خود کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر سمجھتا ہے --------- 288
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بدعت-- 290
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی پر فوراً گرفت کرتے تھے ----------------------- 290
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی امور سے بچتے تھے----------------------------- 292
○ ایک جائزہ -- 294

❀❀❀❀

مقدمہ

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّاٰتِ أعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾

﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًاo﴾

﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاo يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo﴾

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهُدَى هُدٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، أَلضَّلَالَةُ فِي النَّارِ."

قارئین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف ادوار میں اپنے خاص بندوں کا انتخاب کرکے ان کو انسانیت کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا، اور ان کو ایسا نورِ ہدایت عطا

فرمایا کہ جس کے ذریعہ انسان ہر قسم کی پریشانی سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ﴾

(البقرہ : ۳۸)

''سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

دنیا میں انسانوں کی پریشانی کی دو وجوہات ہیں، ایک خوف جو کسی آنے والی مصیبت کی وجہ سے ہوسکتا ہے، یا پھر غم پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ انسان جب اپنی محبوب چیز کی قدر نہیں کرتا یا پھر گم پاتا ہے تو غمگین ہوجاتا ہے۔ ان تمام پریشانیوں کا مداوا اُس شریعت میں ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کی اصلاح کے لیے نازل فرماتا ہے۔ یہ شریعت مطہرہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ پہنچی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول مکرم ﷺ ہماری سیدھے ترین راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

''اور بلاشبہ آپ ﷺ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔''

تو جب آپ ﷺ سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں تو پھر حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بات مانی جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ کیونکہ عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ (یونس : ۳۵)

''رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر سیدھے راستے کی طرف کوئی رہنمائی کرنے والا بھی نہیں ہے، اور نہ آپ ﷺ کے مبارک طریقہ سے بڑھ کر کسی کا طریقہ اچھا

ہوسکتا ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدِي هَدْيُ مُحَمَّدٍ)) [1]

''سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔''

لہٰذا جب آپ ﷺ سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کا طریقہ بھی بہترین طریقہ ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی اور طریقہ اور اسلوب زندگی بہتر نہیں ہوسکتا تو پھر لازم ہے، ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اپنے سامنے رکھا جائے، جس چیز کے بارے میں آپ ﷺ جو حکم دیں اس کو لے لیں۔ اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اسی بات کا تقاضا کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر : ٧)

''کہ اور رسول ﷺ تم کو جو دیں، وہ لے لو، اور جس سے تم کو منع کردیں اس سے رک جاؤ۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہی پیغام ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے شریعت میں کچھ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo﴾ (النجم : ٣،٤)

''اور نہ ہی وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں (جو وہ کہتے ہیں) وہ تو صرف وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، رقم: ٢٠٠٥.

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کو فرض عین قرار دیا ہے۔اور ایمان اور کفر کے درمیان کسوٹی بنایا ہے۔کہ جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے وہ مؤمن ہے، اور جو اس سے اعراض کرے، اس کا دین اسلام سے کچھ واسطہ نہیں، اور گویا وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو چکا ہے۔ اس مفہوم پر قرآن و سنت کی بہت سے نصوص دلالت کرتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمودات قرآن کریم کی تفسیر ہیں، یقیناً قرآن و سنت میں ذرہ برابر فرق یا تضاد نہیں۔

﴿وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾

(النساء: ۸۲)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تقاضا ہے کہ وہ پوری کی پوری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، مسجد کے اندر ہو یا باہر، بیوی بچوں کے ساتھ ہو یا دوست احباب کے ساتھ، گویا ہر لحہ، ہر جگہ سنت رسول کا خیال رکھیں۔مگر مقام افسوس ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اور کئی ایک اداروں میں حدیث نبوی ﷺ کو ہدف تنقید بنانے کے سلسلے میں بڑی عرق ریزی اور جانکاہی سے مصروفِ کار ہیں۔ حیرت و استعجاب کا موجب یہ امر ہے کہ طبقۂ علما میں سے بعض حضرات حدیث نبوی کی حجیت و اہمیت کے بارے میں صحیح نقطہ نظر کے حامل نہیں۔ ہر طرز بڑا ہی خطرناک اور افسوس ناک ہے۔

بہر کیف ان احوال وظروف میں ہماری کتاب ''سنت نبوی ﷺ اور ہم'' ایک ادنیٰ سی سعی ہے۔ موضوع بڑا اہم اور نازک تھا اور ہمیں اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا بڑا شدت سے احساس بہرحال حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں میرا پورا ساتھ دیا، تخریج اور اضافہ جات کا کام سرانجام دیا، اور میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔ جزاه الله في الدنيا والآخره، وأعاذه الله من الفتن.

اس موقعہ پر حافظ نصر اللہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس

کتاب کے مسودہ کو بیضہ کی شکل دی، کتاب ہذا کی پروف ریڈنگ جناب فاروق صاحب اور محمد اصغر محمدی نے کی، اللہ تعالیٰ ان علمائے کرام کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت فرمائے۔ ابومومن منصور نے کتاب کو طبع کروایا اور محمد رمضان محمدی صاحب نے پرنٹنگ کا کام خوش اسلوبی سے نبھایا، اور محمد شاہد انصاری صاحب جن کا تعاون میرے ساتھ دامے درمے، سخنے قدمے ہے، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ناسپاس گزاری ہوگی۔

آخر میں فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو ہمارے ادارے ''انصار السنہ پبلی کیشنز'' کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت کی خیر و برکت سے نوازے۔ آمین!

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه وسلم

وکتبہ
ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی
۰۸۔۷۔۱۸ام

❀❀❀❀

باب نمبر:۱

قرآن حکیم کی روشنی میں
سنتِ رسول ﷺ کی حیثیت

۱: قرآن مجید آپ ﷺ کی سنت کی اطاعت کو لازم قرار دیتا ہے۔

۲: قرآن مجید آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان قرار دیتا ہے۔

۳: قرآن مجید آپ ﷺ کی سنت کو ہی قبولیت عمل کا معیار قرار دیتا ہے۔

۴: قرآن مجید کی نظر میں آپ ﷺ کی سنت ہی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث ہے۔

۵: قرآن مجید کی نظر میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم پہنچاتے ہیں۔

۶: قرآن مجید کی نظر میں قرآن کی تشریح وتفسیر آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔

۷: قرآن مجید کی نظر میں آپ ﷺ کی سنت بھی وحی الٰہی ہے۔

۸: قرآن مجید کی نظر میں آپ ﷺ کی سنت کی اتباع حقیقت میں اطاعت الٰہی ہے۔

۹: قرآن مجید سنت کی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔

۱۰: قرآن مجید کی نظر میں سنت پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

۱۱: جنت میں اعلیٰ ترین مقام کا سبب سنت پر عمل کرنا ہے۔

۱۲: قرآن مجید سنت سے منہ موڑنے سے روکتا ہے۔

۱۳: قرآن مجید کی نظر میں سنت کی مخالفت کرنے والا تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک سب سے بہترین طریقہ ہے۔ جیسا کہ اس چیز کی وضاحت آپ ﷺ اکثر و بیشتر خطبوں میں فرمایا کرتے تھے کہ

((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ)) [1]

''سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور طریقوں میں سب سے بہتر طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔''

چنانچہ جب سب سے بہتر طریقہ آپ ﷺ کا ہے تو مؤمن پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کے ہی طریقہ مبارکہ کو اپنائے اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے اسوہ اور طریقہ کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دے، یہی ایک سچے مومن کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

(النور: ٥١)

''مومنوں کا تو بس یہی قول (بات) ہوتا ہے کہ جب ان کے آپس کے فیصلوں کے لیے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

مومنوں کی یہ روش اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کا پابند کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة ، باب تخفيف الصلاة والخطبة ، رقم : ٢٠٠٥.

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۝﴾(النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور ان کی بھی اطاعت کرو کہ جو تم میں سے حکمران ہیں۔ پھر بھی اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی سب سے بہتر ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہے۔''

قارئین کرام! اندازہ کریں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بھی ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول ﷺ کی بات نہ مانی جائے تو ایمان نہیں رہے گا۔ اس آیت مبارکہ میں یہ بھی بتایا گیا کہ یہ اطاعت کرنا ہی سب سے بہتر چیز ہے۔ اور اس کا انجام بھی سب سے عمدہ اور اچھا ہے۔ جو کہ جنت الفردوس کی شکل میں ہے۔ کئی ایک احادیث رسول ﷺ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری آیت کہ جس سے آپ ﷺ کی اطاعت فرض قرار پاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۝﴾ (الحشر : ۷)

''جو چیز رسول اللہ ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں تو تم اس سے رک جاؤ۔''

یعنی کسی بھی چیز کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا معیار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جس چیز کا حکم دیں اس کو بھی مانو اور جو کر کے دکھائیں اس کو بھی قبول کرو۔ کیونکہ یہی ذات معیارِ حق ہے۔ اس کے علاوہ سب باطل ہے۔

کرے جو اطاعت محمد ﷺ کی دل سے اسے پیرو مرشد کی حاجت نہ ہوگی

۲۔ قرآن حکیم کی روشنی میں آپ ﷺ کی اطاعت ایمان ہے:

قارئین کرام! ہمارے اس دعوے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ پاک ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾ (الانفال : ۱)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو......''

مذکورہ آیت میں ایمان کی شرط اطاعت رسول کو قرار دیا گیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بغیر ایمان کا کوئی تصور ہی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا سنت پر عمل کیے بغیر بے ایمان ہی رہے گا۔ چاہے اطاعت رسول ﷺ سے روگردانی کرنے والا کتنے بھی خالی دعوے کیوں نہ کرے۔ دیکھیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے کہ

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًاo﴾ (النساء : ٦٥)

''تیرے رب کی قسم ہے، یہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو آپ ﷺ ان میں فیصلہ کردیں تو وہ اپنے دلوں میں (اس فیصلے کے بارے میں) کوئی تنگی نہ پائیں۔ اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔''

مذکورہ آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ ایمان کی کسوٹی رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ماننا اور پھر دل و جان سے اسے تسلیم بھی کرنا ہے۔ اگر ان میں سے کسی بھی چیز میں کمی ہوئی تو ایمان سلامت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے ظاہر ہے کہ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا (جو آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں) ایک شخص کے ساتھ سیراب کرنے والے نالے کے پانی پر جھگڑا ہوگیا۔ معاملہ آپ ﷺ تک پہنچا۔ آپ ﷺ نے صورتحال کا جائزہ لے کر فیصلہ زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں کردیا، تو مخالف نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں (یہ ایک طرح سے آپ ﷺ کے فیصلہ پر جانب داری کا الزام تھا) جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [1] کہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب سکرا الانہار، رقم: ٢٣٥٩، ٢٣٦١، ٢٣٦٢، ٢٧٥٨، ٤٨٨٥، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ، رقم: ٦١١٢، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، ابواب من القضاء، رقم: ٣٦٣٧، سنن ترمذی، کتاب الاحکام، یکون احدھما اسفل من الآخر فی اعاء، رقم: ١٣٦٣، سنن نسائی، کتاب آداب القضاء، باب الرخصۃ للحاکم الامین ان یحکم و ھو غضبان، رقم: ٥٤٠٧.

جس میں ایسے افراد کو سخت ڈانٹ پلائی گئی کہ جو آپ ﷺ کی بات مانتے نہیں یا پھر اعتراض کرتے ہیں، اس آیت کی روشنی میں ان لوگوں کو بھی اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ جو حدیث رسول ﷺ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ حدیث کے مقابل اقوال و آرائے آئمہ پیش کرتے ہیں، یا پھر کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے، یہ بھی ایک طرح سے حدیث رسول ﷺ پر عدم اعتماد ہے جو کہ ایمان کے منافی ہے اور قطعاً مومنوں کے شایان شان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجٰهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

(الحجرات : ١٥)

’’مومن تو وہ ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں، اور پھر شک وشبہ نہ کریں، اور اپنے مالوں، اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہی لوگ (اپنے ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہیں۔‘‘

یہ آیت مؤمن کے کردار کو واضح کررہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے قطعاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں میں شک نہیں کرتے۔ یہاں ایک بڑا اہم نقطہ ہے کہ احادیث رسول ﷺ بھی قرآن کی طرح محفوظ ہیں اس کا ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ سنت رسول ﷺ کی بھی اللہ نے حفاظت کی ہے، کیونکہ دین اسلام کا یہ اہم جز ہے۔ جس سے شریعت اسلامیہ مکمل ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ضرور بضرور ان کی باتوں کو قبول کرتے اور تسلیم کرتے ہیں، اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ مومنوں کی صفت بیان کیا ہے:

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(النور: ٥١)

’’مومنوں کی تو بس یہی بات ہوتی ہے کہ جب ان کے (آپس کے اختلافات

کے) درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اطاعت کی یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اس آیت نے واضح کیا کہ ایمانداروں کی صفت اور مومنوں کی خوبی بس یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سنت کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ہیں۔ نہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں میں کیڑے نکالتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں، جیسا کہ کفار کا شیوہ ہے، اللہ محفوظ رکھے۔ آمین

۳۔قرآن حکیم آپ ﷺ کی سنت کو ہی عمل کی قبولیت کا معیار قرار دیتا ہے:

قارئین کرام! ہم پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سنت کو ماننا فرض ہے، کیونکہ یہ ایمان کی علامت ہے، اب ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنانا ضروری ہے۔ کیونکہ سنت کی اطاعت کئے بغیر اللہ تعالیٰ اعمال قبول نہیں فرماتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓا۟ أَعْمَٰلَكُمْ ۝ ﴾ (محمد: ٣٣)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی بات کو مانو، اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو مانو اور اپنے اعمال ضائع مت کرو۔''

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم صحابہ کی جماعت اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے سمجھتے تھے کہ جس طرح چاہے عمل کرلو، اللہ تعالیٰ قبول فرمالے گا، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ اللہ کے ہاں اپنی مرضی سے کیے ہوئے اعمال قبول نہیں ہوتے، بلکہ اعمال کی قبولیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اتباع شرط قرار دی گئی ہے کہ عمل قبول ہوں گے ہی بس رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہونے کی صورت میں وگرنہ قبول نہ ہوں گے۔ [1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ٥/٦٠٦.

جس پر حدیث رسول ﷺ کے بیسیوں واقعات دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے قربانی عید کی نماز پڑھنے سے پہلے کی آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَىٰ)) ❶

''کہ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا، تو وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے یعنی قربانی نہیں ہوئی''

ایک شخص سال بھر روزہ رکھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَاصَامَ وَلَا أَفْطَرَ)) ❷

''کہ نہ اس نے روزہ رکھا، اور نہ ہی چھوڑا۔''

یعنی نہ اس کو روزہ رکھنے کا ثواب ملا اور نہ ہی بھوک اور پیاس کی مشکلات سے نجات حاصل کی۔ اس حیثیت سے روزہ چھوڑا بھی نہیں، لیکن روزہ رکھنے کا ثواب بھی نہیں، بلکہ اس ممنوع عمل سے گریز نہ کرنے کا گناہ ہے۔

قارئین کرام! ان واقعات سے پتہ چلا کہ نیکی کی قبولیت کا معیار، آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے نہ کہ اپنی خواہشات، جیسا کہ آج عموماً معاشرے میں یہ سوچ پیدا ہوگئی ہے کہ جیسے کرنا ہے عمل کرلو، اللہ قبول فرمائے گا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے نے بہت سے ایسے کاموں کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اوران کو نیکی سمجھ لیا ہے جسے شریعت نے لازم نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے انہیں کیا، نہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن معاشرہ ان کو نیکی سمجھ کر کر رہا ہے۔ حالانکہ نیکی کا معیار اللہ تبارک وتعالیٰ نے سنت رسول ﷺ کو قرار دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر کوئی نیکی اللہ کے ہاں نیکی نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الذبائح والصيد، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم فليذبح علی اسم الله، رقم: ٥٥٠٠، ٩٨٥، ٧٤٠٠، ٥٥٦٢، ٥٥٦١، صحيح مسلم، كتاب الاضاحی باب وقتها، رقم: ٥٠٦٤.

❷ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة ايام، رقم: ٢٧٤٦، سنن نسائی، كتاب الصيام، باب النهی عن صيام الدهر، رقم: ٢٣٧٩، ٢٣٨٠، ٢٣٨١، سنن ابی داؤد، كتاب الصيام، باب فی صوم الدهر تطوعاً، رقم: ٢٤٢٥.

﴿ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـًٔـا﴾

(الحجرات : ١٤)

’’اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے لگو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔‘‘

یعنی اطاعت ہوگی تو اعمال ضائع نہ ہوں گے وگرنہ اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝﴾ (الحجرات : ١، ٢)

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے مت بڑھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ ہی اونچی کرو۔ جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے (گفتگو کرتے ہوئے) کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔‘‘

قارئین کرام! اس آیت نے بھی ہمیں ہر معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا پابند کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی اطاعت نہ کرنا، آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے۔ جو تباہی کا باعث ہے اور یہ روش مومن کی صفات کے منافی ہے۔ کیونکہ مومن اطاعت رسول ﷺ کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے نا کہ اپنی ضد اور رائے پر اڑا رہتا ہے۔ لہٰذا جو صحیح احادیث رسول اللہ ﷺ کا احترام اور ادب نہیں کرتا، وہ اس طرح گستاخ ہے، جس طرح آپ ﷺ کے زمانے میں لوگ آپ کے بے ادب اور گستاخ تھے۔

جیسا کہ آج عموماً ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے کہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر

اڑے ہوئے ہیں مثلاً فوتگی کے موقع پر قل، تیجا، دسواں اور چالیسواں اور اس کے علاوہ جو کام ہیں کہ جن کاموں کا شریعت میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اگر پوچھ لیں تو جواب ہوگا کہ جی اس میں برائی کیا ہے؟ [1] حالانکہ مومن کی خوبی آپ ﷺ کی اتباع ہے۔ یعنی جو کام

---

[1] یہ بھی شیطان کا دھوکہ اور تلبیس ہے جو وہ نیکی کرنے والوں کو دیا کرتا ہے، اور ایسا ہی دھوکہ شیطان نے ان لوگوں کو دیا تھا جو لوگ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہی اپنی سوچ کی بنا پر عمل کرنے کے درپے ہوگئے اور ان پر صحابی رسول ﷺ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام دارمی رحمہ اللہ اپنی سنن دارمی کے مقدمہ میں بـــــاب کـراهية اخـذ الرأى ، رقم: ٢٠٤ کے تحت ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر صبح کی نماز سے قبل جمع ہوئے تھے۔ جب آپ نکلتے ہم آپ کے ساتھ مسجد جاتے۔ ایک روز ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے ابھی ابھی مسجد میں عجیب وغریب چیز دیکھی ہے۔ اور الحمد للہ خیر ہی دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: اگر آپ زندہ رہے تو ابھی دیکھ لیں گے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں حلقے بنائے بیٹھے ہیں۔ ہر حلقے کے ساتھ ایک شخص ہے اور لوگوں کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں، وہ شخص کہتا ہے سو بار اللہ اکبر کہو، لوگ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے سو بار لا الٰہ الا اللہ کہو، لوگ سو بار لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے سو بار سبحان اللہ کہو، لوگ سو بار سبحان اللہ کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے سو بار الحمد للہ کہو، لوگ سو بار الحمد للہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے ان سے کیا کہا؟ ابوموسیٰ نے جواب دیا آپ کے حکم کے انتظار میں تھا۔ ان کو کچھ نہیں کہا۔ انہیں، کیوں نہ حکم دیا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں، ان کی نیکیاں ضائع نہ ہوں گی؟ پھر آپ چل پڑے ہم بھی آپ کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس پہنچے اور کھڑے ہوگئے، اور فرمایا: میں تمہیں یہ کیا کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ کنکریاں ہیں، جن پر ہم تسبیح، تہلیل اور تکبیر شمار کرتے ہیں۔ فرمایا: اس کے بدلے تم اپنے گناہ شمار کرو، میں ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔ تم برباد ہوا اے اُمت محمدیہ! کیا ہلاکت نے اتنی جلدی تمہیں پالیا۔ یہ تمہارے نبی کے صحابہ ابھی موجود ہیں، آپ ﷺ کے کپڑے ابھی پرانے نہیں ہوئے اور برتن ابھی ٹوٹے نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم محمد ﷺ کی اُمت سے زیادہ ہدایت یاب ملت پر ہو یا گمراہی وضلالت کے دروازے کھول رہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! واللہ، ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔ فرمایا: کتنے خیر کے طالب وہاں تک نہیں پہنچ پاتے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا کہ ''ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔'' اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے مصداق تم میں سے اکثر لوگ ہوں گے۔ سیّدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں میں شریک اکثر لوگ نہروان کے دن خوارج کے ساتھ ہم پر تیر برسا رہے تھے۔

ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ رب تعالیٰ نے قرآن میں یوں فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الكهف : ١٠٣) ⇦⇦⇦

آپ ﷺ نے کیا، وہ کرے جو نہیں کیا، وہ نہ کرے۔ مذکورہ کاموں کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ اگر یہ کام بہتر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان کاموں کو ضرور سرانجام دیتے۔ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرور ان کاموں کی تلقین کرتے، لیکن آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ایسا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جو کام آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے نہ کیا ہو وہ قطعاً اچھا نہیں۔ اگر اچھا ہوتا تو یہ پاک باز نفوس قدسیہ اس کو ضرور کرتے، جبکہ انہوں نے نہیں کیا، لہٰذا بچنے میں ہی بہتری ہے۔

قرآن کی نظر میں آپ ﷺ کی سنت اللہ کے حکم کے مطابق ہے:

قارئین کرام! آپ کی اتباع ہی کامیابی ہے، یہی عمل کی قبولیت کی شرط ہے، کیونکہ آپ ﷺ جو کچھ دینی معاملات میں کرتے تھے یا کہتے تھے، وہ سب اللہ کی طرف سے وحی ہوتا تھا، جب تک آپ ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام نہ آجاتا آپ ﷺ قطعاً اپنی خواہش سے کچھ نہ بولتے تھے۔ بلکہ اللہ کے احکامات کے منتظر رہتے تھے۔ ہمارے اس دعویٰ پر قرآن حکیم کی کئی آیات و واقعات دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً سیّدہ خولہ رضی اللہ عنہا بنت مالک بن ثعلبہ کا واقعہ کہ ان کے شوہر سیدنا اوس رضی اللہ عنہ بن صامت نے ان سے ظہار کیا۔ ظہار کا مطلب ہے کہ اپنی بیوی سے یہ کہنا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی (تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ خولہ پریشان ہوئیں اور آپ ﷺ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آگئیں، لیکن ابھی تک ظہار کے سلسلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، وہ آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھتی ہیں۔ آپ ﷺ کوئی جواب نہیں دیتے۔ بار بار پوچھتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خولہ میرے پاس اس مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ جب تک اللہ نے رہنمائی نہیں فرمائی آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اس کے اصرار کے باوجود کوئی جواب نہیں

⇦⇦⇦ ''کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتادوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ یہی کہ جن کی دنیاوی زندگی کی تمام تر کوششیں ضائع ہوگئیں، اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔''

دیا، [1] اس لیے قرآن بیان کرتا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوحٰىo﴾ (النجم: ۳،۴)

آپ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، مگروہ اللہ کی نازل کردہ وحی ہوتا ہے۔ یعنی جب اللہ کوئی حکم نازل فرماتا ہے تب ہی آپ ﷺ بولتے ہیں وگرنہ خاموش رہتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کو اس کا پابند کیا گیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدہ: ٦٧)

''اے رسول ﷺ! آپ کے پروردگار کی طرف سے جو آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے!''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِo لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِo﴾

(الحاقة: ٤٤-٤٥)

''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا، تو ہم اس کے داہنے سے پکڑ لیتے، اور پھر اس کی شہ رگ کو کاٹ دیتے۔''

قارئین کرام! اندازہ کیجئے کہ کس قدر آپ ﷺ کو پابند کیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہنا، بلکہ ہمارے احکامات کا انتظار کرنا ہے۔ جو ہم حکم دیں، آپ ویسے ہی کرتے چلے جائیں۔ لیکن افسوس ان لوگوں پر جو دین میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں اور اس حق کو استعمال کرتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے۔ اور اس نے یہ حق اپنے پیغمبر کو بھی نہیں دیا، بلکہ اس اختیار کے استعمال کرنے کی صورت میں انتہائی بھیانک نتائج کی دھمکی سنا دی کہ ہم تیری شہ رگ کاٹ دیں گے۔ یعنی موت طاری کر دیں گے۔ لیکن آج کا بدعتی ذرہ برابر خوف نہیں کھاتا کہ میں اللہ کے دین میں اپنی خواہشات کو

---

[1] مسند احمد: ٦/٤٦، رقم: ٢٤١٩٥، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، رقم: ٣٤٦٠، سنن ابن ماجه، رقم: ١٨٨، علامہ البانیؒ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

داخل کر رہا ہوں جبکہ اس کا م کا اختیار تو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار کا قول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (یونس : ١٥)

''اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو کہ بالکل واضح ہیں، پھر جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی قرآن لائیے یا پھر اس کو تبدیل کر دیجیے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں میں تو بس اس کی پیروی کر رہا ہوں کہ جو میری طرف نازل کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''

یہ آیت بھی اس پر واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ بس اللہ کا حکم ہی پہنچاتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت بھی وحی الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سنتِ رسول کو بھی اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

احادیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہیں صرف الفاظ نبی کریم ﷺ کے اپنے ہیں اور ان کا مفہوم اللہ کی طرف سے ہے۔

قرآن حکیم کی نظر میں رسول ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

عَلَيْهِمْ حَفِيظًاO﴾ (النساء : ٨٠)

''جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے۔ اور جو منہ پھیر لے ہم نے آپ ﷺ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت اور سنت پر عمل حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہی عمل کرنا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اسی وجہ سے لوگوں کو آپ ﷺ کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِO﴾ (النساء : ٦٤)

''ہم نے تو رسول ﷺ کو بس اس لیے ہی بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔''

قرآن حکیم کی نظر میں سنت بھی وحی الٰہی ہے:

قارئین کرام! جس طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے، اور حدیث وحی غیر متلو بالفاظ دیگر قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جبکہ حدیث کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ لیکن احکامات کے اعتبار سے دونوں چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ [1]

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بھی اس کی کچھ وضاحت کر آئے ہیں، مزید دلائل یہاں نقل کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُO ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾(القيامة : ١٨، ١٩)

''جب ہم پڑھیں تو آپ بھی اس قرآن (پڑھنے) کی پیروی کریں، پھر اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

قارئین کرام! ان دونون آیات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: مباحث فی علوم القرآن لمناع خليل القطان ، ص: ٢٥، ٢٩.

قرآن کی طرح حدیث رسول ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب ہم قرآن کو پڑھیں تو آپ بھی پڑھیں۔ یہ حکم قرآن کے متعلق ہوگیا، پھر فرمایا کہ اس کی توضیح بھی ہمارے ذمہ ہے۔

قارئین کرام! اس جملہ پر غور کریں کہ قرآن تو قرآن ہی ہے، توضیح کہاں ہے، یا کیا ہے؟ لامحالہ یہ قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ اگر اس سے مراد بھی قرآن ہوتا تو پہلی آیت کی ضرورت نہیں رہتی تھی، حالانکہ قرآن زائد چیزوں سے خالی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد دوسری چیز ہے جوکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے عام کی تخصیص بھی فرمائی ہے۔ بعض چیزوں کو جائز اور ناجائز بھی قرار دیا ہے، اور کچھ کو حلال و حرام بھی ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۟ ﴾

(ھود: ۱)

’’یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیات محکم ہیں، پھر اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ یہ ایک حکیم باخبر کی طرف سے ہے۔‘‘

قارئین کرام! اس آیت پر بھی غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حدیث رسول ﷺ بھی اللہ کی وحی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کتاب کی صفت یہ بیان کی ہے کہ اس کی آیات واضح ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن کی وضاحت کے بعد تفصیل حدیث بھی ہے، کیونکہ حدیث میں ہی قرآن کی مکمل تفصیل ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور حرام و حلال کا ذکر قرآن میں موجود ہے، لیکن مکمل تفصیل و وضاحت حدیث سے ہی ملتی ہے۔

لہٰذا جس طرح قرآن پر ایمان اور عمل لازم ہے۔ اسی طرح صحیح حدیث پر ایمان اور عمل بھی لازم ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کا انکار ایمان سے دوری اور دین اسلام کو

صحیح اور حق سمجھنے سے انکار ہے۔ [1]

قرآن حکیم کی نظر میں سنت قرآن کی وضاحت:

قارئین کرام! سنت رسول ﷺ قرآن کی حقیقت میں توضیح اور عملی تصویر ہے۔ کیونکہ آپ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ بذریعہ قرآن اپنے افعال واقوال سے مکمل وضاحت کریں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (النحل: ٤٤)

''ہم نے آپ ﷺ کی طرف قرآن کو نازل کیا، تاکہ آپ ﷺ جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کو کھول کھول کر بیان کردیں، ہوسکتا ہے کہ وہ غور وفکر کریں۔''

آپ ﷺ کے ذمہ ڈیوٹی لگائی گئی۔ آپ ﷺ نے اس ڈیوٹی کا حق ادا کیا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی مسائل میں مشکلیں پیش آئیں، انہوں نے آپ ﷺ کی طرف

---

[1] اور یہ بات ہم نہ تو اپنی طرف سے کر رہے ہیں اور نہ ہی طعن وتخمین کی بنیاد پر کر رہے ہیں، بلکہ دیکھئے اور غور فرمایئے ابولہب پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب میں دی ہے، حدیث کے انکار کی وجہ سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سب لوگوں کو جمع فرما کر یہ اعلان فرمایا کہ تمہیں شدید عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں، تو اس نے کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اسی طرح ابوطالب کو بھی فرمایا تھا: ((قُلْ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ بِكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) یہ دونوں حدیث ہی کے انکار کی وجہ سے کافر ٹھہرے ہیں، اسی طرح فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کی بات (جو کہ وحی تھی) کا انکار کر کے کافر ٹھہرا نہ کہ تورات کا انکار کر کے، کیونکہ تورات تو اس وقت نازل ہی نہ ہوئی تھی اس کے بارے قرآن نے کہا: ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ﴾ (الشعراء: ١٧) اس نے اسی حدیث کا انکار کیا تو رب نے فرمایا: ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا﴾ (المزمل: ١٦) یہاں نافرمانی کی وجہ انکار تورات نہیں بتائی گئی۔

رجوع کیا۔ آپ ﷺ نے قرآن کے معنی ومفہوم کو واضح کیا۔ چنانچہ جب:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲)

یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوگئے، نبی ﷺ سے پریشانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کون ہے جو ہم میں سے اپنے اوپر ظلم نہیں کرتا؟ اللہ تعالیٰ نے اخروی کامیابی عدم ظلم کے ساتھ مشروط کی ہے۔ لگتا ہے کہ اب بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے قرآن کی مذکورہ آیت کی وضاحت فرمائی کہ اس ظلم سے مراد شرک ہے، پھر نہ کہ وہ جو تم سمجھتے ہو، دیکھو اللہ کا ایک صالح بندہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس وضاحت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پریشانی دور ہوگئی۔ [1] (مزید تفصیل منکرین حدیث کے باب میں دیکھیں)

سنت کامیابی ورحمت ہے اور تزکیہ کا بہترین ذریعہ ہے:

قارئین کرام! ہمارے اس دعویٰ کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

(النور: ۵۶)

''نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

غور فرمایئے کہ رحمت کے اسباب میں سے ایک سبب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی بات ماننا بھی اور سنت کو اپنانا بھی، جب ایسا کردار ہوگا تو دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت شامل حال ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۳۲۷، مسند احمد: ۳۷۸/۱، ابن حبان، رقم: ۲۵۳.

مِّنۡ قَبۡلُ يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا۝﴾ (الفتح : ١٦)

''اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو بہترین بدلہ دے گا، اور اگر تم منہ پھیرو گے، جیسا کہ تم نے پہلے بھی منہ پھیر لیا تھا، تو تمہیں دردناک عذاب ہوگا۔''

اندازہ کیجیے کہ بہترین اجر اطاعت رسول ﷺ سے حاصل ہوگا اور یہ اجر کیا ہوگا اس کی وضاحت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ۝﴾ (النساء : ١٣)

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنتوں میں داخل کرے گا کہ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اندازہ فرمائیے کہ جنت میں دائمی زندگی اور رہائش مل رہی ہے۔ اطاعتِ رسول ﷺ سے ہی حقیقی کامیابی ہے جو کہ اطاعت رسول ﷺ اور سنتِ رسول ﷺ کے اپنانے ہی سے مل سکتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا۝﴾ (الاحزاب : ٢١)

''بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو کہ اللہ تعالیٰ سے (ملاقات) کی اور آخرت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرتا ہے۔''

قارئین کرام! اس آیت نے بھی واضح کر دیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات میں کامیابی کی امید رکھتا ہے اور آخرت کے دن حساب سے بھی ڈرتا ہے اور اُس سے بچنا چاہتا ہے، اسے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا چاہیے۔ یعنی جو کام آپ ﷺ نے کیا اس کو کرے اور جس کو نہیں کیا اس کے قریب نہ جائے۔ کیونکہ نمونہ کی حقیقت یہی ہے

کہ جیسا سیمپل دیا جاتا ہے ویسی ہی چیز تیار کرنا ہوتی ہے۔ اگر تھوڑا بہت اپنی طرف سے اضافہ کر دیا جائے، تو چیز اکثر اوقات بے کار ہو جایا کرتی ہے اور کسی کام کی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے مؤمنوں کو پابند کیا گیا ہے کہ اپنی ایک ایک ادا کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق بناؤ، کیونکہ ایسا ہی کردار اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ ورنہ مردود ہو جائے گا۔

قارئین کرام! اخروی کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیاوی کامیابی بھی اطاعت رسول ﷺ میں ہی مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الجمعة : ٢)

’’اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس نے ناخواندہ لوگوں میں سے ہی ایک رسول بھیجا جو کہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی بعثت کے فوائد بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، یعنی آپ ﷺ کا کام لوگوں کو قرآن سنانا ہے، کیونکہ قرآن دلوں کے زنگ دور کر دیتا ہے، لوگوں کے لیے رہنمائی کا سبب بنتا ہے جس سے لوگوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور ان میں انقلاب آ جاتا ہے یعنی تاریک راستوں کو چھوڑ کر رشد و ہدایت والے راستوں کو اپنا لیتے ہیں، کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کر لیتے ہیں، اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن حکیم اور حکمت سے مراد سنت رسول ﷺ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

(بنی اسرائیل : ٩)

’’بلاشبہ یہ قرآن سیدھے ترین راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مومنوں کے لیے خوشخبری ہے۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کا قرآن سناتے ہیں اس کی آیات کی تلاوت فرماتے ہیں۔

دوسرا کام آپ ﷺ کا یہ ہے کہ آپ لوگوں کا تزکیہ کرتے تھے، یہ تزکیہ ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے تھا۔ یعنی آپ ﷺ نے لوگوں کو دل کی صفائی کی بھی تلقین کی کہ دل میں کسی قسم کا بغض اور کینہ نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی کسی کے خلاف بغض وعداوت ہونی چاہیے، کیونکہ ایسی صورت میں رب تعالیٰ نیکیوں کو قبول نہیں فرماتا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس سوموار اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر اس شخص کو معاف کر دیتا ہے کہ جو شرک نہیں کرتا۔ لیکن ایسے دو افراد کے اعمال کو پیش کرنے سے اللہ تعالیٰ منع کر دیتا ہے کہ جن کے درمیان نفرت وعناد ہو، جب تک بغض وعناد کی فضا ختم نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اعمال کو قبول نہیں فرماتا۔'' [1]

آپ ﷺ نے اپنے مذکورہ فرمان میں بغض وعناد کی قباحت کو بیان کر کے لوگوں کو اس سے دور رکھنے کی ایک طرح سے تلقین کی ہے۔

ظاہری گناہوں سے نفرت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک (سیاہ) نکتہ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کر لے تو اس کے سیاہ نکتہ کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر مزید گناہ کرتا چلا جائے تو سیاہی دل پر غالب آ جاتی ہے اور یہی وہ زنگ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [2]

---

[1] صحيح بخارى، كتاب الادب، باب الهجرة، رقم: ١٠٧٦، ١٠٧٧، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهى عن الشحناء، رقم: ٦٥٤٤، ٦٥٤٥، ٦٥٤٦، ٦٥٧٧، باب تحريم التحاسد والتباغض، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة ايام بلا عذر شرعى، رقم: ٦٥٢٦، ٦٥٣٥.

[2] صحيح سنن ترمذى ٢٦٥٤، صحيح سنن ابن ماجه، ٣٤٢٢، صحيح الترغيب: ١٦٢٠، اسناده حسن.

اس مہر کے بعد نیکی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی جب کہ آپ ﷺ لوگوں کو ظاہری گناہوں سے بچانا چاہتے ہیں، کیونکہ گناہ تباہی اور بربادی کا باعث ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دی اور ان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سکھائے۔ جو قرآن کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اور ان کو عبادت کے طریقے اور سلیقے سکھائے۔

یہ سب کچھ آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے تھا، تاکہ لوگ اپنی سوچ اور فکر دین میں داخل نہ کریں اور دین کا حلیہ نہ بگاڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دین کی ایک ایک چیز بڑے واضح انداز میں لوگوں کو اپنی سنت کے ذریعے سکھلائی اور بتائی ہے۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ تباہی وگمراہی سے بچ گئے، وگرنہ اس معاشرے میں کون سا گناہ تھا جو ہوتا نہ ہو، مثلاً چوری، ڈکیتی، قمار بازی، شراب نوشی، زنا و بے حیائی، رشوت و سودی معاملات، لڑائی جھگڑے، الغرض کوئی ایسا گناہ نہیں تھا جو ان میں رائج نہ ہو۔ لیکن جب انہوں نے آپ ﷺ کی سنت اور احکامات کو اپنایا تو وہی قوم جو گناہوں میں لتھڑی ہوئی تھی لوگوں کی پیشوا و امام بن گئی اور ساری کائنات کے لیے مشعل راہ بن گئی۔ اس کی وجہ صرف اور صرف سنت نبوی اور فرامین نبوی سے ان کی والہانہ محبت اور عقیدت تھی، جس نے ان کو عمل کا خوگر بنادیا تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے دنیاوی ترقی کے آسمان کی بلندیوں کو بھی چھویا اور آخرت کے اعتبار سے بھی انتہائی ممتاز حیثیت حاصل کر گئے۔ اس لیے کہ مالک ومہربان نے ان کے لیے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (المائدہ: ۱۱۹) کی ضمانت فراہم کی۔ یہ سب کچھ ان کو قرآن کی تعلیمات کے ساتھ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے ملا۔ اسی معنیٰ اور مفہوم کو اللہ مہربان نے کئی ایک آیات میں بیان فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

’’جیسا کہ ہم نے تم میں سے ہی تم میں ایک رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے

سامنے تلاوت کرتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب وحکمت کی وہ چیزیں بھی سکھاتا ہے کہ جن کو تم نہ جانتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم کارنامے کو اہل ایمان پر بڑا جتلایا ہے: ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (آل عمران : ١٦٤)

''بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے یہ سب بالکل گمراہی میں ہی تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اسی ذمہ داری کے لیے اللہ تعالیٰ کے دو عظیم پیغمبروں نے رب تعالیٰ سے خصوصی دعا کی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام رب تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

(البقرہ : ١٢٩)

''اے ہمارے رب! تو ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج دے، جو ان پر تیری آیات کو تلاوت کرے، اور ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دے، اور ان کو پاک کرے۔ بلاشبہ تو غالب وحکمت والا ہے۔''

قارئین کرام! مذکورہ تمام آیات آپ ﷺ کی سنت کے فوائد واضح کر رہی ہیں کہ جس میں انسانیت کا تزکیہ، گمراہیوں سے نجات اور دنیاوی اور آخرت کی بلندیوں کو چھونا

ہے۔ یہ تمام چیزیں اور مزید برکات صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا سنت کو ہی اپنائیں۔

سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے:

قارئین کرام! اگر انسان کو اللہ کی محبت نصیب ہوجائے تو ایسا انسان دنیا اور آخرت کا کامیاب ترین انسان ہے کہ جس کی زندگی ہر قسم کی خوشیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے، اور کائنات کی ایک ایک چیز اس سے محبت کرنے لگ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا تو یہ کامیاب ہوجائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو اس کی اطلاع دیتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ تو بھی اس سے محبت کر۔ جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر یہی اطلاع جبرائیل آسمان والوں کو دیتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس محبت کو اس شخص کے لیے زمین میں بھی پھیلا دیا جاتا ہے۔ [1]

اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے ساری کائنات اس سے محبت کرنے لگتی ہے، اب یہ محبت ہمیں حاصل کیسے ہوسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں قرآن حکیم نے دیا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرو، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (آل عمران : ۳۱)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو تم میری پیروی کرو اللہ

---

[1] صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب كلام الرب تعالىٰ مع جبريل و نداء الله الملائكة، رقم : ۷٤۸٥، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوٰة الله عليهم، رقم : ۳۲۰۹.

تم سے محبت بھی کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا، اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت ہے۔قرآن سے محبت کی علامت نبی ﷺ سے محبت ہے، اور نبی ﷺ سے محبت کی علامت سنت سے محبت کرنا ہے۔ [1]

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول میں سے کسی ایک یا دونوں کی اطاعت نہیں کرتے ان کے اس باطل رویہ کو ''کفر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۳۲)

آیت کی تفسیر:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعویٰ دار ہوں۔ اس آیت میں حجیت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے، کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں، جسے بیان کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! اس آیت سے یہ بات ہمیں معلوم ہو رہی ہے کہ سنتِ رسول ﷺ سے ایک تو اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور دوسرا فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ اللہ مہربان ہمارے

[1] قرطبی : ٤/ ٦٠، ٦١.

گناہوں کو بھی معاف فرمادے گے، جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات ہمارے شامل حال رہیں۔

سنتِ رسول ﷺ جنت میں اعلیٰ ترین مقام کا باعث ہے:

انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انسان سے وعدہ فرمایا ہے کہ اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ وہ جنت اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس جیسی نعمت کا تصور بھی ناممکن ہے۔ تو ایسی نعمت کو دیکھنا اور حاصل کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اپنے ان بندوں کے مقدر کر دی ہے، جو سنتِ رسول ﷺ کو ہی اپنی زندگی کا ''نصب العین'' بنالیتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کے لئے جنت لکھ دی ہے، بلکہ جنت کا اعلیٰ ترین مقام بھی ان خوش نصیبوں کی مہمانی کے لیے تیار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾ (النساء: ٦٩)

''جو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان کیا ہے۔ (وہ مبارک لوگ) انبیا، اصدقا، شہدا اور صالحین ہیں، اور یہ تو بہت ہی اچھے دوست ہیں۔''

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پاس ایک عرض کی کہ ہم آپ کو دنیا کے اندر تو دیکھ لیتے ہیں جب ہمارا دل چاہتا ہے۔ لیکن جب آپ ﷺ جنت میں جائیں گے تو آپ ﷺ تو بڑے ہی اعلیٰ مقام پر ہوں گے، ہم آپ ﷺ کا دیدار نہ کرسکیں گے جبکہ دنیا میں یہ حالت ہے کہ جب آپ ﷺ کا دیدار نہ کرلیں تو چین نہیں آتا۔ تو آخرت میں

کیا بنے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ [1]

جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا تو اس کا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) [2]

''انسان اس کے ساتھ ہوگا کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت محبت کی دلیل ہے جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ کا سبب بنے گی۔ اس آیت میں بھی اسی بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کا انجام چار قسم کے انتہائی اعلیٰ ترین مقام کے حامل افراد کے ساتھ ہوگا کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و اکرام ہوا ہے۔ ان مبارک ترین افراد میں نبی، صدیق، شہید اور صالح افراد شامل ہیں۔ ان کا ساتھ اور رفاقت بس رسول ﷺ کی اطاعت میں ہی مضمر (پوشیدہ) ہے۔

قرآن حکیم سنتِ رسول ﷺ سے منہ موڑنے سے روکتا ہے:

قارئین کرام! مومن کے ایمان کی پہچان بس رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ لہٰذا اس کو قطعاً لائق نہیں ہے کہ وہ رسول ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کرے یا منہ موڑے۔ یعنی دل سے اس کو پسند نہ کرے۔ اگرچہ ظاہراً مجبوراً اس کا انکار نہ

---

[1] طبری، رقم: ۹۹۲۹ مرسلاً اس میں جعفر ابن مغیرہ ضعیف ہے، لیکن اس حدیث کے شواہد بہت ہیں، اور بہت سے ایسے کام ہیں جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے جنت میں اپنی صحبت کی خوشخبری دی ہے، جس طرح کہ ربیعۃ الاسلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں رات گزارا کرتا تھا، میں آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی اور دوسری ضروریات پوری کرتا، تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوال کیجیے، میں نے عرض کیا، میں جنت میں آپ کی صحبت چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ، میں نے عرض کیا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میری مدد کیجیے، کثرت سجود کے ذریعے۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، رقم: ۱۰۹٤. اسی طرح امین تاجر وغیرہ۔ لیکن بھی یہ خوشخبری ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦١٦٨.

کر رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے کردار سے بھی منع فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ (الانفال : ۲۰)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور سن لینے کے باوجود اس کا کہا ماننے سے روگردانی مت کرو۔''

کیونکہ یہ روگرانی اور یہ انداز ایمانی اوصاف کے منافی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب : ۳۶)

''کسی مومن مرد اور عورت کا اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کوئی فیصلہ فرمادیں، اور (یاد رکھو) جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا، تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔''

اس آیت میں واضح کردیا گیا ہے کہ مومن کا کام آپ ﷺ کے فیصلے کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دینا ہے، نہ کہ الٹی سیدھی تاویلات کرکے اپنے لیے راہ فرار اختیار کرنا، بلکہ مومن کو اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے کہ بس رسول ﷺ کی ہی اطاعت کرو، ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ (المائدۃ : ۹۲)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور احتیاط کرو (مخالفت نہ کرنے میں)، لیکن اگر اعراض کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول ﷺ پر تو بس پہنچا دینا ہے (حساب ہم خود لے لیں گے)۔''

اس آیت میں ہمیں اس ممکنہ تباہی کی طرف بھی رہنمائی کردی گئی جو رسول اللہ ﷺ

کی مخالفت کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام تو دین کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ منوانا نہیں ہے۔

منوانے کا ذمہ ہمارا ہے اور ہم ہی اس کا حساب وکتاب کریں گے تو اس آیت میں ہمیں بہت بڑی دھمکی دی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا مخالفت سے بچنا ضروری ہے۔

مخالفتِ رسول ﷺ تباہی کا دوسرا نام ہے:

یہ تباہی دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ہوسکتی ہے، جیسا کہ جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی معمولی سی حکم عدولی نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا، جیتی ہوئی جنگ انتہائی مشکلات میں بدل گئی، ستر کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، کچھ زخمی ہوگئے اور خود رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوگئے اور خود (لوہے کی ٹوپی) آپ ﷺ کے سر میں دھنس گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی پریشانی کی حالت میں آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں یہ کیسے ہوگیا؟ رب تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۝﴾
(آل عمران : ۱۵۲)

”کہ بلاشبہ اللہ نے تو اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کہ تم ان (کافروں) کو کاٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی، اور اپنے کام میں اختلاف کیا اور نافرمانی کی اپنی محبوب چیز کو دیکھ لینے کے بعد۔“

قارئین کرام! یہ نافرمانی آپ ﷺ کی حکم عدولی کی تھی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پچاس افراد پر امیر مقرر کرکے فرمایا تھا کہ

”اس گھاٹی کو چھوڑنا نہیں، چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ لیکن اس کے اکثر ساتھیوں

نے گھاٹی چھوڑ دی کہ اب جنگ مسلمان جیت چکے ہیں، لہٰذا مال غنیمت اکٹھا کرتے ہیں۔'' [1]

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس آیت میں جو ذکر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں اختلاف اور کمزوری کیا تھی اس بات کا پتہ اس وقت تک معلوم نہیں کیا جا سکتا جب تک قرآن کی تفسیر صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے نہ کی جائے۔

یہ تھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی سزا جو اوپر مذکور ہوئی۔ ایسی مشکلات دنیا میں آ سکتی ہیں۔ جبکہ آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے بدترین عذاب ہے۔

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴾ (الاحزاب: ٦٦)

''جس دن ان کے چہرے جہنم میں الٹ پلٹ کیے جا رہے ہوں۔ تو وہ کہیں گے کاش! ہم نے اللہ کی اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔''

اس آیت میں تقلید اختیار کرنے کے بارے میں سرزنش اور سخت ڈانٹ ہے۔ [2]

﴿ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴾ (النساء: ٤٢)

''اس دن کافر اور وہ لوگ کہ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، چاہیں گے کہ کاش ان کے ساتھ زمین کو برابر کر دیا جائے وہ تو اللہ سے کوئی بات بھی نہیں چھپا پا رہے۔''

ان دونوں آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما یکره من التنازع، رقم: ٣٠٣٩، سنن ابی داؤد، رقم: ٢٦٦٢، مسند احمد: ٢٩٣/٤.

[2] تفسیر قرطبی: ٢٤٩/١٤.

والوں کو بدترین عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ عذاب اس قدر شدید ہوگا کہ یہ مخالفت کرنے والے یہ آرزو کریں گے، کاش! ہمارا نام ونشان مٹ جائے، زمین کی مٹی میں مل جائیں، تاکہ ہمارا وجود ہی باقی نہ رہے کہ جس کو بدترین عذاب برداشت کرنا پڑے جو کہ ان جسموں کی برداشت سے باہر ہے۔

پس یہ تو آرزو ہوگی جو کبھی بھی پوری نہ ہوگی۔ بلکہ بدترین عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ پھر مایوس ہو کر کہیں گے۔ جس کا قرآن نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝﴾ (الفرقان : ۲۷)

''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کو (شرمندگی اور ندامت سے) کاٹتے ہوئے کہے گا ہائے کاش! میں رسول اللہ ﷺ! کے طریقہ کو ہی اپناتا۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس ظالم کی حالت سے آگاہ کر رہے ہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ اور آپ ﷺ کی روشن تعلیمات سے انحراف کیا، اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے علاوہ اور طریقہ اختیار کیا، چنانچہ جب قیامت کا دن ہوگا یہ اس غلطی پر نادم ہوگا، لیکن اس دن ندامت سودمند نہ ہوگی اور وہ حسرت اور افسوس سے اپنے ہی ہاتھ کاٹے گا۔ [1]

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ اپنایا کہ جس نے مجھے گمراہ کر دیا، اور رب سے دور کیے رکھا کہ جس کا نتیجہ یہ مل رہا ہے کہ آج بدترین عذاب سے دوچار کر دیا گیا ہوں۔

قارئین کرام! قرآن نے مذکورہ بالا نقشہ ان بدبختوں کا کھینچا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، اور احادیث رسول ﷺ آ جانے اور مل جانے کے باوجود بھی بس اپنی ہٹ دھرمی، اور ضد پر اڑے رہتے ہیں، اور اپنی رسم و رواج کے غلام بنے رہتے ہیں، اور تعلیمات نبوی کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۶/۱۰۸.

جیسا کہ آج معاشرے میں اس روش کی گندی اور مسموم ہوا چل پڑی ہے، یہ فکر تباہی اور بربادی کا باعث ہے۔ لہٰذا اس طرزِ فکر سے ہمیں توبہ کرنی چاہیے اور ہر معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اپنے سامنے رکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرما کر ہمیں اپنے رسول ﷺ کی سنت سے محبت اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ

❀❀❀❀

باب نمبر:۲

سنت کا شرعی مقام بزبان مصطفیٰ ﷺ

حدیث قرآن کی طرح ہے:

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مقدس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کا مقام ومرتبہ واضح ہوا کہ جس پر قرآن کی کئی ایک آیات دلالت کرتی ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اہمیت و مقام خود رسول مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے بھی سنیے، تاکہ ایمان ویقین میں اضافہ ہوجائے اور سنت رسول ﷺ کی اہمیت و مرتبہ مزید واضح ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ.)) [1]

''مجھے قرآن اور اس جیسی اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث کی حیثیت اسلام میں قرآن کی طرح ہے۔ اور دونوں اللہ مہربان کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ، وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ)) [2]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے

---

[1] مسند احمد: ۱۳۰/٤، رقم: ۱۷۳۰٦ (۱۷۱۷۳)، ابن حبان، رقم: ۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] موطا امام مالك، کتاب القدر، باب النهی عن القول بالقدر، رقم: ۳، صحیح الترغیب، مستدرك حاکم، ۹۳/۱، رقم: ۳۲٤، امام حاکمؒ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں یہ ہیں، ایک اللہ کی کتاب، (قرآن) اور دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت۔''

یہ حدیث بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ حدیث بھی قرآن کی ہی طرح ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں دونوں ہی ہدایت کا ذریعہ ہیں، جس کا مطلب ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اسی مفہوم کی مزید احادیث بھی ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا اِنِّـي أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَه ٗمَعَه ٗاَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَـلٰـى أَرِيـكَتِهٖ يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآن، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَـأَحِـلُّـوْهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ! وَ إِنَّ مَا حَـرَّمَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ مِثْـلُ مَا حَـرَّمَ الـلّٰـهُ، أَلَا لَايَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْـحِـمَـارِ الْاَهْـلِـيِّ ، وَلَا كُـلُّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ ، وَلَالُقَطَةُ مُـعَـاهِدٍ اِلَّا اَنْ يَسْتَغْنِىَ عَنْهَا صَاحِبُهَا ، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَقْرُوْهُ ، فَاِنْ لَمْ يَقْرُوْهُ ، فَعَلَيْهِ ٗاَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ .)) [1]

''لوگو، یاد رکھو! قرآن ہی کی طرح ایک اور چیز یعنی حدیث مجھے اللہ کی طرف سے دی گئی ہے، خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا یعنی متکبر شخص اپنی مَسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا: لوگو! تمہارے لیے یہ قرآن ہی کافی ہے اس میں جو چیز حلال ہے، اسے حلال مانو جو چیز حرام ہے، اسے حرام مانو۔ جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا ہے، وہ ایسے ہی حرام ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ سنو! گھریلو گدھے کا گوشت بھی تمہارے لیے حلال نہیں (حالانکہ

---

[1] صحيح سنن ابى داؤد، كتاب السنة ، باب فى لزوم السنه ، رقم: ٥٦٠٤، سنن ابى ابن ماجه ، مقدمه، باب تعظيم حديث رسول الله ، رقم : ١٢.

قرآن میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں) نہ ہی کچلی والے یعنی نوکیلے دانت والے جن سے وہ شکار کرتے ہیں، نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز کسی کے لئے حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر جائز ہے۔''

اور جو کسی قوم کا مہمان بنے تو ان پر اس کی مہمان نوازی کرنا لازم ہے، اور اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں، تو وہ ان سے اپنی مہمانی کے بقدر بطور سزا بھی لے سکتا ہے۔

یہ حدیث بھی اس مفہوم کو بالکل واضح کر رہی ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ کا مقام بھی وہی ہے جو کہ قرآن کا ہے (بس شرط یہ ہے کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے۔) رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث کے قرآن کی طرح مقام رکھنے کی دلیل اس چیز سے واضح کی کہ گھریلو گدھا قرآن میں حرام نہیں ہے۔ لیکن اس کو میں حرام کر رہا ہوں، نہ ہی ان درندوں کی حرمت کا ذکر قرآن میں ہے کہ جن کی کچلیاں یعنی نوکیلے دانت کہ جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔ نہ ہی ذمی (جو کافر کسی مسلم مملکت میں معاہدے کے تحت رہتا ہو) کی گری پڑی چیز کی حرمت کا ذکر قرآن میں ہے۔ لیکن میں نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ میری سنت کا مقام بھی وہی ہے جو کہ اللہ کے قرآن کا ہے، جس طرح قرآن کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسی طرح میری حدیث بھی کچھ چیزوں کو حرام اور کچھ کو حلال قرار دیتی ہے۔ جس طرح قرآن کے حرام و حلال کو ماننا ضروری ہے، اسی طرح میری سنت سے معلوم شدہ حرام و حلال کو قبول کرنا بھی لازمی ہے۔ اسی مفہوم کو آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان سے بھی واضح کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا أُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ ، يَاتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِ مِمَّا أُمِرْتُ بِهِ ، اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ ، فَيَقُوْلُ: لَا نَدْرِىْ مَا وَجَدْنَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ اَتَّبَعْنَاهُ!))❶

---

❶ سنن ابی داؤد ، کتاب السنه، باب لزوم السنه، رقم : ٤٦٠٥، سنن ابی ابن ماجه ، مقدمه، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ، و التغلیظ علی عن عارضه ، رقم : ١٣، علامہ البانی ؒ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

’’(لوگو!) میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مَسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو، اس کے پاس میرے ان احکامات میں سے جن کا میں نے حکم دیا، یا جن سے میں نے منع کیا ہے، کوئی حکم آئے تو وہ یوں کہے ہم تو (آپ ﷺ کے اس حکم کو) نہیں جانتے، ہم نے جو کتابُ اللہ میں پایا اسی پر عمل کرلیا یعنی ہمارے لیے وہی کافی ہے۔‘‘

یہ حدیث بھی واضح کررہی ہے کہ جس طرح قرآن کے حرام وحلال کو ماننا ضروری ہے، اسی طرح رسول مکرم ﷺ کی حدیث وسنت کے اوامر ونواہی اور حرام وحلال کو ماننا بھی ضروری ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی ایسے فرد کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ جو قرآن کو تو اہمیت دیتا ہو، لیکن میری سنت کی کوئی اہمیت اس کی نگاہ میں نہ ہو۔ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ باہم قرآن اور حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: میں آپ ﷺ کو ایک اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، آپ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ ہی سے فیصلہ کیجیے۔ پھر اس کے مخالف نے جو پہلے شخص سے زیادہ سوجھ بوجھ کا مالک تھا، کھڑے ہوکر عرض کیا: آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ مجھے (اپنا مدعا بیان کرنے کی) اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو! اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص (فریق مخالف) کا ملازم تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہوا اس پر میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک خادم بطور فدیہ دیا۔ پھر میں نے (اس مسئلہ کی بابت) علما سے پوچھا، تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سالہ جلاوطنی ہے، اور اس کی بیوی پر رجم ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان بالضرور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں تجھے واپس لوٹا دی جائیں گی اور ساتھ میں خادم بھی، اور تیرے بیٹے کی سزا سو

کوڑے اور ایک سالہ جلاوطنی ہے۔ اے انیس! صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اگر وہ اعتراف کرے تو اُسے رجم کردو۔ چنانچہ وہ صبح کے وقت اس کے پاس گئے اور اس نے اعتراف کیا اس پر انیس رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کر دیا۔ ❶

حالانکہ قرآن میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے ہے۔ لیکن کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کی رو سے آپ نے اس میں ایک سالہ جلاوطنی کا اضافہ اور شادی شدہ عورت کو رجم کی سزا دی جو کہ قرآن کے بجائے نبوی اضافہ تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''لأقضين بينكما بكتاب الله'' یہاں کتاب سے مراد وحی ہے۔ ❷

قارئین کرام! اس حدیث پر غور کریں کہ آپ ﷺ سے عرض کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کریں۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی سے فیصلہ کروں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا ہے، وہ اس قرآن میں نہیں ہے۔ کتاب اللہ اگر صرف اور صرف قرآن ہی کا نام ہے۔ تو آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کتاب اللہ سے کروں گا۔ پھر وہ فیصلہ کیا جو قرآن میں نہیں ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک بھی اپنی سنت اور حدیث کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو کہ قرآن کا ہے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی حدیث کو کتاب اللہ کہا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کا مقام ایک ہے۔ اسی مفہوم کو آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی واضح کرتا ہے:

((إِنَّمَا حَرَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ .)) ❸

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ چیزوں کو اس طرح حرام کیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب المحاربين، باب الاعتراف بالزنا، رقم: ٦٨٢٧.

❷ فتح الباری: ٢٠/ ٣٦٠.

❸ سنن ترمذی، كتاب العلم، رقم: ٢٦٦٤، علامہ البانیؒ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

آپ ﷺ کے اس فرمان پر عملی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کے علاوہ بھی کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کی (گھریلو) گدھے کھا لیے گئے ہیں۔ نبی ﷺ خاموش رہے، وہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا اور پھر یہی بات کہی، آپ ﷺ پھر خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر وہی شخص آیا اور عرض کی: (گھریلو) گدھوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی (اعلان کرنے والے) کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں یہ اعلان کر دیا کہ بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ گھریلو گدھوں (کے کھانے) سے روکتے ہیں۔ اسی وقت ہانڈیوں کو ابلتے اور جوش مارتے ہوئے گوشت سمیت زمین پر انڈیل دیا گیا۔ [1]

یہ حدیث آپ ﷺ کے کسی بھی چیز کو حرام قرار دینے کی عملی دلیل ہے کہ جس کو قرآن نے حرام نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے فرمان سے حرام قرار دیا۔ اور لوگوں پر واضح کر دیا کہ میری حدیث کا بھی وہی مقام ہے، جو اللہ کے قرآن کا ہے۔ قرآن و حدیث میں صرف یہ فرق ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے افضل ہے، لیکن دین اسلام میں قرآن و حدیث دونوں حجت اور حرف آخر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی یہ ڈیوٹی اللہ تعالیٰ نے خود لگائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝﴾ (النحل : ٦٤)

''کہ اس قرآن کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے، تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے اس کو کھول کر بیان کریں۔''

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث حقیقت میں قرآن کی ہی تشریح ہے۔ اس چیز کو رسولِ مکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے خود بھی بیان فرمایا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب لحوم الحمر الإنسیه، رقم: ٥٥٢٨.

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔'' ❶

قارئین کرام! اس فرمان کی روشنی میں اندازہ کیجئے سنت رسول ﷺ کا کہ آپ خود بتلا رہے ہیں کہ قرآن کو سنتِ رسول کے ذریعہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لیے سلیم الطبع لوگوں نے ہمیشہ اس قرآن کو سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ہی سمجھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سنت حقیقت میں قرآن کی ہی تشریح ہے۔ اور یہی سب سے اعلیٰ ترین تشریح ہے کہ جس میں غلطی کا قطعاً کوئی احتمال نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حدیثِ رسول ﷺ کو قرآن کا ہی مقام دیا جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''اللہ تعالیٰ نے گودوانے والیوں اور گودنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔''

ایک عورت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس نے کہا: اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں نے اس سارے قرآن کو پڑھا ہے، لیکن قرآن میں ایسی عورت پر لعنت کہیں نہیں ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس کو پڑھتی تو ضرور پالیتی، اس عورت نے جواب دیا کہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے۔ لیکن لعنت کہیں نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے یہ نہیں پڑھا:

﴿مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝﴾ (الحشر: ۷)

''جو تمہارا رسول دے، اس اسے لے لو، اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔''

اس نے کہا کیوں نہیں۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب یقاتل من وراء الامام و یتقی به، رقم: ۲۹۵۷.

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وما اتاكم الرسول فخذوه، رقم: ۴۸۸۶.

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسی عورت پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے گویا یہ اللہ کی لعنت ہے۔ اندازہ کیجیے صحابی رسول ﷺ نے آپ ﷺ کے فرمان کو قرآن کا ہی مقام دیا، لیکن آج کچھ مفسرین قرآن کی تشریح اپنے خیالات کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، اور سنتِ رسول ﷺ سے ثابت شدہ تفسیر کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ اس کو پرانے خیالات کا مجموعہ قرار دے کر، اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقت میں گمراہ ہی نہیں، بلکہ قرآن حکیم کی تفسیر حدیث رسول اللہ ﷺ سے انکار کر کے دین اسلام سے باہر نکل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ : ۱۳)

''حقیقت میں (منافقین و کفار) بے وقوف ہیں، لیکن یہ (اپنی بے وقوفی کو بھی) نہیں جانتے۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ جو اس کے قاصد ہیں اور اس کا پیغام ہم تک پہنچا رہے ہیں، بھلا ان سے بہتر اور اچھی تفسیر وضاحت کس کی ہوگی۔ یقیناً کسی کی نہیں ہوسکتی، جب کہ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی لگائی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کا حق بھی بڑے اچھے طریقہ سے ادا کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے معنی و مفہوم میں جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی، تو آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتے، آپ ﷺ اس کا حل بتا دیتے۔ کیونکہ اسلام قرآن و سنت کے مجموعے کا نام ہے، اور ان دونوں کا تعلق روح اور جسم کی طرح لازم ملزوم ہے۔

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام : ۸۲)

''وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کو شامل نہیں کیا، انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

تو سب مسلمان پریشان ہوگئے اور عرض کی، اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو؟ آپ ﷺ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس پریشانی کا) جواب ارشاد فرمایا کہ آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت نہیں سنی کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا۔ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ❶

قارئین کرام! اندازہ کیجئے کہ رسول ﷺ کی سنت تفہیم قرآن کے لیے کتنی ضروری ہے کہ جس کے سمجھنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پریشان ہوجاتے تھے، اور عربی دان ہونے کے باوجود مفہوم و مقصد نہ سمجھ پاتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ لیکن رب تعالیٰ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو اصلاح کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔

سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّوْمِ فَقَالَ: ((حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ)) (البقرہ:۱۸۷) قَالَ: فَأَخَذْتُ عِقَالَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْيَضُ وَالْآخَرُ اَسْوَدُ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ اِلَيْهِمَا، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا لَمْ يَحْفَظْ سُفْيَانُ، قَالَ: (إِنَّمَا هُوَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ))❷

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے روزہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، (کھاؤ، پیو جب تک سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر نہ آئے) چنانچہ میں نے دو ڈوریاں لیں ان میں سے ایک سفید دوسری سیاہ تھی، اور رات بھر دونوں کی طرف دیکھتا رہا، میں نے یہ صورت حال رسول اللہ ﷺ کو بتائی تو آپ نے مجھ سے کوئی ایسی بات کہی جو ابوسفیان کو یاد نہیں رہی، پھر فرمایا اس

---

❶ صحيح بخاری، كتاب احاديث الانبياء، رقم: ٣٣٦٠، سنن ترمذئ، رقم: ٢٤٢٥.

❷ سنن ترمذی، كتاب التفسير، باب و عن سورة البقرة" رقم: ٢٩٧١، علامہ البانیؒ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

سے مراد رات اور دن ہے۔''

اندازہ کیجئے کہ عربی سے واقفیت رکھنے والا عربی النسل انسان تو قرآن کے مفہوم کو نہ سمجھ سکا، لیکن ایک جاہل آدمی عربی سے ناواقف، اس کی تفسیر کا حق کیسے رکھتا ہے؟ اس کے باوجود بھی اگر اپنے کند خیال کو تفسیر کا درجہ دے تو گمراہ ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی خیالاتی تفسیر سے بچا جائے، اور آپ ﷺ کی تفسیر کو ہی حرف آخر مانا جائے، کیونکہ آپ کی سنت ہی حقیقت میں قرآن کی تشریح ہے۔ ورنہ ہر زمانہ میں ہر علاقہ میں لوگ قرآن کی تفسیر اپنے اپنے معاشرے اور اپنے خیالات کے مطابق تفسیر کریں گے، تو پھر قرآن حکیم کی اس آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ﴾ (المائدہ: ۳) کو کہاں لے جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سونپی ہے، لہٰذا اس کا پاس رکھا جائے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں وضاحت کر آئے ہیں:

سنتِ رسول ﷺ پر عمل ضروری ہے:

قارئین کرام! سنت نبوی ﷺ روشن ترین شاہراہ ہے، جس پر چلنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے ہی مبارک طریقے کو اپنایا جائے، کیونکہ آپ ﷺ کے مبارک طریقہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے طریقہ کو نہیں اپنایا جاسکتا، چاہے وہ کوئی نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو؟ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ اسلام ہے اور اسلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور راستہ پسند نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔'' ❶

اگر موسیٰ علیہ السلام آجائیں تو ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہوتا، مگر ہمارے پاس فقہ حنفی،

---

❶ سنن دارمی، مقدمہ، رقم: ٤٣٥ شیخ فواز احمد زمرلی اور خالد السبع العلمی فرماتے ہیں: رواہ احمد و ابن حبان والنسائی و سندہ صحیح.

مالکی، شافعی، حنبلی، قادری، چشتی، صابری، نقشبندی اور سہروردی وغیرہ کہاں سے چارہ کار ہوں گے؟ یقیناً نہیں ہوسکتے، کیونکہ پابندی اطاعت بس رسول اللہ ﷺ کی ہے اُن کے علاوہ کسی کی نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کیسا محسوس کرو گے جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان ہوں گے (ان کی موجودگی میں بھی) تمہارا امام تم میں سے ہی ہوگا۔ ❶

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ نازل ہوں گے تو شریعت محمد ﷺ کی پیروی کریں گے اور قرآن وحدیث کے مطابق عمل کریں گے۔

اندازہ کیجئے! جب کسی نبی ﷺ کی بات ہمارے رسول ﷺ کی شریعت میں نہیں چل سکتی تو کسی امام اور مجتہد کے قول کی کیا حیثیت ہے؟ حالانکہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے دین کا امین اور لوگوں تک پہنچانے کا پابند ہوتا ہے۔ جب اس پیغمبر کی بات کے لیے اس شریعت میں کوئی جگہ نہیں ہے تو کسی امام، مجتہد، ولی یا قطب ومجدد کے لیے جگہ کہاں سے آئے گی۔

سیّدنا یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرَو مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ . فَقَالَ:عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ ، فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ: "صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ .))❷

---

❶ صحیح مسلم، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ بن مریم علیهما السلام، رقم: ۳۴۴۹.

❷ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها باب صلاة المسافرین قصرها، رقم: ۱۵۷۳، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، رقم: ۱۱۹۹، سنن ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب تقصیر الصلاة فی السفر، رقم: ۱۰۶۵، مسند احمد: ۲۵/۱.

''میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر تمہیں کافروں کے ستانے کا خوف ہو تو نماز قصر کر لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اب (تو کیا پھر بھی قصر کی رخصت ہے؟) عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بھی تمہاری طرح تعجب ہوا تھا، چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (دورانِ سفر خوف ہو یا نہ ہو نماز قصر کی رخصت ہے یہ) اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے، لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو۔''

اس واقعہ سے بھی پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پابندی لازمی اور ضروری ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھنے والے کو جواب دیا کہ ہمیں بھی وہی تردد ہوا تھا جو تمہیں ہوا، لیکن آپ ﷺ کی صراحت کے بعد پھر شکوک و شبہات ختم ہوگئے، اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے مطابق قصر کرنے لگے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب حدیث رسول ﷺ وسنت رسول ﷺ آجائے تو بس اس کے مطابق عمل کرو۔

قرآن وسنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج ہم نے تقلید کو اپنے اوپر واجب کر کے آئمہ ومجتہدین کے اقوال وافعال کو دین کا حصہ بنا دیا ہے، اور ان پر عمل کو بھی اس طرح لازم کر دیا ہے کہ جس طرح قرآن وحدیث پر عمل کرنا لازم ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔

اللہ کے بندو! ہم بس قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ اس بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا، اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کا ہم سے سوال نہیں ہوگا لہٰذا، سنت پر ہی عمل کریں۔ کیونکہ آئمہ کرام امامِ ابوحنیفہ مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے نہ خود کسی کی تقلید کی اور نہ ہی کسی کو اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا، بلکہ منع کیا۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل ہی کامیابی ہے:

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سیدھی ترین راہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، نیز ہر قسم کی غلطی اور کوتاہی سے محفوظ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بولتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خطا اور غلطی سے پاک ہے۔ اسی طرح اس کا رسول ﷺ بھی غلطی اور کوتاہی سے پاک ہے۔ تو جب غلطی سے پاک ہیں تو یقیناً کامیابی پر ہیں۔ اور جو بھی آپ ﷺ کی اتباع کرے گا تو وہ بھی یقیناً کامیاب ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا ، وَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) [1]

”تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (تب) میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کا التزام کرو، اور اس پر اپنی داڑھیں گاڑ لو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ اختلاف بہت ہو جائیں گے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو حق پر ہونے کا دعویٰ کرے گا، لیکن حق پر ہونے کی دلیل میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ جو بھی اس کو اپنائے گا وہ حق پر ہے۔ اور وہی کامیاب ہے۔ جو دنیا اور آخرت کی پریشانیوں سے نجات پائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ہے۔ [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنه، باب فی لزوم السنه ، رقم: ٤٦٠٧، سنن ابن ماجه، مقدمة ، باب اتباع سنه خلفاء الراشدين المهدين ، رقم: ٤٢ ، سنن ترمذی ، کتاب العلم ، باب ما جاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع ، رقم : ٢٦٧٦، سنن دارمی، مقدمه، باب اتباع السنه ، رقم : ٩٥، مسند احمد: ١٢٦/٤ و ١٢٧ و مستدرك حاكم: ٩٦/١، ٩٧ امام حاکمؒ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

[2] حاكم: ١٧٣/١، صحيح الترغيب، رقم: ٤٠، صحيح الجامع، رقم : ٢٩٣٧.

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا: مَنْ يَا أَبَى ؟ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى .))❶

''میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی، مگر جس شخص نے انکار کیا(صحابہ کرام نے پوچھا) وہ کون شخص ہے جو جنت میں جانے سے انکار کرے گا؟ فرمایا، جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں جانے سے انکار کر دیا۔''

((قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا ، لَايَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ .))❷

''تم لوگوں کو میں ایسی واضح شاہراہ پر چھوڑ رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے وہی شخص اعراض کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہوگا۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ، وَنَزَلَ الْقُرْآنَ ، فَقَرَأُوُ الْقُرْآنَ وَعَلِمُوْ مِنَ السُّنَّةِ .))❸

'' دیانتداری آسمان سے لوگوں کے دلوں میں اتری ہے یعنی انسان کی فطرت میں شامل ہے اور قرآن بھی (آسمان سے) نازل ہوا ہے، جسے لوگوں نے پڑھا اور سنت کے ذریعے سمجھا۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مستدرك حاكم: ٤/٢٧٠.

❷ مسند احمد: ٤/١٢٦، مستدرك حاكم: ١/١٧٠، سنن ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، رقم: ٤٣، سلسلة الصحيحة، رقم: ٩٣٧.

❸ صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة ، باب لا قتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم : ٧٢٧٦.

''میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ایک کے سوا باقی سب آگ میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ جس پر میں اور میرے صحابہ کرام عمل پیرا ہیں۔''❶

فرمانِ مصطفیٰ ﷺ:

سیّدنا عرباض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، (وَمِنْهَا قَوْلُهُ) عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.))❷

''ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسی موثر اور بلیغ نصیحت کی، جس سے آنکھیں چھلک پڑیں اور دل لرز اٹھیں، اسی میں آپ ﷺ نے فرمایا، تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ تم اسے مضبوطی سے تھام لو، اور اس پر اپنی داڑھیں گاڑ لو۔ تم نئی ایجاد کی ہوئی باتوں سے بچو۔ بے شک ہر نئی ایجاد کی ہوئی بات بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔''

سنت ہی روشن ترین شاہراہ ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا، تم ہر بات لکھ لیتے ہو، چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے اپنی انگلی

❶ سنن ترمذی کتاب الایمان، رقم: ٢٦٤١. سلسلة الصحيحة رقم: ١٣٤٨.

❸ مسند احمد: ٤/١٢٦، صحیح ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنت رسول اللہ رقم: ٤١، سنن ابوداؤد، رقم: ٤٦٠٧، سنن ترمذی، رقم: ٢٦٧٦.

مبارک سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

((اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ .)) ❶

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس لیے تم لکھا کرو۔''

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی آخر الزمان محمد الرسول ﷺ نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے تم گمراہ نہیں ہو سکتے، ایک کتاب اللہ، اور دوسری سنتِ رسول اللہ ہے۔'' ❷

قارئین کرام! مذکورہ بالا تمام احادیث اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی میں کامیابی پنہاں ہے۔ اس سنت کی وجہ سے جنت ملے گی، اختلافات سے چھٹکارہ حاصل ہوگا اور ہر قسم کی گمراہی سے اپنے آپ کو بچا کر ہم صراطِ مستقیم پر چل نکلیں گے۔

کیونکہ حدیث رسول ﷺ ہی روشن ترین شاہراہ ہے، جس پر چلنے والا کامیاب ہی ہوتا ہے اور سنت پر عمل کرنا کسی کے حق پر ہونے کی بھی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ سارے کا سارا باطل ہے۔ جس کی انتہاء سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں ہے، لہٰذا پوری کوشش کیجیے کہ کامیابی کی یہ روشن ترین، سچی اور مبارک ترین شاہراہ کبھی بھی چھوٹنے نہ پائے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی سنت سے محبت اور اسے اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کیونکہ یہی وہ شاہراہ ہے جو جنت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی کی رضا تک لے جاتی ہے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے والے خوش نصیب:

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے ایسے خوش نصیبوں کے لیے

---

❶ مستدرك حاكم: ١٠٥/١، سلسلة الصحيحة، رقم: ١٠٣٢، سنن ابى وداؤد، كتاب العلم، باب العلم ، رقم: ٣٦٤٦، مسند احمد : ١٦٢/١ .

❷ صحيح الترغيب: رقم: ٣٦، ٤٠، موطا امام مالك رحمه الله، كتاب القدر، رقم: ٣.

دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوش وخرم رکھے کہ جو میری سنت پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ سنت کا علم محفوظ ہوتا ہی عمل کرنے سے ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَبَلَّغَهَا مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرَ فَقِيْهٍ ، وَرَبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ أَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ ، وَنَصِيْحَةٌ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تَحِيْطُ مِنْ وَرَاءِ هِمْ .)) [1]

''اللہ اس بندے کو شاداں وخوش وخرم اور تروتازہ رکھے، جس نے میری بات سنی، اس کو یاد کیا اور اس کو ان تک پہنچایا، جنہوں نے نہیں سنا، بعض اوقات فقہ کا حامل غیر فقیہ ہوتا ہے، اور کبھی حامل فقہ اپنے سے زیادہ سمجھدار اور فقیہ تک بات پہنچاتا ہے۔ تین باتوں پر مومن کا دل تنگ نہیں ہونا چاہیے، اللہ کے لیے عمل خالص کرنا، اور مسلمانوں کے آئمہ کے لیے نصیحت و خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کا التزام کرنا، پس ان کی دعوت ان کے پیچھے سے احاطہ کئے ہوتی ہے۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے والے پھر اس کی آگے تبلیغ کرنے والے انتہائی مبارک اور خوش قسمت لوگ ہیں، ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی دعا کا فائدہ دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسے افراد کا جو دین (قرآن وحدیث) کی تعلیم کے لیے نکلتے ہیں، خاص خیال فرماتے اور خصوصی طور پر ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

---

[1] طبرانی کبیر، رقم: ١٥٤١، مسند احمد: ٨٠/٤، مستدرك حاكم ١٦٢/١، سلسلة الصحيحه: ٤٠٤، سنن ابن ماجه، مقدمه، باب بلغ علما، رقم: ٢٣١ ، ٢٣٢، سنن ترمذى، كتاب العلم، باب ما جاء فى الحث على تبليغ السماع، رقم: ٢٦٥٦ ، ٢٦٥٨ ، سنن ابى داؤد، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم: ٣٦٦٠ سنن دارمى، مقدمه، باب الاقتداء بالعلماء، رقم: ٢٣٠.

سنت کی حفاظت کی ترغیب:

قارئین کرام! سنت چونکہ کامیابی اور خوش قسمتی کا باعث ہے، اسی وجہ سے نبی مکرم ﷺ نے حدیث کی حفاظت کی بھی خوب ترغیب وتلقین فرمائی، تاکہ حدیث مبارکہ میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہ ہوسکے۔

سیّدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ، فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ .))❶

''حاضر شخص غائب کو یہ حکم پہنچادے کیونکہ ممکن ہے، جس شخص کو یہ حکم پہنچایا جائے، وہ حاضرین سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہو۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَيِّدُوْا الْعِلْمَ قُلْتُ وَمَا تَقْيِيْدُهُ؟ قَالَ: كِتَابَتُهُ .))❷

''علم کو محفوظ کرو...... میں نے پوچھا علم کی حفاظت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے لکھنا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ))❸

''علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔''

علم سے مراد علم حدیث ہے، کیونکہ اسلاف کے ہاں یہ لفظ رائے کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم، رب مبلغ اوعی من سامع ، رقم: ٦٧، باب لبلغ العلم الشاهد الغائب، رقم: ١٠٤ ، ١٠٥٠.

❷ مستدرك حاكم: ١/١٨٨، جامع بیان العلم وفضله : ٣١٣.

❸ جامع بیان العلم ، ٢٩٦، ٢٩٩، سلسلة الصحیحه رقم: ٢٠٢٦، صحیح الجامع الصغیر، ٤٤٣٤ کتاب العلم للحافظ ابی خیثمه زهیر بن حرب النسائی ، رقم: ١٢٠

قارئین کرام! مذکورہ تینوں روایتیں اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ علم حدیث کو محفوظ ہونا چاہیے، بلکہ نبی مکرم نے تو علم کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ سمجھا دیا ہے اور وہ ہے لکھائی کے ذریعے سے علم کو محفوظ کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ سے کہ علم کو لکھ کر محفوظ کرو، ان لوگوں کا بھی رد ہوتا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں لکھنے کا رواج نہ تھا، لکھائی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لکھائی کا رواج تھا اور آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لکھنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

لہٰذا علم حدیث کو محفوظ کیجئے لکھ پڑھ کر اور عمل و کردار کے ذریعے سے، تاکہ فتنوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل ہو۔ کیونکہ علم حدیث ان مشکلات کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔

سنتِ رسول ﷺ کی تبلیغ کا حکم:

قارئین کرام! حدیث چونکہ خیر و برکت کا منبع ہے، خوش قسمتی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا باعث ہے تو کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فیض یاب ہوسکیں۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ پہنچائی جائیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَو آیَۃً .)) ❶

''میری طرف سے (لوگوں کو میرا پیام) پہنچاؤ، خواہ ایک آیت کیوں نہ ہو۔''

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث کو پہنچانا صرف علماء کرام کا ہی حق نہیں، بلکہ ہر اس شخص کا حق ہے کہ جس کو ایک حدیث ایک بات کا بھی علم ہو۔ وہی بات دوسروں تک پہنچا دے۔ اپنی طاقت اور بقدر علم مکمل کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((حَدِّثُوْ عَنِّی .)) ❷ ''مجھ سے حدیث بیان کرو۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم: ٣٤٦١.

❷ صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابه العلم، رقم: ٧٥١٠.

یہ حدیث کی تبلیغ انتہائی اجر وثواب کا باعث ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً ، فَلَہُ أَجْرُھَا ، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہُ ، مِنْ غَیْرِ أَنْ یَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ ، وَمَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً ، کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہِ ، مِنْ غَیْرِ أَنْ یَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ .)) [1]

''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اور ان کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوگا، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا اس پر اس کی اپنی برائی کا گناہ بھی ہوگا، اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اور ان کے گناہ میں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔''

دیکھئے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے حدیث کو آگے پہنچانے والے کا اجر وثواب کس قدر خوب سے خوب تر بیان فرمایا ہے۔ یعنی اگر ہم کسی کو نبی ﷺ کا فرمان پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو عمل کرنے کی توفیق دے دیتا ہے تو جتنا ثواب نیکی وعمل کرنے والے کو ملے گا، اتنا ہی ثواب نیکی بتانے والے کو ملے گا۔ کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرنے کے دو طریقے ہیں۔

۱...... آپ خود عمل کر کے دکھائیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

۲...... آپ کسی کو عمل اور نیکی کے بارے میں آگاہ کر دیں۔

دونوں صورتوں میں جس قدر ثواب اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو دیں گے، اسی قدر ثواب نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو دیں گے۔ لیکن دونوں کے ثواب میں سے کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یعنی نیکی کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ شاید میرے اجر وثواب میں کمی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ او کلمۃ طیبۃ وانھا حجاب من النار، رقم: ۲۳۵۱، سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ، رقم: ۲۵۵٤.

کر کے نیکی بتانے والے کو دے دیا جائے کہ جس نے مجھے نیکی کی راہ دکھائی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو عطا فرماتا ہے۔ یعنی اگر کوئی کسی کو حج کرنے کی ترغیب دی اور وہ حج کرنے چلا گیا، اس طرح کسی کو نماز پڑھنے کی ترغیب دی وہ نماز پڑھنے چلا گیا، صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو اس نے صدقہ وخیرات کر دیا، جتنا ثواب ایسے نیکیاں کرنے والے کو ملے گا، اتنا ہی ثواب بتانے والے کو ملے گا۔ لیکن نیکی وہی تصور ہوگی جو قرآن وسنت کے مطابق ہو ایسا نہ ہو کہ اپنی طرف سے بدعات وخرافات پھیلائی جارہی ہوں۔

قارئین کرام! اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث رسول ﷺ کو آگے پہنچانے کا ثواب کیا ہے؟ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ حدیث کی تبلیغ وترویج کا کوئی نہ کوئی کام ضرور ہوجائے۔ واللہ المستعان

سنتِ رسول ﷺ میں احتیاط کرنے کا حکم:

قارئین کرام! حدیث رسول ﷺ کی تبلیغ جس قدر مبارک کام ہے، اسی قدر ہی اس میں احتیاط ضروری ہے۔ یعنی حدیث رسول ﷺ دوسروں کو پہنچائیں، لیکن اس کے پہنچانے میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کریں یعنی حدیث جتنی ہے، بس اتنی ہی بیان کریں اور اس کے الفاظ ومعنی میں قطعاً کسی بھی قسم کی کمی اور زیادتی ہرگز نہ کریں۔ حدیث بیان کرنے سے قبل اس کی صحت وضعف کو خوب پرکھ لیں۔ ضعیف وموضوع روایت سے کلی اجتناب کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا انتہائی سنگین جرم ہے، جس کی سزا جہنم کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے میری طرف کوئی ایسی بات منصوب کی جو میں نے نہ کہی ہو، تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے، اور اگر کسی مسلمان سے اس کا کوئی مسلمان بھائی مشورہ طلب کرے تو وہ اسے غلط مشورہ دے تو اس نے اپنے بھائی سے خیانت کا ارتکاب کیا ہے، اور جس نے بلا تحقیق اور دلائل میں غور وفکر کیے بغیر فتویٰ جاری کیا اور وہ غلط ہوا، تو اس کا گناہ

اس مفتی پر ہوگا۔''❶

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَقُوْلُ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .))❷

اندازہ کریں کہ یہ حدیث ہم سے کس قدر احتیاط کا تقاضہ کرتی ہے کہ جب تک پتہ نہ ہو حدیث بیان نہ کرو، اسی طرح اگر کسی چیز کا علم نہیں ہے تو فتویٰ دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بغیر علم کے اگر فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔❸

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ہمارے معاشرہ کا عجیب حال ہے کہ لوگ جھوٹے فتووں اور من گھڑت روایات کے لیے مختلف حیلے اور بہانے بیان کرتے ہیں۔ مختلف توجیہات پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایات کو منسوب کرنے کے لیے۔ مثلاً جی اس سے ہمارا مقصد تو نیکی پھیلانا ہے نیکی کے جذبات لوگوں میں پیدا کرنا ہیں۔ ہماری نیت تو ٹھیک ہے، بھلا اس میں حرج کیا ہے؟ اسی وجہ سے یہ من گھڑت روایات ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ نیکی کی طرف شوق رکھیں۔ اب جو بھی اس نیت کے بارے میں سنے گا یقیناً حیران ہوگا اور اس نیت کو اچھا قرار دے گا۔

حالانکہ یہ فکر انتہائی تباہ کن ہے، کیونکہ اس نے اتنا بڑا جرم نیکی سمجھ کر کیا ہے کہ جس کی سزا جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں اور جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی اس نے دین کو ایجاد کر کے اپنے آپ کو رب بنانے کی کوشش کی ہے کہ جس کی اجازت رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی نہیں دی۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ جس چیز کا علم نہ ہو، صاف بتادے کہ میں نہیں جانتا، لیکن اپنی مرضی سے دین میں دخل اندازی کی کوشش نہ کرے،

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ٣٦٥٧، علامہ البانیؒ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

❷ سنن ابن ماجه ، مقدمه ، باب التغليظ فی تعمد الكذب علی رسول الله صلی الله عليه وسلم ، رقم: ٣٤، علامہ البانی نے اسے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔

❸ سنن دارمی ، باب الفتيا و ما فيه من الشدة ، رقم: ١٥٩ ، ١٦٠ سنن ابن ماجه ، مقدمة ، باب اجتناب الراء والقياس ، رقم : ٥٣ مسند احمد ٣/٣٢١، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کیونکہ یہ تباہی کا باعث ہے۔

سنتِ رسول ﷺ سے منہ موڑنے والے دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوں گے:

رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کامیابیوں اور کامرانیوں کا منبع ہے۔ جو بھی اس سے تعلق جوڑے گا اور اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے گا، وہ یقیناً کامیاب ہے، اور جس نے بھی سنت رسول ﷺ سے منہ موڑا وہ دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوگا اور ہمیشہ نامراد رہے گا، کیونکہ اس نے رسول ﷺ سے تعلق توڑا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے طریقے پر چلنے سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں۔ [2]

قارئین کرام! یہ دونوں حدیثیں واضح کررہی ہیں کہ جو بھی سنتِ رسول ﷺ سے منہ موڑے گا، اس کا رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہ ہوگا رسول اللہ ﷺ سے بس اس کا تعلق ہوگا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے محبت کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ساتھ بس آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے سے ملے گا۔ اور جو آپ ﷺ کی سنت سے منہ موڑے گا قطعاً آپ ﷺ کی رفاقت حاصل نہ کرسکے گا۔ چاہے وہ کتنے ہی محبت کے بلند وبانگ دعوے کیوں نہ کرے، اور کتنا ہی اپنے آپ کو محبِّ رسول ﷺ یا کچھ اور ہی ثابت کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ لٰہذا سنتِ رسول ﷺ سے منہ موڑنے کی روش ہمیں ترک کردینی چاہیے۔ اور سنتِ رسول ﷺ سے محبت کرکے جذبات اپنے اندر پیدا کرنے چاہیے اور ان جذبات کو عملی تسکین پہنچانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم: ٥٠٦٣، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه، رقم: ٣٤٠٣.

[2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم: ٥٠٦٣.

باب نمبر:۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں سنتِ رسول ﷺ کی حیثیت

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں آپ نے قرآن وحدیث کی رو سے سنتِ رسول ﷺ کی اہمیت کو ملاحظہ کیا۔ اب اس گروہ کی نظر میں بھی سنت کی اہمیت وحیثیت دیکھ لیجئے کہ جس کو کامیاب ترین گروہ قرار دیا جاتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ انعام یافتہ گروہ ہے کہ جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں بھی اپنا خوب احسان فرمایا، اور آخرت کی سرخروئی کی بھی بھرپور انداز میں ضمانت فراہم کی، تاکہ ہم بھی اپنے آپ کو انہی جیسا بنانے کی کوشش کریں۔ اس گروہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے پہچانا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''حدیث قرآن کی مثل ہے''

جو مقام قرآن کو دیتے تھے وہی حدیث رسول ﷺ کو بھی دیتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دونوں ہی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ دونوں کو اکٹھا کرنے سے دین اسلام بنتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ میں بال گوندھنے والی، چہرے کے بال اکھاڑنے والی، حُسن کے لیے دانتوں میں کشادگی کرنے والی اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی تو قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت ام یعقوب نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسی عورتوں پر لعنت کیوں نہ کروں، جن پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے، اور جو اللہ کی کتاب کے مطابق بھی

ملعون ہیں۔ اس عورت نے کہا: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے، لیکن اس میں مجھے تو یہ چیز کہیں نہیں ملی۔ اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمہیں یہ حکم مل جاتا، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کرے، اس سے باز رہو۔'' [1]

غور فرمایئے کہ صحابی رسول ﷺ کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کا مقام وہی ہے جو رب کے قرآن کا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی لعنت کو اللہ تعالیٰ کی لعنت قرار دیا کہ وہ لعنت کرتا ہے۔ ایسی عورت پر جو چہرے کے بال اکھاڑتی ہے، دانتوں کو رگڑوا کر کشادہ کرواتی ہے اور اپنی شکل وصورت کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب ایک عورت یہ اعتراض کرتی ہے کہ ایسی لعنت پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے، میں نے سارا قرآن پڑھا، لیکن ایسی عورتوں پر لعنت کو کہیں نہیں پایا، اس کے جواب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی عورت پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ لعنت کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ہی لعنت ہوتی ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: کہ جو رسول ﷺ دے اس کو لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ قرآن کی اس آیت سے صحابی رسول ﷺ نے ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی بات ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں وگرنہ مفہوم اللہ تعالیٰ کا ہی بیان ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنا ہی حق ہے:

قارئین کرام! جب یہ بات واضح ہوئی کہ حدیث رسول ﷺ قرآن کی طرح ہے تو

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وما اتکم الرسول فخذوہ، رقم: ٤٨٨٦، صحیح مسلم، کتاب اللباس، رقم: ٢١٢٥، مسند احمد: ٤٣٣/١٠.

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنا ہی حق سمجھتے تھے اور اسی کی ترغیب و تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، آپ کے ایک شاگرد علی بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا، جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کرو، پھر خود ہی آپ نے مجھے نماز کا مکمل طریقہ سمجھایا۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ .)) ❷

''تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت واجب ہے۔''

قارئین کرام! ان دونوں امروں پر غور فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ سنت رسول ﷺ کے مطابق ہی عمل ہونا چاہیے۔ اس کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے، کیونکہ یہی حق ہے۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ اس کے ہم مکلّف ہیں اسی کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا۔ تو پھر سنت کو چھوڑ کر دوسری راہ کیوں اختیار کریں۔ یقیناً ایسا کرنے میں بربادی ہے جب کہ کامیابی سنت پر عمل کرنے میں ہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرز عمل ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حج تمتع کے بارے میں پوچھا تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمتع کر سکتے ہو، پوچھنے والے نے کہا کہ تمہارے والد تو اس سے منع کرتے ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

((أَمْرُ أَبِي تَتَّبِعُ أَمْ أَمْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ .)) ❸

---

❶ موطا امام مالك، ص: ٣٥.

❷ مسند احمد: ٤/١٢٦، سلسلة الصحيحه، رقم: ٢٧٣٥، سنن ابى داؤد، كتاب السنة، باب فى لزوم السنه، رقم: ٤٦٠٧، سنن ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ٤٢.

❸ سنن ترمذى، كتاب الحج، باب ما جاء فى التمتع، رقم: ٨٢٣ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

''میرے باپ کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی بات مانی گی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے ہوتے ہوئے رائے کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے:

قارئین کرام! جب سنت پر عمل کرنا ہی حق ہے، تو پھر سنت کے ہوتے ہوئے رائے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے ہوتے ہوئے رائے کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے، بلکہ بہت برا تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ أَحْدَثَ رَأْيًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ بِهِ، وَلَمْ يَمْضِ سُنَّةٌ مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَدْرِ عَلَى مَا هُوَ مِنْهُ إِذَا لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ.))[1]

''جو کوئی دین میں رائے نکالے اور اس کا تعلق کتاب وسنت سے نہ ہو تو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو کس حالت میں ہوگا۔''

اندازہ کیجیے کیسی وعید سمجھتے تھے اس شخص کے بارے میں جو رائے پر قائم ہو تو سنت رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے رائے کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دینی چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنی رائے قائم کرلے تو مجھے اس کے متعلق علم نہیں کہ اس کا نیکیوں میں شمار ہوگا یا برائیوں میں۔[2]

یقیناً برائیوں میں شمار ہوگا، کیونکہ جان بوجھ کر سنت رسول ﷺ کی مخالفت برائی ہی برائی ہے۔ یہی چیز ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے مذکورہ اندازہ سے واضح کررہے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو پتہ ہے کہ یہ سنت رسول ﷺ ہے۔ پھر اپنی رائے کا اظہار کرے تو قطعاً نیکی نہیں ہے،

---

[1] اعلام الموقعين ١/٦٦،٦٧ سنن دارمی، باب الفتيا و ما فيه من الشدة ، رقم: ١٥٨.

[2] اعلام الموقعين: ١/٦٧.

بلکہ نہ صرف یہ کہ نیکی نہیں بلکہ ایمان کے چلے جانے کا بھی ڈر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''کسی مومن مرد اور عورت کو قطعاً لائق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر ان کو بھی کوئی اختیار ہو۔''

یعنی مومن قطعاً اپنی رائے قرآن و حدیث کے آگے پیش نہیں کرتے، لیکن اگر اپنی رائے پیش کرنے کی جسارت کریں تو پھر ایمان نہیں ہے، بلکہ ایمان ضائع ہو چکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

(النساء: ٦٥)

''تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے کہ جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ ﷺ کو اپنا فیصل تسلیم نہ کرلیں، اور پھر اس کے خلاف اپنے دلوں میں کسی قسم کی رنجش نہ پائیں۔''

غور فرمایئے! رائے دینا تو دور کی بات اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی بات آ جانے کے بعد دل میں رنجش یا گھٹن بھی پیدا نہیں کی جاسکتی کہ دل میں اس فیصلہ کے خلاف کوئی ناراضگی یا ناپسندیدگی ہو، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے، تو رائے کا اظہار کیسے ہوسکتا ہے؟ اور رائے کو کیا اہمیت دی جاسکتی ہے اور اگر رائے کا اظہار ہوگا بھی تو نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرتے تھے:

قارئین کرام! سنت کے ہوتے ہوئے اپنی سوچ اور فکر کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی مخالفت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مخالفت کی صورت میں تباہی و گمراہی لازم ہے۔

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا، جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل میں سے کوئی چیز بھی چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہوجاؤں گا۔ ❶

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد پہلے خطبہ میں فرمایا:

((إِنَّ اَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَأَطِيْعُوْنِی ، وَإِنْ عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَأَقِيْمُوْنِی .))❷

''اگر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم مجھے سیدھا کردو۔''

غور فرمایئے کہ خلیفہ راشد اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر سنت کی مخالفت ہوگئی تو یہ گمراہی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا سنت کی مخالفت سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ پھر جب خلافت پر متمکن ہوئے تو لوگوں کو بھی یہی درخواست کرتے کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق چلتا رہوں اور تمہیں چلاتا رہوں، تو تم میری بات کو مانو اور جہاں بھی مجھ سے مخالفت ہوجائے تو میری اصلاح کرو، مجھے سیدھا کرو، قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کرو، کیونکہ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں سب بربادی کے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم کے راستے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی مخالفت کرنے والے پر سختی کرتے تھے:

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی مخالفت سے جیسے ڈرتے تھے، ویسے ہی مخالفت کرنے والے پر سختی بھی کرتے تھے۔ اس راہ میں ان کو کوئی چیز نرمی کرنے پر آمادہ نہ کرتی تھی،

---

❶ صحیح بخاری ، کتاب فرض الخمس ، باب فرض الخمس، رقم: ٣٠٩٣، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير ، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم لا نورث ما نزلنا فهو صدقة، رقم: ٤٥٨٢ . اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: ما كنت لا دع سنة النبی صلی الله عليه وسلم يقول احد۔ صحیح بخاری ، کتاب الحج، باب التمتع، والقران والافراد بالحج، رقم: ١٥٦٣.

❷ تاريخ الخلفاء للسيوطی، ص: ١١٨.

بلکہ انتہائی سخت ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل کیا:

((لَا تَمْنَعُوا اِمَاءَ اللّٰهِ عَنِ الْمَسَاجِدِ .))

''عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو۔'' یہ ارشاد سن کر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادہ جن کا نام ''بلال بن عبداللہ'' ہے نے کہا، ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، صاحبزادہ کی اس بات پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوئے اور انہیں بہت برا بھلا کہا اور فرمایا ''میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے، اس کے بعد اس صاحبزادے سے ہمیشہ کے لیے بولنا چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس سے بات نہیں کی۔ ❶

سیدنا سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا (معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومی سرزمین کی طرف پیش قدمی شروع کردی، تاکہ مدت معاہدہ ختم ہوتے ہی ان پر یلغار کردیں۔ اس وقت ایک شخص گھوڑے یا کسی اور سواری پر یہ الفاظ کہتے ہوئے نمودار ہوا، اللہ اکبر، اللہ اکبر وفا کرو بے وفائی نہ کرو، لوگوں نے دیکھا تو وہ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاکر ان سے بات کا سبب دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ مدت پوری ہونے تک اس میں کمی بیشی نہ کرے، انہیں معاہدے کے ختم کرنے کے بارے میں پیشگی اطلاع دیں، (دونوں فریق برابر معاہدہ توڑ دیں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سن کر) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واپس پلٹ گئے۔ ❷

---

❶ احمد: ٣٦/٢ ، صحیح مسلم، کتاب الصلاة ، باب حروج النساء الی المساجد، رقم : ٩٨٩ سنن نسائی ، کتاب الصلاة ، باب النهی منع النساء من اتیانهن الی المساجد، رقم : ٧٥٦.

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الامام یکون بینه و بین العد و عهد فیسر الیه: رقم: ٢٧٥٩، سنن الکبری للبیهقی ٢٣١/٩، مسند احمد: ١١١/٤، سنن ترمذی، کتاب السییر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ما جاء فی الغدر ، رقم: ١٥٨٠ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شدید ناراض ہوئے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ گرامی کے مقابلہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ و سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال کو پیش کیا اور فرمایا:

((يُوْشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ ، أَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُوْنَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ .)) [1]

''مجھے خدشہ ہے کہ تم پر کہیں آسمان سے پتھر نہ برسیں کہ میں تو کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے۔''

قارئین کرام! ان واقعات سے اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی مخالفت کرنے والے پر کس قدر برہم ہوجاتے اور بسا اوقات تعلقات ہی ختم کر دیتے تھے۔ چاہے کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہوتا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا کہ ایک حدیث کی مخالفت کی وجہ سے ساری زندگی اپنے بیٹے سے کلام نہیں کیا۔

محض حدیث کی مخالفت کرنے والوں کے بڑے بڑے مفادات کو بھی ٹھکرانے کے لیے تیار ہوجاتے تھے۔ لیکن مخالفتِ رسول ﷺ برداشت نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر وقت سے آپ ﷺ کی ایک حدیث کی مخالفت کا شبہ ہوا تو فوراً ٹوکا کہ یہ طرزِ عمل رسول ﷺ کا نہیں ہے۔ حالانکہ وہاں مفادات پر چوٹ پڑنے کا ڈر اور خوف بھی ہوسکتا تھا۔ کہ میں امیر المومنین کی مخالفت کررہا ہوں، وہ مجھے سزا نہ دے دیں یا جو مجھے سہولیات دے رکھی ہیں وہ ختم نہ کردیں۔ صحابیٔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ جو غلط تھا، رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت ہورہی تھی۔ اس پر فوراً متنبہ

---

[1] فتح المجيد ص: ٣٨٣، فتاویٰ شيخ الاسلام ٢٠ـ٢١٥ـ٢٣١، سنن دارمی، مقدمه، باب ما يتقى من تفسير حديث النبى صلى الله عليه وسلم، و قول غيره عند قوله صلى الله عليه وسلم، رقم: ٤٣١، نیز اسی طرح کا ایک قول ابن سیرین رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ سنن الدارمی، مقدمه، باب تحيل عقوبة من بلغه عن النبى صلى الله عليه وسلم، حديث مسلم يعظمه و لم يوقره، رقم: ٤٤١.

کیا۔ جس سے امیر المومنین باز آ گئے۔

قارئین کرام! آج ہمارے جذبات بھی سنتِ رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ فی الفور مخالفت کی گرفت کرنی چاہیے اور اس کو سمجھانا چاہیے، چاہے اس کے بدلے میں ہمارے کتنے ہی مفادات قربان کیوں نہ ہو جائیں۔

ایسی صورت میں بھی ہم سنتِ رسول ﷺ سے محبت کرنے کا حق ادا کر سکتے ہیں، اور عین ممکن ہے کہ اللہ ہمارے اس انداز سے مخالفین کو سوچنے پر مجبور کر دے، اور وہ سنت کی مخالفت سے رک جائیں، جو اُن کی اور ہماری کامیابی کا سبب ہوگا۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کے خلاف قول سے رجوع کر لیتے تھے:

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ کامیابی کا راستہ صرف اور صرف ایک ہی ہے، اور وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا ہے، چنانچہ سنت رسول ﷺ کے خلاف جو بھی قول ہوتا یا کسی کا فعل ہوتا تو وہ اس کو بہر صورت رد کر دیتے تھے۔ اور اگر اپنا ہی فعل رسول اللہ ﷺ کی سنت یا حدیث کے خلاف ہوتا تو اس سے بھی رجوع کر لیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ شوہر کی دیت سے بیوی کو وراثت نہیں ملنی چاہیے، لیکن جب سیدنا ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشیم الضبابی کی بیوی کو شوہر کی دیت سے وراثت دلوائی تھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف تھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ بھی ہو تو اسے وضع حمل اور عدت وفات میں سے جو طویل مدت ہو اس کے مطابق عدت گزارنی چاہیے، لیکن سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہم نے وضاحت کی کہ میں اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے وضع حمل ہی کو عدت قرار دیا تھا، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم

---

[1] صحیح سنن ابن ماجه، کتاب الدیات، باب المیراث من الدیه، رقم: ۲٦٤۲، سنن دار قطنی، رقم: ٤۱۳۳، مسند احمد: ۳/٤٥۲، سنن ابی ابوداؤد: رقم: ۲۹۲۷، سنن ترمذی: رقم: ۱٤۱٥.

نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ ❶

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ جنبی آدمی جب تک غسل نہ کرے روزہ نہیں رکھ سکتا، مروان بن حکم نے اس فیصلے کی تحقیق کے لیے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نہانے سے پہلے روزہ رکھ لیتے تھے، پھر غسل کر کے نماز ادا کرتے، اس عمل سے آگہی کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ ❷

قارئین کرام! مذکورہ تمام کے تمام ایسے واقعات ہیں کہ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے موقف سے رجوع کیا۔ جب ان کو حدیث رسول ﷺ معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو کسی قسم کی کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس سے ان لوگوں کو سوچنا چاہیے اور سبق سیکھنا چاہیے۔ جو اپنی رائے، اپنے فتاویٰ پر ضد کرتے ہیں اور اَڑے رہتے ہیں، حالانکہ وہ مبارک گروہ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا مندی کی ضمانت فراہم کی ہے، ان لوگوں نے سنتِ رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور رائے اور فتویٰ کی طرف نہیں دیکھا۔ اور نہ کبھی اپنی رائے کو سنتِ رسول ﷺ کے مقابلہ میں کوئی اہمیت دی۔

کیونکہ یہی کامیاب لوگوں کی صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی صفات اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے میں بہت زیادہ حریص تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑے اجر وثواب کے اعزاز سے نوازا ہے کہ جس سے بڑا اعزاز اللہ کے ہاں کوئی اور نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اعزاز اللہ کی جنت سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ اعزاز ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مندی ۔ یہ رضامندی جنت سے بھی بڑی نعمت ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی گئی ہے۔ اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ پر

---

❶ صحيح سنن نسائي ، كتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها ، رقم: ٣٥١٤ و ٣٥١٥.

❷ صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب صحه صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب رقم: ١١٠٩.

غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے میں انتہائی پختہ تھے جو کام آپ ﷺ نے کیا انہوں نے بھی اس کو ضرور کیا۔ چاہے کوئی حکمت سمجھ آئی ہو یا نہ آئی ہو، چنانچہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''میں میدان عرفات میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب وہ قیام گاہ سے چلے تو میں بھی ان کے ساتھ چلا وہ امام حج کی جگہ پر پہنچے اور وہاں ظہر وعصر کی نماز ادا کی، پھر انہوں نے جبل رحمت پر وقوف کیا، میں اور میرے ساتھی بھی ان کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ (غروب کے بعد) جب امام عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوا، تو ہم بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ مازمین مقام سے پہلے ایک تنگ جگہ پر پہنچے اور انہوں نے اپنی سواری بٹھائی تو ہم نے بھی اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام جو سواری کو تھامے ہوئے تھے اس نے کہا: نہیں! یہ نماز نہیں پڑھنا چاہتے، بلکہ انہیں یاد آ گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اس جگہ پر پہنچے تو آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے رکے تھے، اس لیے یہ بھی یہاں قضائے حاجت کرنا چاہتے ہیں۔ ❶

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ ﷺ اس سے تناول فرماتے اور باقی ماندہ میرے پاس بھیج دیتے، ایک روز آپ ﷺ نے برتن میں سے کھائے بغیر کھانا واپس میری طرف بھیج دیا، کیونکہ اس میں لہسن تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے وجہ دریافت کی کہ کیا لہسن حرام ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن میں اس کی بو کی وجہ سے اسے پسند نہیں کرتا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا جو چیز آپ ﷺ ناپسند فرماتے میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔ ❷

((بُوِيعَ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْخِلَافَةِ ، وَقِيلَ إِنَّ أَوَّلَ

---

❶ الترغيب والترهيب رقم : ۲۷۱۱.

❷ صحيح مسلم، كتاب الاشربه، باب اباحة اكل الثوم، رقم : ۲۰۵۳.

مَنْ بَايَعَهُ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ اُبْسِطْ يَدَكَ اُبَايِعَكَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَ وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ.)) ❶

سیدنا حسن بن علی علیہ السلام کی خلافت پر بیعت ہوئی اور کہتے ہیں پہلا شخص جس نے بیعت کی، وہ قیس بن سعد تھے اس نے کہا: اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پر بیعت کرتا ہوں۔''

ان تمام واقعات پر غور فرمایئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے میں کس قدر حریص تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راستے میں ایک سمت کی طرف مڑے، سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ شاید نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اس طرف مڑنا اس وجہ سے تھا کہ یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ بھی مڑے تھے اور قضاء حاجت کی تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے ہیں۔ یہ کام آگے بھی ہوسکتا تھا۔ پیچھے بھی ہوسکتا تھا۔ لیکن بالکل اسی مقام پر آ کر قضاء حاجت کے لیے صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت سے محبت کی بنیاد پر تھا، اس سنت کی اتباع کے لیے بیعت کرتے ہیں۔ سنت پر عمل کی ہی تلقین کرتے ہیں۔

سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے، پھر اس کے بعد تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ﴾

(البقره: ١٤٤)

''تحقیق ہم تیرا بار بار آسمان کی طرف چہرہ کرنا دیکھ رہے ہیں۔ تو جس قبلہ کو (آپ ﷺ) پسند کرتے ہیں ہم آپ ﷺ کا چہرہ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔''

---

❶ طبری، ١٥٨/٥.

جس وقت یہ حکم نازل ہوا۔ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایک شخص مسجد کے قریب سے گزرا۔ جبکہ وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) حالت رکوع میں تھے تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ قبلہ بدل کر کعبہ ہوگیا ہے تو انہوں نے حالتِ رکوع میں ہی اپنے چہرے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف پھیر دیئے۔ ❶

یہ واقعہ بھی سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حرص اور پختگی کو ظاہر کرتا ہے کہ جیسے ہی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا ہے، تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ حالانکہ ابھی تک ان کو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ سوچ سکتے تھے کہ جب حکم آئے گا اس وقت عمل کریں۔ لیکن ایسا قطعاً نہیں ہوا، جیسے ہی پتہ چلا ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق بیت اللہ کی طرف منہ پھیر دیا۔ یہ ہے حقیقی اطاعت اور اسی سے ہوتا ہے حقیقی محبت کا اظہار اسی لیے شاعر کہتا ہے:

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ صفائی ہو
ادھر حکم محمد ﷺ ہو ادھر گردن جھکائی ہو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی بات آپ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے:

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا، انتہائی بڑا جرم ہے کہ جس کی سزا جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی بات کو کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ کرتے تھے، بلکہ ڈرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے فلاں مسئلے میں رائے سے کام لیا ہے اگر وہ درست ہے تو وہ درستی اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ سیقول السفهاء، رقم: ٤٤٨٦.

❷ اعلام الموقعین: ٦٦/١.

اندازہ کریں کہ فتویٰ دیتے ہوئے کہتے کہ ہم نے اپنے علم کے مطابق مکمل چھان بین کرلی ہے اس کے باوجود اگر یہ فتویٰ قرآن وحدیث کے خلاف آجائے تو یہ ہماری کوتاہی اور شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی یہ ہماری بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی بات نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اس روایت پر خوب غور کرنا چاہیے کہ جھوٹے فتاویٰ اپنی طرف سے جاری کرتے ہیں، اور پھر بڑے دھڑلے سے اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ حالانکہ یہ انتہائی گھناؤنا جرم ہے کہ جس کی سزا بدترین عذاب کے سوا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے سے توبہ کرنی چاہیے اور کبھی بھی اپنی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ایسا کرنا خیانت ہے جو اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں ہے۔ واللہ علم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیثِ رسول ﷺ کو یاد کرنے کے شوقین تھے:

سنتِ رسول ﷺ کامیابی کی ضمانت ہے، اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول ﷺ کو محفوظ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ یہ حفاظت کتابت کے ذریعہ سے بھی کرتے تھے اور حدیث رسول ﷺ کو اپنے سینوں میں محفوظ کرکے بھی۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کررکھا تھا، ایک حصے میں نماز پڑھتا تھا، ایک حصے میں آرام کرتا تھا، اور ایک حصے میں احادیث کا دور کیا کرتا تھا۔ [1]

اندازہ کیجیے! جس طرح اللہ کی عبادت نوافل کی شکل میں بڑے اہتمام سے کرتے تھے، ویسے ہی حدیث رسول ﷺ کو یاد کرنے کا بھی خوب اہتمام کررکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کی سرخروئی کی اپنے رب سے دعائیں کرتے تھے۔

((نَضَّرَ اللّٰهُ إِمْرًا)) [2]

---

[1] سنن دارمی: ۱/۲۸.

[2] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۶۰، سنن ترمذی، کتاب العلم، رقم: ۲۶۵۶، مسند احمد ۱/۴۳۷. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو پر رونق رکھے کہ جس نے ہماری حدیث کو سن کر یاد کیا اور آگے پہنچایا۔ اس حدیث اور دعا کے پیش نظر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظِ حدیث کے لئے خوب محنت کیا کرتے تھے۔ ابوصالح السمان رحمہ اللہ اپنے استاد کے بارے میں فرماتے ہیں'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سب سے افضل ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ حفظِ حدیث میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ ❶

یعنی حفظ حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑے حافظ ہیں۔ اگرچہ سب سے افضل تو نہ تھے۔ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

اس کی وجہ حدیث کو یاد کرنے کا شوق ہے، کیونکہ یہ مبارک شوق ہے کہ جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حدیث کی بڑی لگن تھی اور حدیث کو محفوظ کرنے کا بے پناہ شوق بھی۔ جیسا کہ آنے والے واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

جناب ابوصالح السمان رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا قول کو اس حدیث مبارکہ سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، میں آپ کی بہت سی احادیث سنتا ہوں، لیکن آپ کی احادیث بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: چادر بچھاؤ، میں نے چادر بچھائی، تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کہ اس چادر میں ڈال دی پھر فرمایا: اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ، میں نے اس کو اپنے سینے سے لگایا اس کے بعد سے میں کبھی نبی کریم ﷺ کی حدیث نہیں بھولا۔ ❷

قارئین کرام! اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے کہ جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر الزام

---

❶ تذكرة الحفاظ : ٦/٣٤، الاصابه: ٢/٢٠٥.

❷ صحيح بخاری، کتاب العلم ، باب حفظ العلم، رقم : ١١٩.

لگاتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں، اتنی حدیثیں ان کو کیسے یاد ہوگئیں؟ اور ان لوگوں کا بھی رد ہوتا ہے کہ جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہتے ہیں، کیونکہ اُن کے حفظ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود چارہ جوئی کی ہے، جس کی وجہ سے ان کو حفظ میں ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ جس کا حفظ عمدہ اور بہتر ہو اس کو دلائل بروقت مستحضر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مسائل پر اس کو دسترس ہوتی ہے تو پھر غیر فقیہ کیسے ہوں گے، حدیث رسول ﷺ کو یاد کرنے والا غیر فقیہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حدیث سے بڑھ کوئی فقاہت ہے ہی نہیں۔ چنانچہ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کے متن سے کم متن اُن احادیث کا بنتا ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یاد کیں اور تیسری بات، بے شمار محدثین دنیا میں ایسے آئے، جنہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی گنا زیادہ احادیث یاد کیں، حتیٰ کہ آج کے دور میں بھی آپ کو ایسے بیسیوں محدثین مل جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم حدیث کو یاد کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ کی حدیث یاد ہی کرنے کے لیے ہیں۔ [1]

کیونکہ اس میں جس قدر حکمتیں پنہاں ہیں وہ دنیا کی دوسری کسی شخصیت کے کلام میں نہیں ہیں۔ بلکہ حدیث رسول ﷺ سب سے ممتاز اور سب سے اعلیٰ ہیں۔ اس کی گواہی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ .))[2]

''کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں۔''

یعنی سب سے پُرحکمت کلام میرا ہے۔ اس کلام کو یاد کرنے والا بھی حکیم اور دانا ہے۔ لہٰذا عقل مندوں کا کام حدیث رسول ﷺ کو یاد کرنا اور محفوظ کرنا ہے اور احمق اور بیوقوف لوگ ہی اس کا انکار کرسکتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، مقدمه باب النهى عن الرواية عن الضعفا والاحتياط فى تحملها ، رقم : ٢٠.

[2] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، رقم: ١١٦٧.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیثِ رسول ﷺ کو سننے کے بھی شوقین تھے:

کیونکہ سننے اور یاد کرنے کا اجر وثواب بہت ہے، اور اس لیے بھی کہ عمل کی قبولیت کی شروط میں سے اہم ترین شرط رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہونا ہے۔ کوئی عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق اس وقت ہی ہوسکتا ہے کہ جب ہمیں سنت رسول ﷺ کا علم ہو۔ علم اس وقت ہوگا کہ جب حدیث رسول ﷺ کو سنا جائے، اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم خوب سنتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ يَبْلُغُنَا الْحَدِيْثُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَوْ شَاءَ أَنْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ حَتّٰى يُجِيْبَنِي، فَحَدَّثَنِي فَعَلْتُ، وَلٰكِنِّي كُنْتُ أَذْهَبُ إِلَيْهِ قُمْتُ عَلَى بَابِهِ حَتّٰى يَخْرُجَ إِلَيَّ فَيُحَدِّثُنِي.)) ❶

''ہمیں نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کے حوالہ سے حدیث پہنچتی تو اگر میں یہ چاہتا کہ اس صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیجوں، تاکہ وہ آ کر حدیث بیان کریں تو میں ایسا کرسکتا، لیکن میں خود ان کے پاس جاتا اور ان کے دروازہ پر ٹھہرتا، تا آں کہ وہ میرے پاس نکل کر آتے اور مجھے حدیث رسول ﷺ سناتے۔''

قارئین کرام! اندازہ لگایئے حدیثِ رسول ﷺ کو سننے کا شوق، پھر حدیث بیان کرنے والے کا احترام کہ اس کو اپنے پاس نہیں بلوایا۔ بلکہ خود چل کر حدیث اس سے سنی ہے، تاکہ اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوجائے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کے حصول کے لیے کوئی سفر اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ ❷

---

❶ جامع بيان العلم، ص: ١٥٣.

❷ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، سنن ابى داؤد، رقم: ٣٦٤١، صحيح الجامع الصغير، رقم: ٦٢٩٧.

اوراس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتفتیش کا کام بھی بذاتِ خود کریں، تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ یہی دین کا منشا ہے۔

آج جو لوگوں نے طریقہ اپنا رکھا ہے کہ دین کی باتوں کی کوئی تحقیق نہیں کرنی جہاں سے آئے لے لو، یا سب ٹھیک ہے، جو جہاں لگا ہے ٹھیک لگا ہے۔ یہ انداز بالکل غلط اور دین کی چاہت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس سوچ پر نظر ثانی کریں۔ اور حدیث رسول ﷺ کو سننے کا شوق پیدا کریں۔

❀❀❀❀

باب نمبر:۴

انبیائے کرام علیہم السلام اور اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ

قارئین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ کا طریقہ کار رہا ہے کہ جو بھی پیغمبر بعد میں آئے پہلے والا اس کی تائید کرے۔ اس کی معاونت کرے۔ اور اس کی بات کو تسلیم کرے یہ اصول تمام پیغمبروں میں جاری وساری رہا ہے۔

یہی اصول ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں بھی جاری وساری ہے کہ تمام پیغمبروں کو اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ رسول ﷺ کی پیروی کرنی ہے۔ اگر وہ تمہارے وقت میں اس دنیا میں تشریف لائے، چنانچہ سب نے اقرار کیا کہ ہم اتباع کریں گے:

﴿وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰلِكُمۡ اِصۡرِىۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ۝﴾ (آل عمران : ۸۱)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تمہیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور اس کی نصرت کرنا ہوگی، اللہ نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ نبیوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا، گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی اطاعت کا وعدہ تمام پیغمبروں سے عالم

ارواح میں لیا گیا تھا، اس وعدے کے مطابق تمام پیغمبر علیہم السلام آپ ﷺ کی ہی اطاعت کرتے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی امت کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ ایک رسول آئے گا تو تم اس کی پیروی کرنا کیونکہ کامیابی اسی میں ہے۔ اور اسی کامیابی کی میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الصف : ٦)

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں یقیناً تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور پہلے سے نازل شدہ تورات کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام ''احمد'' ہوگا، پھر جب وہ رسول واضح دلائل لے کر آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔''

دیکھئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے آنے کی خوشخبری بھی دیتے ہیں اور آپ ﷺ کا نام تک بھی بتا دیا اور دیگر صفات بھی بیان فرما دیں۔ کہ اس پیغمبر کا کام دوسرے پیغمبروں کی تصدیق ہوگا اور اس کے علاوہ واضح نشانیاں بھی لے کر آئے گا تو تم نے اس کی پیروی کرنی ہے۔

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مریم علیہا السلام کے بیٹے (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ [1]

قارئین کرام! اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ ﷺ کی ہی پیروی کریں گے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: امام تم میں سے ہوگا، جب امام شریعت محمدی کے مطابق ہے۔ لامحالہ عیسیٰ علیہ السلام اسی شریعت کی پیروی کریں گے۔ کیونکہ نماز کا طریقہ حدیث کے مطابق ہے، اس لیے اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نماز سنت کے مطابق پڑھیں گے تو باقی ساری

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم : ٣٤٤٩.

زندگی بھی سنت کے مطابق ہی گزاریں گے، یہاں ان بھائیوں کو بھی اپنے نظریے پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو فقہ الاسلام کو چھوڑ کر فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور جعفریہ و زیدیہ وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں۔ تو جب عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہو کر اس شریعت کی پیروی کریں گے اور کوئی بات دین میں اپنی طرف سے اس دین میں شامل نہ کر سکیں گے تو پھر ایک شخص کی تقلید کر کے اس کی تقلید کو دین کا حصہ کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

کیا جس کی تقلید کی جا رہی ہے وہ پیغمبر علیہ السلام سے بھی زیادہ حیثیت رکھتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی بات تو دین نہ بن سکے۔ ایک امتی کی بات دین کا حصہ بن جائے۔ یقیناً یہ فکر صحیح نہیں ہو سکتی۔

اور امام مسلم نے یہ عبارت زیادہ کی ہے کہ میں نے ابن ابی ذئب سے کہا کہ مجھے اوزاعی نے اس نے زہری سے اور اس نے نافع سے اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا تو ابن ابی ذئب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ منکم کے کیا معنی ہے، تو میں نے کہا کہ آپ بتائیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تمہاری حاکمیت کرے گا تمہارے رب کی کتاب پر اور تمہارے نبی کی سنت پر۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، وہ زمانہ قریب ہے کہ مریم کے بیٹے (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) تم لوگوں میں عادل حکمران بن کر اتریں گے تو وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو ختم کر دیں گے، جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور مال اس کثرت سے ہوگا کہ اسے کوئی آدمی قبول نہیں کرے گا، ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اور اگر تم چاہو تو (سورہ نساء) کی یہ آیت پڑھو (جو اس حدیث کی تائید کرتی ہے) کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا، جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پہ ایمان نہ لائے، اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اس پر گواہی نہ دیں۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ٤٩، رقم: ٣٤٤٨، صحیح مسلم کتاب، الإیمان، رقم: ٣٨٩.

اس حدیث میں بہت زیادہ نقطے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عادل حکمران ہوں گے اور وہ عدل قرآن وسنت کے عین مطابق ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ آئیں گے وہ نہ حنفی، نہ مالکی، نہ شافعی اور نہ ہی حنبلی فقہ کے مطابق عدل کریں گے، بلکہ قرآن وسنت کے مطابق عدل کریں گے۔ لہٰذا عدل اور انصاف کی بات یہی ہے کہ اپنے آپ کو، قرآن وحدیث کا پابند بنایا جائے۔ اگر اس پابندی کو چھوڑ کر تقلید جیسی لعنت کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالیں گے تو یقیناً یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ کیونکہ اس چیز کا حکم نہ اللہ تعالیٰ نے دیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے دیا ہے، اور جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نہ دیں پھر بھی اس کو اپنے اوپر لازم کرلینا، اپنے آپ کو مشکل میں ڈال لینا، یقیناً اپنے آپ پر بھی ظلم ہے اور انسانیت پر بھی ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے ظلم سے محفوظ رکھے۔ اور صرف اور صرف اپنے دین کا متبع بنائے۔ آمین یا رب العالمین

❀❀❀❀

باب نمبر:۵

مقامِ سنت تابعین رحمہم اللہ کی نظر میں

قارئین کرام ! پچھلے مضمون میں آپ حضرات نے سنتِ رسول ﷺ کی اہمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں ملاحظہ فرمائی۔ جو کہ اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں اور انہیں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری کامیابی کے لیے آئیڈیل قرار دیا ہے۔ اب ان کے بعد جو افضل گروہ ہے، یعنی تابعین کا۔ ان کے جذبات بھی اور ان کا تعلق بھی سنت رسول ﷺ کے متعلق جان لیجئے کہ وہ کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔

حدیث کے مقابلہ میں رائے (اپنی سوچ) کی کوئی اہمیت نہیں:

تابعین رحمہم اللہ کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جب حدیث رسول ﷺ آ جاتی ہے تو پھر وہ کسی اور بات اور قول کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے تھے، بلکہ ایسی مجلسوں اور محفلوں میں بھی جانے سے روکا کرتے تھے۔ چنانچہ چند اقوال تابعین عظام کے حاضرِ خدمت ہیں:

سیدنا الوائل شفیق بن سلمہ رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِیَّاکَ وَمُجَالَسَهُ مَنْ یَقُوْلُ أَرَایْتَ أَرَایْتَ .)) [1]

''تم ان مجلسوں سے بچو جو کہتے ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے۔''

امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَا رَأْیَ لِأَحَدٍ مَعَ سُنَّةٍ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .)) [2]

''سنت کی موجودگی میں کسی کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔''

---

[1] اعلام الموقعین ص ۱/۷۹.

[2] سنن دارمی، مقدمه، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی الله علیه وسلم، وقول غیره عند قوله، رقم: ۴۳۲، ۴۳۳، اعلام الموقعین ۱/۷۸.

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((عَلَيْكَ بِآثَارِ مَنْ سَلَفَ، وَإِنَّ رَفَضَكَ النَّاسُ، وَإِيَّاكَ وَآرَاءَ الرِّجَالِ وَإِنْ زَخْرَفُوا لَكَ الْقَوْلُ.)) [1]

''تجھے آثار (حدیث) کو لازم پکڑنا چاہیے اگر چہ لوگ تجھے چھوڑ کیوں نہ دیں لوگوں کی آرا سے اجتناب کرو خواہ ان میں سونے کی چمک دمک ہی کیوں نہ ہو۔''

ان اقوال کی روشنی میں ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تابعین عظام کا سنت رسول ﷺ کے بارے میں کیا نظریہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو آرا کے مقابلہ میں سنت رسول ﷺ کو ہی لازم اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔اور ہر قسم کی آرا کو سنت کے مقابلہ میں رد کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چاہے وہ خیالات وآرا بظاہر کتنے ہی اچھے معلوم کیوں نہ ہوتے ہوں۔

قارئین کرام! تابعین عظام کے ان اقوال کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہیے۔ کہ آج ہم حدیثِ رسول ﷺ کے مقابلہ میں دوسروں کی باتوں کو یہ کہہ کر اہمیت دے دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی تو امام ہیں وہ بھی تو مجتہد اور مجدد ہیں۔ وہ بھی تو عالم ہیں۔ حالانکہ یہ فکر ہمارے اسلاف کی قطعاً نہ تھی، یہ گندی فکر ہمارے ہاں گھر کر آئی ہے کہ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف بدعات وخرافات اپنے عروج پر ہیں۔

اور سنتِ رسول ﷺ ایک عجیب وغریب سی چیز محسوس ہونے لگ گئی ہے کہ جیسے یہ سنت ہے ہی نہیں ہے۔اور جو بدعات وخرافات ہیں وہ حقیقت معلوم ہونے لگ گئی ہیں کسی نے سچ کہا ہے:

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

ان خرافات و بدعات سے صرف اور صرف تابعین عظام رحمہم اللہ کے مذکورہ جذبہ کے

[1] اعلام الموقعين ١/ ٨٠.

ساتھ ہی نکالا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے! آمین۔ یہ سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور ائمہ اربعہ سے افضل ہیں۔

حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل ہلاکت ہے:

قارئین کرام! تابعین عظام رحمہم اللہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، بلکہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو انتہائی برا سمجھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو قیاس سے بچنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، چنانچہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تم قیاس سے بچو واللہ، اگر تم قیاس پر عمل کرو گے تو ضرور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرو گے، ہاں تم کو اصحاب رسول سے جو حدیث پہنچے تو اس کی حفاظت کرو۔'' ❶

قاضی شریح رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

''سنت تمہارے قیاس سے پہلے ہی وجود میں آ چکی ہے تم سنت کی اتباع کرو اور بدعت کے پیچھے مت بھاگو اگر تم حدیث پر عمل کرو گے تو گمراہی سے بچ جاؤ گے۔''

اس قول سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ سنت قیاس پر مقدم ہے، کیونکہ حدیث رسول ﷺ قیاس سے پہلے وجود میں آ چکی ہے۔ جب حدیث پہلے سے موجود ہے تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کا کیا مطلب ہے؟ پھر قیاس پر عمل کیوں؟ اس کی ضرورت کیوں؟ کیا حدیث رسول ﷺ کو کمزور کرنے کی سازش ہے۔ چنانچہ امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

((اَلسُّنَّةُ لَمْ تُوْضَعْ بِالْقِيَاسِ .)) ❷

''قیاس کی وجہ سے حدیث کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔''

دیکھئے امام شعبی کس خوبصورت انداز سے حدیث کا دفاع کررہے ہیں کہ حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر کوئی ضرورت ہے تو پھر حدیث کو خیر باد کہنا

---

❶ اعلام المواقعين ص: ۲۲۵/۱ سنن الدارمی، مقدمه، باب تغير الرسان وما يحدث فيه، رقم: ۱۹۱.

❷ اعلام الموقعين: ۲۲۵/۱.

پڑے گا، حالانکہ حدیث کو قیاس کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا، کیونکہ حدیث رسول ﷺ کو قیاس کی وجہ سے چھوڑ دینا۔ تباہی اور بربادی ہے، چنانچہ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إِنَّمَا هَلَكْتُمْ حِيْنَ تَرَكْتُمُ الْآثَارَ ، وَأَخَذْتُمْ بِالْمَقَايِسِ .)) ❶

''بلاشبہ تم ہلاک تب ہوئے جب تم نے آثار کو ترک اور قیاس کو اختیار کیا۔''

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی حیثیت قیاس کو دی جائے تو پھر یہ قیاس شیطانی ہوگا کہ جس نے رب کے حکم کے سامنے قیاس کا سہارا لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کو حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا، اس جیسے قیاس کے بارے میں ابن سیرین نے کہا تھا:

((اَلْقِيَاسُ شُؤْمٌ وَأَوَّلُ مَنْ قَاسَ إِبْلِيْسُ فَمَلَكَ ، وَإِنَّمَا عُبْدَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِالْمَقَايِسِ .)) ❷

''قیاس نحوست ہے سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا، سو وہ ہلاک ہو گیا اور شمس وقمر کی عبادت کا سبب بھی قیاس ہی ہے۔''

لہٰذا اللہ کے بندوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا کہ حدیث رسول ﷺ کے مقابلہ میں قیاس یا اجتہاد یا رائے کو پیش کریں۔ کیونکہ یہ ناکامی کا راستہ ہے اور ہمارے اسلام کے طریقہ کار کے بھی خلاف ہے۔ اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سنتِ رسول ﷺ کو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سننے کی کوشش کرتے:

قارئین کرام! تابعین عظام رحمہم اللہ سنت رسول ﷺ کو لینے کے سلسلہ میں بھی بڑی احتیاط کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اگر ان تک کوئی حدیث رسول ﷺ پہنچتی تو بس اس پر اکتفا

---

❶ اعلام المواقعين ١/٢٢٥.

❷ اعلام الموقعين: ١/٢٢٥، مصنف ابن ابی شيبه: ٨/٣٣١، سنن دارمی، رقم: ١٨٩، باب تغير الزمان ما يحدث فيه نیز اسی قول کے مطابق حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ (الاعراف: ١٦). پھر فرمایا: ابلیس نے قیاس کیا اور وہ پہلا قیاس کرنے والا ہے۔

نہ کر لیتے بلکہ حدیث رسول ﷺ کی تحقیق کے لیے کہ کیا یہ واقعتاً رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے؟ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مدینۃ الرسول آتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث رسول ﷺ سن کر اطمینان کر لیتے، چنانچہ جناب ابوالعالیہ رفیع بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَسْمَعُ الرِّوَايَةَ بِالْبَصْرَةِ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمْ نَرْضَ حَتّٰى رَكِبْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَسَمِعْنَا مِنْ اَفْوَاهِهِم .)) [1]

''ہم بصرہ میں کسی صحابیٔ رسول ﷺ کے حوالہ سے روایت سنتے تو اس سے مطمئن نہ ہوتے، تاآنکہ مدینہ منورہ پہنچ کر خود ان کی زبانی حدیث نہ سن لیتے۔''

اس قول سے تابعین کے تحقیقِ علم کے شوق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ کسی صحابی کی طرف سے اگر کوئی روایت پہنچتی تو اس کو کافی نہ سمجھ لیتے، بلکہ خود جا کر مدینہ میں وہی روایت صحابی رسول ﷺ کے منہ مبارک سے سنتے اور پھر مطمئن ہوتے!

آج ہمارے معاشرہ میں لوگوں نے ان کو اتنا غیر اہم سمجھ لیا ہے کہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی، تحقیق کرنا یا اس کے لیے وقت نکالنا تو دور کی بات۔ معاشرے کی یہ روش مؤمن کی اوصاف حمیدہ کے خلاف ہے، کیونکہ مؤمن صاحب بصیرت ہوتا ہے۔ غور وفکر کرتا ہے تحقیق وجستجو کرتا ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾ (الفرقان : ٧٣)

کہ اس (دین کی باتوں) پر گونگے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ جستجو کرتے ہیں)

کیونکہ مومن کی یہی شان ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

گر نہیں تجھ میں جستجو حق کا ذوق و شوق
امتی کہلا کر پیغمبر تو رسوا نہ کر

اور یہ تحقیق اس لیے بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی اس کا تقاضا کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سنن دارمی، مقدمه، باب الرحلة فی طلب العلم واحتمال العناد فيه، رقم: ٥٦٤.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ (الحجرات : ٦)

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق قسم کے لوگ کوئی خبر لایا کریں، تو تم اس کی تحقیق کرلیا کرو کہ کہیں تم اپنی نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تمہیں (بعد میں) افسوس ہو۔''

غور فرمایئے کہ اس آیت مبارکہ میں تحقیق نہ کرنے کے نقصان سے ہمیں آگاہ فرمادیا گیا ہے جو کسی کے خلاف بدگمانی کی شکل میں ہوسکتا ہے، کسی کے نقصان کی صورت میں ہوسکتا ہے جو کہ بڑے جرم ہیں۔

لیکن افسوس صد افسوس، آج ہمارے معاشرہ کی یہ سوچ بنا دی گئی ہے کہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ بحث مباحثہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو جہاں لگا ہے، ٹھیک لگا ہے، کسی کے عقائد کو چھیڑو نہ اپنے عقائد کو چھوڑو نہ۔

اس فکر نے امت کا بے پناہ نقصان کیا ہے، اس وجہ سے بدعات نے معاشرے میں جڑ پکڑی ہے۔ کفریہ عقائد امت مسلمہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ روز بروز نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو امت مسلمہ کے اتحاد کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں، کیونکہ دشمن کو پتا ہے کہ ان سے تحقیق وجستجو کا شوق چھین لیا گیا ہے۔ لہٰذا جو بدعات وخرافات ان میں پیدا کرسکتے ہو کرلو۔

قارئین کرام! اگر فتنوں سے بچنا چاہتے ہو، بدعات وخرافات اور شرکیہ عقائد سے بچاؤ اور حفاظت کا ارادہ ہے اور امتِ مسلمہ کا اتحاد واتفاق چاہتے ہو، تو پھر تحقیق وجستجو کا شوق اپنے اندر پیدا کیجئے۔ پھر دیکھیں کہ باطل کس طرح کھل کر سامنے آجائے گا اور کیسے دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

❀❀❀❀

باب نمبر:٦

ائمہ اربعہ اور سنت نبوی ﷺ

قارئین کرام! سنت رسول ﷺ کی کیا اہمیت وحیثیت ہے؟ قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اَسلاف امت رحمہم اللہ کے فرامین کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یقیناً مذکورہ بالامصادر کی تصدیقات وتشریحات کے بعد مزید کسی دوسری شخصیت کی تصدیقات اور تشریحات اگر نہ بھی ہوں۔تو اس سے سنت رسول ﷺ کی اہمیت وحیثیت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس وجہ سے اگر مزید شخصیات کی تصریحات نہ بھی بیان کریں۔تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ہم حضرات کے سامنے ان چار ائمہ کرامؒ کے اقوال سنت رسول ﷺ کی اہمیت وحیثیت و مقام کے سلسلہ میں ضرور پیش کریں گے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ چار انتہائی بزرگ عالم دین سنت نبوی اور حدیث نبوی کو کیا اہمیت و مقام دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے وہ لوگ، جنہوں نے ان بزرگ ہستیوں کی تقلید کو اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے، انہی کے اقوال کو سامنے رکھ کر حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں، اور اپنی آئندہ زندگی حدیث رسول ﷺ کے مطابق گزاریں، اس لیے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال وتصریحات کا ہی منشا ہے کہ سنت نبوی کو اوڑھنا بچھونا بنایا جائے۔

سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والے ہی کامیاب ہیں:

قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ سنت رسول ﷺ ہی کامیابی کا راز ہے، اس کے سوا کچھ نہیں اب ائمہ دین کہ جن تقلید کی جاتی ہے ان کی صراحت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ

((عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ: لَمْ یَزِلِ

النَّاسُ فِی صَلاحٍ مَادَامَ فِیْھِمْ مَنْ یَّطْلُبُ الْحَدِیْثَ فَاِذَا طَلَبُوْا الْعِلْمَ بِلاحَدِیْثٍ فَسَدُو .))❶

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگ اس وقت تک ہدایت پر رہیں گے جب تک ان میں علم حدیث حاصل کرنے والے موجود رہیں گے، جب حدیث کے بغیر دین کا علم حاصل کیا جائے گا تو لوگوں میں بگاڑ اور فساد پیدا ہوگا۔''

((عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه اِنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ: اِیَّاکُمْ وَالْقَوْلَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِالرَّاْیِ وَعَلَیْکُمْ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ، فَمَنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ)) (ایضًا)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لوگو! دین میں اپنی عقل سے بات کرنے سے بچو اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کو اپنے لیے لازم کرلو جو کوئی سنت سے ہٹا وہ گمراہ ہوگیا۔''

((قَالَ الْاَمَامِ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: مَنْ رَدَّ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَهُوَ عَلٰی شَفَا هَلَکَةٍ .))

''امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جس نے رسول ﷺ کی حدیث کو رد کر دیا، وہ ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے۔''

قارئین کرام! مذکورہ اقوال پر غور فرمائیے۔ کہ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے صاف طور پر اس بات کا اظہار کر رہے ہیں۔ کہ دنیا کے اندر امن وسکون کا باعث صرف اور صرف قرآن و حدیث کا علم ہے جب لوگ اس علم کو چھوڑ کر دوسرے علوم کی طرف توجہ دیں گے۔ تو دنیا میں بگاڑ پیدا ہوگا، چنانچہ ہر اس شخص پر لازم ہے، جو گمراہی سے بچنا چاہتا ہے۔ کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی پیروی کرے اس سے قطعاً منہ نہ موڑے اگر کسی نے حدیث رسول ﷺ سے منہ موڑنے کی کوشش کی۔ تو اس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جیسا کہ

❶ المیزان لامام الشعرانی.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول سے ظاہر ہو رہا ہے۔ قارئین کرام! ان اقوال کی روشنی میں تقلیدی ذہن رکھنے والے دوستوں کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ کہ جن بزرگوں کی تقلید کا بہانہ بنا کر حدیث رسول ﷺ کو چھوڑا جاتا ہے وہ خود حدیث رسول ﷺ کی حفاظت کے اپنانے کی تلقین کرنے والے ہیں۔ تو پھر تقلید کیوں؟ تقلید کی وجہ سے حدیث کو چھوڑنا کیسا ہے؟

ذرا غور فرمایئے۔ ہوسکتا ہے ان ائمہ کرام والے جذبات سنت رسول ﷺ کے بارے میں ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں۔ توفیق دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ کیونکہ وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ اللہ ہمارے دلوں کو اپنے رسول ﷺ کی طرف پھیر دے۔ آمین یارب العالمین!

سنت کی قبولیت کیلئے قرآن کی موافقت کی شرط جہالت ہے:

قارئین کرام! سنت رسول ﷺ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کو کس قدر لگاؤ تھا ان کی نگاہ میں حدیث رسول ﷺ کی کتنی اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے پہلے مضمون سے کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ کرام رحمہم اللہ حدیث رسول ﷺ کو ہی کامیابی اور اصل ماخذ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر اس بات پر گرفت کی جو حدیث رسول ﷺ کے مقام کو کم کر سکتی تھی۔ یا اس کیلئے نقصان کا سبب بن سکتی تھی۔ اور ہر اس قاعدہ کلیہ کا انکار کر دیا کہ جس سے حدیث رسول ﷺ پر حرف آتا ہو، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((إِنَّ قَوْلَ مَنْ قَالَ تُعْرَضُ السُّنَّةُ عَلَى الْقُرْآنِ ، فَإِنَّ وَافَقَتْ ظَاهِرَهُ وَإِلَّا اسْتَعْمَلْنَا ظَاهِرَ الْقُرْآنِ وَتَرَكْنَا الْحَدِيْثَ ، جَهْلٌ .))

''ان لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ حدیث کو قرآن پر پیش کیا جائے۔ چنانچہ اگر حدیث ظاہر قرآن کے موافق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ ہم ظاہر قرآن پر عمل کریں گے اور حدیث ترک کر دیں گے۔ یہ قول سراسر جہالت پر مبنی ہے۔''

قارئین کرام !اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث رسول ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس میں انہوں نے ایسے لوگوں کو جاہل قرار دیا ہے۔

حدیث تو قرآن کی تشریح وتوضیح ہے۔اس میں مخالفت کہاں سے آئے گی، حقیقت یہ ہے کہ اس جیسے اصولوں سے بدباطن لوگ مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس انداز سے کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہے اس حدیث کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ قرآن حکیم کلام اللہ ہے، حدیث تو کلام اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا حدیث کو چھوڑ دیا جائے جب حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا تو یقینی طور پر دین کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ اور امت مسلمہ انتشار کا شکار ہو جائیگی، جس کا لازمی نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا، یہی کفار کی منشا ہے کہ جس کے آلہ کار کچھ اس قسم کے لوگ بن جاتے ہیں جو بظاہر تو اچھے معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں انتہائی فتنہ پرور، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام موصوف فرماتے ہیں کہ یہ جاہل لوگ ہیں یعنی ان سے بچنا ضروری ہے۔ کہ حدیث رسول ﷺ کے بارے میں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

سنت کے خلاف فتویٰ چھوڑ دو:

قارئین کرام! ائمہ اربعہ سنت رسول ﷺ سے انتہائی محبت کرنے والے تھے اور حتی الامکان حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہی فتویٰ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی انتہائی احتیاط کی تلقین فرماتے کہ اگر ہماری کوئی بات حدیث رسول ﷺ کے خلاف آجائے تو ہماری بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بس حدیث رسول ﷺ کو ہی اپناؤ۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

جب میرا فتویٰ کتاب اللہ، سنت رسول یا قول صحابہ کے خلاف ہو، تو اُسے چھوڑ دو اور کتاب وسنت اور قول صحابہ پر عمل کرو۔ [1]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] المختصر المؤمل ص: ۳۸.

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ فَانْظُرُوا فِي رَأْيِ فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوهُ، وَكُلُّ مَالَمْ يُوَافِقْ فَاتْرُكُوهُ .)) ❶

''بلا شبہ میں بشر ہوں میرا قول صحیح بھی ہوسکتا ہے غلط بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا میرے قول پرغور کرو جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو اس کے خلاف ہو چھوڑ دو۔''

قارئین کرام! ان دونوں اقوال پر غور وفکر کریں کہ ائمہ کرام کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کا کیا مقام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا فتویٰ اگر حدیث رسول کے خلاف ہو، تو اُسے چھوڑ دو، اور حدیث رسول ﷺ پر عمل کرو۔ ایسی ہی بات امام مالک رحمہ اللہ نے کی ہے کہ ہم سے غلطی کا احتمال ہے، کیونکہ ہم بشر ہیں جو ہماری بات غلط ہو چھوڑ دو اور جو صحیح ہو اس کو قبول کرلو، اور صحیح کی پہچان حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہونا ہے۔

لہٰذا جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو لے لو اور جو فتویٰ یا بات قرآن و حدیث کے مخالف ہو چھوڑ دو، اس سے سنت کی اہمیت کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ تقلید کی تردید میں بھی واضح دلیل ہے۔

صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے:

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ لوگوں نے اپنے تقلیدی مذاہب جن بزرگ ہستیوں کی طرف منسوب کیے ہیں، وہ تو حدیث رسول ﷺ سے اس قدر والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار فرمائیں۔ کہ حدیث صحیح ہی ہمارا مسلک ہے۔ اور کسی کی بات سننے کو تیار ہی نہیں، لیکن یہ اپنے تقلیدی ذہن اور مذہب پر بضد ہیں۔ سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

((إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِي .))❷

---

❶ جامع بيان العلم، لابن عبد البر، ١٣٢/٢.

❷ ردالمختار ٤٦/١، والمجموع المهذب للنووی: ٦٣/١، و الميزان للشعرانی: ٥٧/١ وايقاظ الهمم للغلانی ،ص: ١٠٧ اور امام تقی الدین السبکی نے اس قول پر ایک مکمل رسالہ لکھا ہے۔

''صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔''

قارئین کرام! امام صاحب رحمہ اللہ کے قول سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کو کس قدر عزت وشرف کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حدیث رسول ﷺ کو کتنی حیثیت ومقام دیتے تھے کہ میرا مذہب تو صحیح حدیث ہی ہے۔ یعنی میں تو بس صحیح حدیث پر ہی عمل کرتا ہوں اور کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس سے ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ جو امام موصوف کی تقلید کو حرف آخر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ سوچ تو امامؒ کی بھی نہیں ہے، بلکہ وہ تو بس حدیث رسول ﷺ کے متبع ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَاشْهَدُوْا عَلَى أَنِّيْ رَاجِعٌ عَنْ قَوْلِي إِلَى حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَإِنْ كُنْتَ فَدْبَلِيْتَ فِي قَبْرِي .))[1]

''لوگو! تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں اپنے قول کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کرنے ولا ہوں، اگرچہ میں قبر میں بوسیدہ بھی کیوں نہ ہو جاؤں۔''

غور فرمائیے، کتنا مقام ہے حدیث رسول ﷺ کا ان ائمہ کرام کی نگاہ میں کہ اگر ہم مر جائیں۔ تو ہماری بات کو مرنے کے بعد بھی رد کر دینا اگر وہ حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو۔ اور ہماری بات کی حدیثِ رسول کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إِذَا رَأَيْتُمْ كَلَامِيْ يُخَالِفُ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلُوْا بِالْحَدِيْثِ ، وَاضْرِبُوْا كَلَامِيْ الْحَائِطَ .))[2]

''جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے نیز فرمایا جب میرا قول حدیث

---

[1] حلیة الاولیاء لابی نعیم، ۱۰۲/۹، ذم الکلام للهروی : ۴۲/۱، و اعلام الموقعین: ۱۳۶۳/۲، ایقاظ الهمم للغلانی ، ص: ۱۰۴.

[2] ذم الکلام للهروی : ۴۷/۳، الاحتجاج بالشافعی للخطیب: ۸/۲، و ابن عساکر: ۱/۹/۱۵، والمجموع الهذب : ۳۶/۲، الحلیة لابی نعیم: ۱۵۷/۹، صحیح ابن حبان : ۲۸۴/۳ مع الاحسان، الایقا للغلانی، ص: ۱۰۰.

کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب رسول ﷺ کی حدیث صحیح ہو اور میرا قول اسکے خلاف ہو تو میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ ❶

((قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: أَعْلِمُوْنِی بِالْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ أَصُرْ اِلَیْهِ.)) ❷

''انہوں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے فرمایا: اگر تمہیں صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو مجھے بھی بتا دینا، تاکہ میں اس پر عمل کروں۔''

قارئین کرام! یہ تمام اقوال تقلید کی نفی اور حدیث رسول ﷺ سے ائمہ کرام کی محبت کی دلیل ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے کہ جو تقلید کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ جن کی تقلید کی جاتی ہے، وہ حضرات تو خود حدیث رسول ﷺ کو ہی اپنا مسلک قرار دیتے ہیں۔

تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ جو اپنی تقلید کو ان کی طرف نسبت کر کے ان کو اپنا مقتدیٰ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں صحیح حدیث کو ترک کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے۔ یقیناً ایسا کرنے والے خود ہی مجرم ہیں۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ اس عقیدہ ونظریۂ فاسدہ سے بالکل بری ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایسی روش سے منع فرمایا ہے، جس کی وجہ سے وہ معذور ہو چکے اپنے ان تمام اقوال وافعال میں جو حدیث رسول ﷺ سے متصادم ہوں، ان کی اندھی تقلید کرنے والا خود ہی اپنے اس جرم کی سزا پائے گا۔ اللہ ہمیں متبع سنت بنائے اور مخالفت قرآن وسنت سے محفوظ رکھے۔ آمین

دلیل کے بغیر فتویٰ دینا حرام ہے:

کیونکہ اصل مصادر اور مآخذ صرف اور صرف قرآن وحدیث ہی ہیں۔ اس وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے بار بار اس بات کی تلقین کی کہ جب تک ہمارے فتویٰ پر ہمارے دلائل نہ جانو،

❶ المختصر، ص: ۳۷ ❷ المختصر، ص: ۱۳.

اس وقت تک ہمارے اقوال پر فتویٰ صادر نہ کرو، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدیث سر اور انکھوں پر اسی طرح اقوال صحابہ بھی پسندیدہ ہیں اور جو ان کے بعد والے ہیں وہ محض آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی، اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

((حَرَامٌ عَلَی مَنْ لَمْ یَعْرِفْ دَلِیْلِی أَنْ یُفْتِیَ بِکَلَامِی .))[1]

''جو شخص میری دلیل سے واقف نہ ہو، اس کے لیے میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فتویٰ دینے کے بعد کہتے: یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے اور ہمارے نزدیک یہ بہترین رائے ہے، لیکن جو اس سے بہترین رائے پیش کرے گا اس کی بات زیادہ درست ہے۔[2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

((لا یحل لاحد أن یاخذ بقولنا مالم یعلم من أین أخذناہ))[3]

''کسی شخص کے لیے ہمارے قول کو دلیل بنانا جائز نہیں، تاوقتیکہ معلوم نہ کرے کہ ہم نے اسے کہاں سے ماخوذ کیا ہے۔''

غور فرمائیے! امام موصوف رحمہ اللہ کس قدر تقلید کی نفی کر رہے ہیں۔ اور تقلید کو حرام قرار دے رہے ہیں وہ اس طرح کہ جب تک کوئی شخص ہماری دلیل سے واقف نہ ہو، ہمارے قول کے مطابق فتویٰ جاری نہ کرے یعنی دلائل کو جاننا ضروری ہے، جبکہ تقلید اس کی بالکل ضد ہے یعنی (اخذ قول الخیر بلامعرفة دلیله) ''کسی کی بات کو بغیر دلیل کے مان لینا'' تو

---

1. عقد الجید از شاہ ولی اللہ ۱/۳۳. تفصیل کے لیے دیکھیے: النافع الکبیر لعبد الحی الکھنوی، ص: ۳۷ والمیزان للشعرانی: ۱/۶۲.
2. عقد الجید، ص: ۳۸.
3. الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء، ص: ۱۴۵، اعلام الموقعین: ۲/۳۰۹،۳۴۴ حاشیه البحر الرائق لابن عابدین: ۶/۲۹۳، رسم المفتی، ص: ۲۹، ۳۲، والمیزان للشعرانی: ۱/۵۵، الایقاظ، ص: ۵۲، تاریخ یحییٰ بن معین: ۶/۱۷.

گویا امام موصوف رحمہ اللہ اپنے اس قول سے تقلید کی نفی کر رہے ہیں، اب اس قدر وضاحت و صراحت اور منع کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص امام موصوف کی تقلید کرتا ہے تو یہ اس کا قصور ہے اس میں امام صاحب رحمہ اللہ کی کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو اپنی تقلید کو خود ہی حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ مذکورہ قول سے ثابت ہو رہا ہے۔ اور لوگوں کو تقلید کرنے سے روک دیا ہے۔ اب تقلید کرنے نہ کرنے کے بارے میں سوچنا ان لوگوں کا کام ہے کہ جو تقلید کرنے پر بضد ہیں، اس لیے امام موصوف نے تو تقلید سے روکا ہے نہ کہ کرنے کی ترغیب یا حکم دیا ہے اور نہ ہی خود کسی کی تقلید کی ہے۔

رائے پر عمل نہ کرو:

امام ابن ہرمز رحمہ اللہ نے فرمایا:

((لَا تُمْسِكْ عَلَى شَيْءٍ فِيْمَا سَمِعْتَ مِنِّي مِنْ هَذَا الرَّأْيِ .))❶

''میری رائے پر عمل نہ کرنا۔''

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إِذَا وَجَدْتُمْ فِيْ كِتَابِيْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا: بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَدَعُوْا مَاقُلْتُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاتَّبِعُوْهَا وَلَا تَلْتَفِتُوْا إِلَى قَوْلِ اَحَدٍ))❷

''جب تم میری کتاب میں کوئی بات سنت رسول ﷺ کے خلاف پاؤ تو میری بات چھوڑ دو اور سنت کے مطابق عمل کرو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ صرف سنت رسول ﷺ کی پیروی کرو، اور کسی بھی دوسرے شخص کی بات پر توجہ نہ دو۔''

---

❶ اعلام الموقعين، ١/٦٣.

❷ المجموع المهذب للنووى ٦٣/١، اعلام الموقعين ٤٢٦/٢، ذم الكلام: ١٤٧/٣، الاحتجاج بالشافعي للخطيب: ٨/٢، ابن عساكر: ١/١٩/١٥، والايقاظ للغلاني، ص: ١٠٠، حلية الاولياء: ١٠٧/٩، صحيح ابن حبان مع الاحسان: ٢٨٤/٢.

ابن عساکرنووی اور ابن القیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ان اقوال سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اصل ماخذ قرآن وسنت ہے، جو اس کے مطابق ہو اسے لے لو۔ اور جو اس کے خلاف ہو چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کے غلط ہونے کا یقین ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر کسی کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن حدیث رسول ﷺ کو چھوڑا نہیں جا سکتا، کیونکہ وہ وحی الٰہی ہے جو کہ غلطی سے پاک ہے۔ اس سے بھی تقلید کی نفی ہو رہی ہے اور اتباع رسول کا اثبات۔ آنے والے واقعات بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے:

((كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافَ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ أَوْلَى فَلَا تُقَلِّدُوْنِي .)) ❶

''اگر حدیث کے خلاف میرا قول آجائے تو میرے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرو، کیونکہ حدیث پر عمل کرنا بہت بہتر ہے اور نہ ہی میری تقلید کرو۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((اِذَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اَقُوْلُ قَوْلاً وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ خِلَافَهُ، فَاعْلَمُوْا اَنَّ عَقْلِيْ قَدْ ذَهَبَ .)) ❷

''مجھے جب نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف بات کرتے دیکھو تو سمجھو میرا دماغ چل گیا ہے۔''

قارئین کرام، غور فرمائیے امام صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت پاگل ہی کر سکتا ہے۔ اگر تم مجھے حدیث رسول ﷺ کی مخالفت پر بضد پاؤ تو سمجھ لو کہ میرا

---

❶ ابن عساكر ٢/٩/١٥، آداب الشافعي لابن ابي حاتم، ص: ٩٣، والحلية و ابن عساكر: ٢/٩/١٥.

❷ آداب الشافعي لابن ابي حاتم، ص: ٩٣، منتقى الامالى لابى حفصي اعوذ: ٢٣٤/١ و حلية: ١٠٦/٩، ابن عساكر: ١/١٠/٥.

دماغ خراب ہو گیا ہے، اور شریعت کے اندر اس شخص کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ جس کا دماغ خراب ہو گیا ہو یعنی پاگل ہو گیا ہو آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ

''تین افراد سے قلم اٹھا دیا گیا ہے یعنی انکی بات کی کوئی حیثیت نہیں، سونے والا جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، پاگل یا بیہوش جب تک کہ اس کا پاگل پن ختم نہ ہو جائے۔ [1] تو یہ تین افراد ہیں کہ جن کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، امام موصوف فرماتے ہیں کہ اگر ہم مخالفت رسول ﷺ پر بضد ہوں تو ہم پھر پاگل ہیں اور پاگل کی بات مانی نہیں جاتی۔ قارئین کرام! اس قدر منع کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص مذکورہ ائمہ دین کی تقلید کرتا ہے اور اس کی بات کو حرف آخر سمجھتا ہے، تو ایسے شخص کی ایسی سوچ اور فکر پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ جس کے ساتھ مقلد کو سمجھایا جا سکے۔

اصل علم قرآن وحدیث کا ہے:

قارئین کرام! ائمہ دین نے کبھی بھی اپنی رائے کو قرآن وحدیث کے مقابل پیش نہیں کیا، اور نہ ہی کبھی اپنی سوچ اور فکر کو کوئی حیثیت دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اصل علم قرآن و حدیث کا علم ہے، اس کے سوا باقی تمام علوم مشاغل ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں مشہور اشعار ہیں:

كُلُّ الْعُلُوْمِ سِوَى الْقُرْآنِ مَشْغَلَةٌ
اِلَّا الْحَدِيْثَ وَاِلَّا الْفِقْهَ فِى الدِّيْنِ
اَلْعِلْمُ مَاكَانَ فِيْهِ قَالَ حَدَّثَنَا
وَمَا سِوٰى ذَاكَ وَسَوَسُ الشَّيَاطِيْنِ

''قرآن کے سوا تمام علوم مشغلہ (اپنے آپکو مشغول کرنے کا ذریعہ) ہیں، ہاں حدیث اور فقہ فی الدین (بھی علم ہے)۔ علم تو بس وہی ہے کہ جس میں محدث یہ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، رقم: ٤٤٠٣، سنن ترمذی، رقم: ١٤٢٣، سنن ابن ماجه، رقم: ١٦٦٠، مسند احمد ١/١٤٠، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

کہتا ہے کہ فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی۔ اور اس کے علاوہ وہ جو کچھ ہے، وہ سب شیطان کے وسواس ہیں۔''

قارئین کرام! ان اشعار پر غور فرمایئے کہ ائمہ مجتہدین میں سے ایک عظیم امام اس بات کی صراحت فرما رہے ہیں کہ علم قرآن و حدیث میں فقاہت (فقہ الاسلام) حاصل کرنے کا نام ہے، اور حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا نام ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ اپنے آپ کو مشغول کرنے کا ذریعہ تو ہوگا، لیکن علم نہیں ہوگا کہ جس کے ذریعہ سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور رب کی جنت مقدر بن جاتی ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث کی طرف توجہ دینی چاہیے، اس کے لیے ہی اپنی توانائیاں صرف کرنی چاہیے، کیونکہ یہی اصل ہے اس کے سوا تمام کی تمام چیزیں زائد ہیں یعنی تقلید اور بدعات وغیرہ، جس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقلید اور بدعات جیسی خرافات سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

نبی ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات کو چھوڑا جا سکتا ہے:

قارئین کرام: اصل علم قرآن و حدیث کا علم ہے جو رب کی رضا مندی کا ذریعہ اور سبب ہے۔ اور اس کے ہم پابند ہیں۔ لہٰذا ہماری پوری پوری کوشش ہونی چاہیے۔ قرآن و حدیث کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

((لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ اِلَّا النَّبِيُّ ﷺ .)) [1]

[1] الاحکام، ص ۱٤٥. اس قول کو ابن عبدالہادی نے ارشاد السالك: ۲۲۷/۱ میں امام کی طرف صحیح سند کے ساتھ منسوب کیا ھے لیکن ابن عبدالبر نے الجامع: ۹۱/۲ میں اور ابن حزم نے اُصول الاحکام: ۱٤٥/٦، ۱۷۹ میں اسے حکم بن عتبہ اور مجاہد کے قول کی حیثیت سے روایت کیا ہے اور اسے تقی الدین سبکی نے فتاوی: ۱/۱۴۸ میں ابن عباس کا قول قرار دیا ہے اور اس قول کی خوبی وحسن پر اظہار تعجب کیا ہے اور پھر فرمایا کہ اس قول کو ابن عباس سے مجاہد نے لیا اور ان دونوں سے امام مالک نے لیا اور پھر انہیں سے مشہور ہوا۔

(امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں پھر اس قول کو ان لوگوں سے امام احمد نے لیا چنانچہ امام ابو داؤد نے مسائل الامام احمد، ص: ۲۷٦ میں کہا ہے کہ میں نے امام احمد کو یہ فرماتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسا نہیں، جس کی رائے قبول اور ترک نہ کی جا سکتی ہو۔ دیکھیے: مقدمہ صفة الصلاة للالبانی رحمه الله.

''رسول ﷺ کے علاوہ ہر کسی کے کلام کو رد کیا جا سکتا ہے۔''

اس قول سے معلوم ہوا کہ حدیث رسول ﷺ کے علاوہ تمام اقوال و افعال کو رد کیا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾

(الاعراف : ۳)

''جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ تم اس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ اپنے دوستوں کے پیچھے مت لگو۔''

معلوم ہوا کہ اصل پابندی قرآن وحدیث کی کرنی ہے۔ اسی کے ہم پابند ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا ماننا ضروری نہیں ہے دل کو اچھا لگے یا نہ لگے نہ مانو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن قرآن وحدیث کو غیر مشروط ماننا ضروری ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اوزاعی، امام مالک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں سے ہر ایک کی بات رائے ہے، اور میرے نزدیک سب کا درجہ ایک جیسا ہے حجت محض احادیث و آثار ہیں۔ [1]

۲۱۸ ہجری میں مامون الرشید کے عہد حکومت میں معتزلہ کے باطل عقیدے ''قرآن مخلوق ہے'' پروفیسر ظفر عمر زبیری نے ابن اثیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہودیوں کے یہاں ''خلق توراۃ'' کا مسئلہ پہلے سے موجود تھا۔ [2] یعنی بعض یہودی علما توریت کو خدا کی تخلیق کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنا چاہتے تھے خالق اور تخلیق میں جو فرق ہے اس کو تو انہوں نے توراۃ پر بھی چسپا کیا تھا۔

معتزلہ کے ابتدائی دور میں ایک یہودی عالمہ ظالوت نے مسئلہ خلق قرآن پر ایک کتاب تحریر کی، اور اس نے قرآن مجید کی تخلیقی حیثیت پر زور دیا۔ ابن اثیر کے مطابق مسلمانوں میں

---

[1] جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر ۳/ ۳۹۵.

[2] خلافت بنو عباس، ص: ۳۵۵.

سب سے پہلے مسئلہ خلق قرآن کو اُٹھانے والا یہودی زندیق تھا۔ جس کے اثرات کچھ ہی عرصہ بعد متزلہ نے قبول کیے، اور انہوں نے خلق قرآن کو اپنے مسلک کا بنیادی عقیدہ بنا لیا۔

نیز معتزلہ نے صفات میں عیسائی نظریات کو بھی قبول کر لیا تھا۔ جس عیسائی عالم کی تصنیفات نے معتزلہ کو متاثر کیا، وہ یحیٰی دمشقی تھا، وہ عربی زبان اور علم کلام کا ماہر تھا۔ اس نے اسلام کے مقابلہ میں عیسائیوں کی برتری کے سلسلے میں متعدد کتابیں عربی زبان میں تصنیف کیں اس کی وہ تعلیمات جنہیں بعد میں معتزلہ نے اپنایا وہ یہ تھیں:

۱۔ اللہ صرف خیر ہے اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ وہی کرتا ہے، جس کی ان میں صلاحیتیں ہوتی ہیں۔

۲۔ اللہ کی ذات وصفات کا یقین کرنا ممکن ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بعض صفات کا اطلاق کرتے ہیں مثلاً قدم، حیات، سمع، بصر، ہاتھ وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یحیٰی دمشقی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کوئی نام بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی اسم کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا۔

انسان سے جو فعال سرزد ہوتے ہیں ان کی یحیٰی دمشقی نے دو قسمیں کی ہیں:

۱۔ جبریہ اور ۲۔ افعال اختیاری۔

اس کے نزدیک قضا وقدر کی کارفرمائی، صرف افعال جبریہ تک محدود ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

جو انسان اپنی مرضی سے انجام دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات سے باہر ہیں، انسان کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے یا شیطان کی پیروی کرے۔

اسی طرح یحیٰی دمشقی نے جبر وقدر کی نفی کی اور حریت ارادہ کی تبلیغ کی۔ جب اُموی عہد میں معتزلہ نے یہودی اور عیسائی علما کے اعتقادات کو قبول کر کے ان کی اشاعت شروع کی تو بعض اُموی حکمران مثلاً عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک نے ان پر سختیاں کیں اور ان میں سے بعض کو قتل بھی کروا دیا۔

مامون الرشید نے حکومت کے تمام علما سے منوانے کی کوشش کی تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس خود ساختہ عقیدے کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے جیل میں تازہ، دم جلاد دو کوڑے مار کر پیچھے ہٹ جاتے اور امام موصوف سے پوچھا جاتا ''قرآن مخلوق'' ہے یا غیر مخلوق؟ ہر بار امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی زبان سے ایک ہی جواب نکلتا۔

((أَعطُونِی شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ حَتّٰی اَقُوْلَ بِهٖ.)) ❶

''مجھے اللہ کی کتاب یا سنت رسول ﷺ سے کوئی دلیل لا دو، تو تسلیم کروں گا۔''

مصلحت اور حکمت کا کوئی بھی مشورہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے نہیں ہٹا سکا۔

((اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اعتَصَمْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِیِّهٖ.)) ❷

''میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اللہ کی کتاب اور اسکے نبی ﷺ کی سنت۔''

اس پر پر عمل کرنے سے کوئی روک نہ سکا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کی پوری اُمتِ مسلمہ ہمیشہ کے لیے اس فتنے سے محفوظ ہو گئی۔

اور یہ سب اس وجہ سے ہی ہوا کہ امام موصوف نے قرآن وحدیث کا دامن نہ چھوڑا۔
اور جب بھی اپنی بات منوانے کیلئے زور دیا جاتا۔ فرماتے، کہ کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ

---

❶ الوافی بالوفیات، ۲/ ۳٤۰، سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲٤۸.

❷ مستدرك حاكم: ۱/ ۱۷۱، صحيح الترغيب، رقم: ٤۰، سنن ابی داؤد، كتاب المناسك، باب صفة الحج، رقم: ۱۹۰۵، سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب حجة رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۰۷٤، مؤطا امام مالك، كتاب القدر، باب النهى عن القول بالقدر، رقم: ۳، مسند احمد: ۳/ ۳٦، الارواء الغليل، رقم: ۱۱۲۰، سنن الكبرىٰ للبيهقى: ۱۰/ ۱۱٤، دلائل النبوة: ۵/ ٤٤۹، امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیحین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

کی بات ہے۔ اسی کو ماننا ضروری ہے۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اگر حدیث رسول ﷺ سے مطابقت رکھتا ہوگا تو قبول ہے، ورنہ اس کو رد کر دیا جائے گا۔ اور تمہاری خلق قرآن والی بات قرآن و حدیث کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ لہٰذا میں اس کو کبھی بھی قبول نہیں کروں گا۔ میں تو بس قرآن و حدیث کا ہی پابند ہوں اسی کی پابندی کروں گا۔

قارئین کرام! یہی فکر اور سوچ ہماری ہونی چاہیے۔ جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو سر آنکھوں پر۔ اور جو اس کے خلاف ہو۔ چاہے کہنے یا کرنے والی کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ اس چیز کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

کسی کی تقلید نہ کرو:

جب ہر کسی کی بات کو لیا اور چھوڑا جا سکتا ہے تو پھر تقلید کو اپنے اوپر فرض کیوں کر لیا گیا ہے؟ کیونکہ تقلید تو دوسرے کی بات کو غیر مشروط طور پر لینے کا نام ہے۔ حالانکہ یہ حیثیت صرف اور صرف قرآن و حدیث کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کسی کی تقلید نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ قرآن و حدیث کی ضد ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دین میں کسی کی تقلید نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ یا صحابہ سے ثابت ہے اس پر عمل کرو۔ تابعین کے بارے میں مجھے اختیار ہے۔ ❶

((قَالَ الْإِمَامُ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰه: لَا تُقَلِّدْنِيْ وَلَا تُقَلِّدُ مَالِكاً، وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ، وَلَا الثَّوْرِيَّ، وَخُذْمِنْ حَيْثُ اَخَذُوْا.)) ❷

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ میری تقلید کرو نہ امام مالک کی، نہ امام شافعی کی، نہ امام اوزاعی اور نہ امام ثوری کی، بلکہ دین کے احکام وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے لئے۔ ''یعنی

---

❶ اعلام الموقعين ۱۳۱/۲ مسائل الامام احمد برواية ابی داؤد، ص: ۲۷۶ و ۲۷۷.

❷ عقد الجيد: ۳۳/۱، اعلام الموقعين ۱۳۱/۲. وايقاظ الهمم للغلانی ،ص: ۱۱۳.

کتاب وسنت سے)۔

ایسے ہی تقلید کی مذمت میں امام احمد کا قول ہے:

((من قلة فقه الرجل ان يقلد دينه الرجال)) [1]

”دین میں لوگوں کی تقلید کرنا انسان کی کم عقلی کی دلیل ہے۔“

ان دونوں اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسی لیے امام موصوف تقلید سے منع فرما رہے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بات قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہو تو اس بات کو لیا جا سکتا ہے اور جو اس کے خلاف ہو اس کو ترک کرنا ہی مسلمان کی شان ہے۔

خصوصاً جب بھی تقلید کرنا حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو۔ تو اس وقت تقلید کرنا قطعاً حرام ہوگا، جس سے بچنا از حد ضروری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث کی فضیلت میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

دين النبي محمد اخبار
نعم المطية للفتٰى آثارُ
لا ترغبن عن الحديث وأَهلِهٖ
فالرّايُ ليلٌ والحديثُ نهار
ولربما جهل الفتٰى اثر الهدٰى
والشّمس بازغةٌ لها أنوارُ

❀❀❀❀

[1] اعلام الموقعين ٢/ ١٣١.

باب نمبر:۷

سلف صالحین رحمہم اللہ اور سنت رسول ﷺ

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں آپ نے سنت رسول ﷺ کی اہمیت وحیثیت قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کی۔ اب اسلاف امت کے ہاں سنت کا کیا مقام ہے۔اس کا بھی مشاہدہ کر لیجئے۔ تاکہ تقلیدی ذہن رکھنے والے بھائی غور وفکر کریں کہ جن حضرات کی ہم تقلید کرتے ہیں۔ اور سنت کے صحیح ہونے کیلئے ان کی منظوری ضروری سمجھتے ہیں ان کے اپنے ہاں سنت کا کیا مقام ہے اور بدعات وخرافات اپنانے والوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ اسلاف ''سنت'' کس کو کہتے ہیں اور اسے کیا مقام دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کا کسی کام کو نہ کرنا بھی سنت ہے:

ا۔امام جمال الدین المحدث فرماتے ہیں،

((تَرْكُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَّتُهُ كَمَا أَنَّ فِعْلَهُ سُنَّتُهُ .))❶

''رسول اللہ ﷺ کا کسی چیز اور کام کو ترک کرنا بھی سنت ہے، جیسا کہ آپ کا فعل سنت ہے۔''

غور فرمایئے! آپ ﷺ کا کسی کام کو نہ کرنا بھی سنت ہے، یعنی جس کام کو آپ ﷺ نے نہیں کیا سنت یہ ہے کہ اس کام کو ہرگز نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر اس کام میں خیر ہوتی کہ جس کو آپ ﷺ نے نہیں کیا۔تو پھر آپ ﷺ اس کو ضرور کرتے۔ ایسا ممکن نہیں کہ کسی کام میں خیر ہو اور آپ ﷺ اس کو کر نہ سکیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ایسا کبھی ہوسکتا ہی نہیں تھا۔اگر اعراض کیا جائے کہ آپ کو خیال نہ رہا ہوگا یا آپ ﷺ

---

❶ الجنه، ص: ١٤٣.

بھول گئے ہوں گے۔ بالفرض اگر اس کو مان بھی لیا جائے معاذ اللہ! اگر رسول ﷺ بھول گئے تھے تو رسول ﷺ کا رب تو نہیں بھولا تھا۔ وہ تو رسول ﷺ کو یاد دلا دیتا۔ یقیناً اس میں خیر ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ایسے کاموں کو چھوڑنا ہی چاہیے۔ کیونکہ اس کے چھوڑنے میں ہی بہتری ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ جی ٹھیک ہے اس کام کو رسول ﷺ نے نہیں کیا، لیکن اس میں برائی کیا ہے؟ اس میں حرج کیا ہے؟ کہاں نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے؟

حدیث آ جائے تو رائے چھوڑ دو:

حدیث رسول ﷺ کو ہمارے اسلاف ہر حال میں مقدم رکھتے تھے۔ اور حدیث کے مقابلہ میں رائے اور اپنی فکر کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ بلکہ حدیث کے آ جانے کے بعد اس فکر اور سوچ کو ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ امام زفر رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید بیان کرتے ہیں:

((إِنَّمَا نَاخُذُ بِالرَّأْيِ إِذَا لَمْ نَجِدِ الْأَثْرَ فَإِذَا جَاءَ الْأَثْرُ، تَرَكْنَا الرَّأْيَ وَنَعْمَلُ بِالْأَثْرِ.)) ❶

''ہم رائے پر اس وقت عمل کرتے ہیں۔ جب ہمیں حدیث نہیں ملتی جب مل جائے تو ہم رائے کو چھوڑ کر اثر (حدیث رسول ﷺ) پر عمل کرتے ہیں۔''

غور فرمائیں کہ اسلاف تو رائے پر اس وقت عمل کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث رسول معلوم نہ ہوتی تھی۔ جیسے ہی معلوم ہو جاتی تو رائے اور اپنی سوچ کو ترک کر دیتے۔

وہ تو صرف قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے اور اسی کی تلقین اپنے شاگردوں کو کرتے۔ چنانچہ سیدنا ابوسلمہ نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ نہ دیا کرو، فتویٰ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا سہارا لیا کرو۔ ❷

---

❶ لسان المیزان، ۱/ ۲۸۰.

❷ سنن دارمی رقم: ۱۶۲.

یہ قول بھی اسی بات کو واضح کر رہا ہے کہ فتویٰ اور مسئلہ اپنی عقل اور سوچ سے نہیں بتانا چاہیے، بلکہ حدیث رسول ﷺ اور قرآن سے بتانا چاہیے کیونکہ یہی اصل ہیں۔ یہی کامیابی ہے اس کے ہم پابند ہیں۔ لہٰذا اس کی فکر کریں۔ دوسری چیزوں کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب وہ اصل بھی نہیں اور ہم ان کے پابند بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو چھوڑنے میں ہی فائدہ ہے۔ اللہ ہم کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کسی کی ہر بات نہیں مانی جاسکتی:

اسلاف کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ کسی بھی شخص کی ہر بات نہیں مانی جا سکتی۔ کیونکہ کسی بھی شخص کے مکمل طور پر غلطی سے محفوظ ہونے کی کوئی ضمانت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دنیا میں ہر شخص غلطی کرسکتا ہے جب غلطی سے بچنے کی ضمانت نہیں تو بغیر دلیل بات کیسے مانی جا سکتی ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام اقوال کو قبول کرلوں، کیونکہ تقلید تو متعصب اور بے وقوف کا کام ہے۔ [1]

اور اس میں کسی شخص کو متعین نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ مسلمان پر واجب نہیں کہ وہ کسی ایک شخص کی ہر بات میں تقلید کرے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی شخص کے مذہب کو اپنے اوپر لازم کرلیا جائے اور اس کے ہر قول وعمل کو واجب سمجھ لیا جائے۔ دنیا میں تمام اقوال کو رد کیا جاسکتا ہے اگر کسی کو یہ شرف حاصل ہے، تو وہ صرف رسول ﷺ ہیں کہ ان کے قول وعمل کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ ابن کثیر)

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ (شاگرد خاص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَهُوَ مَاخُوْذٌ مِنْ كَلَامِهِ وَمَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ، اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.))

''رسول کریم ﷺ کے سوا ہر شخص کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی

[1] الایقاظ، ص: ٥٢.

ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہر بات تسلیم کی جائے گی۔''

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا یہ استدلال قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾

''وہ (رسول) اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا، بلکہ وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔ جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔'' [1]

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ جو بیہقی زمان مشہور ہیں رقمطراز ہیں: جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی ایک کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کی ہر بات درست اور واجب الاتباع ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے۔ [2]

قارئین کرام! مذکورہ اقوال پر غور فرمائیں تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام کے تمام اسلاف کسی بھی شخص کی تقلید کلی کی نفی فرما رہے ہیں اور ہمیں متنبہ کر رہے ہیں کہ تقلید تو بس جہلا اور گمراہ لوگوں کا کام ہے۔ لیکن جو صاحب شعور اور صاحب عقل لوگ ہیں۔ وہ ایسی تقلید کیلئے قطعاً تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ غیر مشروط اتباع صرف اور صرف اسلام کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ جو کچھ بھی کہتے ہیں کرتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور اللہ ہر قسم کی خطا و نسیان سے پاک ہے، سو جب وہ پاک ہے۔ تو اپنے رسول ﷺ کو بھی خطا و نسیان سے بچائے گا۔ اسی لیے اپنے رسول ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اے پیغمبر! آپ ﷺ تو لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔''

کیونکہ آپ ﷺ کی رہنمائی آپ ﷺ کا رب کرتا ہے، یہ ضمانت صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کیلئے ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے۔ جب نہیں ہے۔ تو پھر کسی بھی شخص کی ہر بات کو کیسے مانا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں مانا جا سکتا۔ اگر کوئی مانے گا تو یقیناً

---

[1] حجة الله البالغه، ص: ١٤٩.

[2] تفسير مظهرى طريق محمدى، ص: ١٥٩.

راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔ جیسا کہ مذکورہ اقوال اسلاف سے واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے بچائے۔ (آمین یا رب اللعالمین)

دلیل جانے بغیر کوئی فتویٰ نہ دے:

اسلاف کے نزدیک سنت کا یہ مقام بھی ہے کہ سنت رسول ﷺ ہی اصل ہے۔ جب تک قرآن وحدیث سے دلیل نہ مل جائے۔ اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام یوسف شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((إِنَّـهُ لَايَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يُفْتِيَ بِقَوْلِنَا مَالَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ قُلْنَا.)) [1]

''کسی کو جائز نہیں کہ وہ بغیر دلیل کے ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے ہمارے فتویٰ کے ماخذ کا علم نہ ہو۔''

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ نہ دیا کرو فتویٰ کے لیے صرف اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا سہارا لیا کرو۔ [2]

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ مذکورہ دونوں قول بہت ہی بزرگ علماء کرام کے ہیں جو کہ اپنے وقت کے امام تھے۔ وہ دونوں ہی اس بات کی تلقین فرما رہے ہیں کہ فتویٰ قرآن و حدیث کی دلیل پر ہی دینا چاہیے۔ کیونکہ یہی اصل ہے۔ اور اس سے باہر نکلنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر غور وفکر اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تقلید ضروری نہیں ہے:

کیونکہ تقلید ایک زائد چیز ہے۔ جو کہ دین اسلام میں داخل کی گئی ہے، جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، جب تقلید

---

[1] طريق محمدی ص: ٩٣، مقلدین آئمہ کی عدالت میں، ص: ١٢٠.

[2] سنن دارمی، رقم: ١٦٥.

دین ہی نہیں ہے تو پھر تقلید ضروری کیوں کر ہو سکتی ہے، چنانچہ فرمایا:

((ومن المعلوم ان اللّٰه سبحانه و تعالىٰ ماكلف احدًا ان يكون حنيفاً اومالكياً اوحنبليا كلفهم ان يعملوا بالكتاب والسنة ان كانوا علماء او يلموا العلماء وان كانوا جهلاً.)) ❶

''یہ بات حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو حنفی، مالکی، شافعی اور حنفی بننے کا مکلّف نہیں بنایا، بلکہ تمام پر کتاب وسنت پر عمل کرنا واجب ہے۔ خواہ وہ علما ہوں یا مقلد ہوں یا جاہل ہوں۔''

اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ اللہ نے کسی کو بھی مالکی شافعی حنفی اور حنبلی بننے کا پابند نہیں کیا۔ پتہ نہیں، لوگوں نے خود ہی تقلید کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ان تقلیدی مذاہب کی طرف کیوں منسوب کر لیا ہے اور اپنے آپ کو ان کا پابند بنا لیا ہے، حالانکہ دین اسلام نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ نہ ہی اماموں نے کسی کی تقلید کی اور نہ ہی انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ علامہ عابد سندھی حنفی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وُجُوْبُ تَقْلِيْدِ مُجْتَهِدٍ لَا حُجَّةَ عَلَيْهِ ، لَامِنْ جِهَةِ شَرِيْعَةٍ ، وَلَا مِنْ جِهَةِ الْعَقْلِ .)) ❷

''کسی ایک مجتہد کی تقلید نہ شریعت میں واجب ہے، اور نہ ہی عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔''

الٰہی دے اثر ایسا میری بیتابیِ دل میں
چلے آئیں کلیجہ تھام کر وہ میری محفل میں

امام شوکانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

---

❶ معيار الحق، ص ۱۳۳.

❷ عين العلم منقول از معيار الحق، ص: ۳۳۱.

((إِنَّ ثُبُوْتَ حُجِيّةِ السُّنَةِ الْمُطَهَرَّةِ ، وَاسْتِقْلَالَهَا بِتَشْرِيْعِ الْأَحْكَامِ ضَرُوْرَةٌ دِيْنِيَّةٌ وَلَا يُخَالِفُ فِيْ ذٰلِكَ ، إِلَّا مَنْ لَّا حَظَّ لَهُ فِي دِيْنِ الْإِسْلَامِ .))❶

''سنت مطہرہ کی حجیت کا ثبوت اور تشریع احکام میں اسی کی مستقل حیثیت ایک اہم دینی ضرورت ہے اور اس کا مخالف وہی شخص ہے۔ جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''

نیز فرماتے ہیں:

((فلا دليل على وجوب التقليد المعين بالذات نفيسه ذٰك قولاً و شرعاً .))❷

''تقلید شخصی کے وجوب پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔''

قارئین کرام! یہ تمام کے تمام اقوال اسلاف تقلید کی نفی کرتے ہیں کہ تقلید دین میں ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تقلید کو دین میں ثابت کرسکتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی جتن کیوں نہ کر لے۔ بعض لوگ قرآن حکیم کی آیات اور من گھڑت احادیث سے غلط استدلال کرکے لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے رہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین محدثین آئمہ کرام رحمہم اللہ کو تو ان آیات اور احادیث کا پتہ نہ چل سکا اب انہیں پتہ چل گیا ہے اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ لوگوں سے محفوظ فرمائے۔ اس کے باوجود اگر کوئی تقلید کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالتا ہے اور اپنے آپ کو کسی کی تقلید کا ضروری طور پر پابند کرتا ہے۔ تو یقیناً یہ احمقانہ قدم ہے ایک ایسے کام کے لئے اپنے آپ کو پابند کرنا ہے جو کہ کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے۔ اور یقیناً خیر اور بھلائی تو صرف کتاب وسنت کی اتباع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

---

❶ ارشاد الفحول، ص ۳۳.

❷ فتح القدير، ۳/۳٤۷.

تقلید حرام ہے:

قارئین کرام، چونکہ تقلید دین سے ثابت نہیں اور نہ ہی قرآن وحدیث سے اس کا کوئی تعلق ہے، یقیناً جس چیز کا تعلق قرآن وحدیث سے نہ ہو تو وہ قطعاً ناجائز اور حرام ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ محدث دہلوی درج ذیل آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۲)

''خبردار، باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔''

جس طرح غیر اللہ کی عبادت مطلقاً شرک ہے، اسی طرح غیر اللہ کی اطاعت بلا شبہ کفر ہے۔ اطاعت بلا استقلال کے یہ معنی ہیں کہ تبلیغ احکام میں تقلید کے پٹہ کو گردن میں ڈال لیا جائے، اور اللہ کی مخالفت کے باوجود تقلید کو قابل عمل سمجھا جائے، اور یہ قسم اہل کتاب کی اپنے علماء اور عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنانے سے ملتی جلتی ہے۔ [1]

اس عبارت پر غور فرمایئے کہ جو شخص تقلید کو ہی حرف آخر سمجھتا ہے تو وہ یقیناً حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے۔ جو کہ شرک کے برابر بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے، انہوں نے اپنے درویشوں اور مولویوں کو اپنا رب بنا لیا تھا۔

جب عدی بن حاتم مسلمان ہو کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے آیۃ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۳۱) آپ ﷺ نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا ایسا نہیں تھا کہ جس کو تمہارے علما حلال یا حرام کرتے تو تم اسی کو حرام اور حلال مانتے تھے۔ [2] انہوں نے جواب دیا: ہاں۔

آپ نے فرمایا یہی تو رب بنانا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے حلال یا حرام کا حکم دینا یا اس سے روکنا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس کے علاہ کسی کا نہیں ہے، لیکن تقلید کرنے

---

[1] مقلدین ائمہ کی عدالت میں، ص: ۱۳۲.

[2] سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ التوبہ، رقم: ۳۰۹۵. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

والا اپنے امام کو یہ سارے اختیارات دے کر اپنے آپ کو شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے، اسی وجہ سے تقلید حرام ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی کا قول بغیر دلیل کے سوائے رسول اللہ کے اختیار کرے۔ [1]

امام ابن حزم مزید فرماتے ہیں: ''تمام فقہانے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے اور تقلید کرنے والوں کی مخالفت کی ہے، کیا وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کو چھوڑ کر فقہا کی تقلید کی جاتی ہے، اگر تقلید جائز ہوتی تو عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر ابن عباس اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین زیادہ حق دار تھے۔ کہ ان کی تقلید کی جاتی۔ [2]

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ (شاگرد خاص امام ابوحنیفہ) فرماتے ہیں:

((وَلَوْجَازَ التَّقْلِيْدُ كَانَ مَنْ قَضٰى مِنْ قَبْلِ أَبِى حَنِيْفَةَ مِثْلُ الْحَسَنِ الْبَصرِيِّ وَاِبْرَاهِيْمَ النَخْعِيِّ أَحْرَى أَنْ يُقَلَّدُوْا .)) [3]

''اگر تقلید جائز ہوتی تو جو ابوحنیفہ سے پہلے گزر چکے ہیں جیسے حسن بصری ابراہیم نخعی (استاد امام ابوحنیفہ) زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔''

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو صحیح
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

قارئین! مذکورہ بالا تمام اقوال تقلید شخصی کی برائی پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ تقلید شرک تک بھی پہنچاتی ہے، لہٰذا اس تقلید جیسی لعنت سے بچنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

محبت کا تقاضا بس آپ ﷺ کی حدیث کو ماننا ہے:

قارئین کرام! اسلاف سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت عین ایمان ہے اس محبت

[1] مقلدین آئمہ کی عدالت میں، ص: ۱۳٤.
[2] عقد الجید، ص: ٦٠.
[3] علامه سرخسی ۲۸/۱.

کا تقاضا بس یہی ہے کہ رسول ﷺ کی سنت کو اپنایا جائے اور حدیث کو مانا جائے جب ایسا ہونے لگ جائے گا تو تقلید خود بخود مٹ جائے گی۔ جیسا کہ۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نبی آخر الزمان ﷺ کی سنت (حدیث) کی نصرت و تائید کرنا، آپ علیہ السلام پر نازل کردہ شریعت کا دفاع کرنا اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے وقت آپ ﷺ پر جان و مال فدا کرنے کی غرض سے موجود ہونے کی تمنا کرنا نبی محترم ﷺ کی محبت میں سے ہے۔ ❶

اس قول پر غور فرمایئے۔ تو معلوم ہوگا کہ قاضی یہ فرمانا چاہتے ہیں کے ہر مسلمان کی محنت اور کوشش کا محور بس رسول اللہ کی سنت کی تائید و نصرت ہونی چاہیے۔ یقیناً ایسا اس وقت ہوگا جب رسول اللہ کی سنت کو اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں پیش نظر رکھے گا اور اپنانے کی خوب کوشش کرے گا۔

غیر مشروط اتباع آپ ﷺ کی ضروری ہے:

قارئین کرام! حدیث رسول اللہ ﷺ کو اپنانا آپ ﷺ سے محبت کی دلیل ہے اور محبت ضروری بھی ہے، اور ایمان بھی اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسی صورت میں سنت رسول کو ہر حال میں اپنانا چاہیے اور اس کیلئے کسی بھی قسم کی کوئی شرط قطعاً ضلالت اور گمراہی ہو گی۔ اور دین کو مطعون کرنے کی ناکام کوشش بھی ہے۔

امام عبدالبر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((وَقَدْ أَمَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِطَاعَتِهِ وَاتِبَاعِهِ أَمْرًا مُّطْلَقاً مُّحْمَلاً وَّلَمْ يُقَيِّدْ بِشَيءٍ وَّلَمْ يَقُلْ مَاوَافَقَ كِتَابَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الزَّيْغِ .)) ❷

---

❶ نسیم الریاض شرح الشفا لقاضی عیاض: ۵۱۴/۳.

❷ جامع بیان العلم و فصله ۱۹۰/۲.

’’اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت کا مطلقاً حکم فرمایا، اور اسے کسی چیز سے مقید نہیں کیا ہے، اور اللہ نے یہ بھی نہیں کیا کہ نبی ﷺ کی بات تم اس وقت مانو جب وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو جس طرح کہ بعض کج رو کہتے ہیں۔‘‘

اس قول سے امام صاحب رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں جو قرآن و حدیث میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کو قرآن کے خلاف قرار دے کر رد کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ منکرین حدیث کا طرۂ امتیاز ہے۔

اور حدیث کو قبول کرنے کیلئے قرآن و حدیث ایک دوسرے کے موافق اور لازم وملزوم ہیں تو شرط کیوں لگاتے ہیں؟ یہ شرط لگانے کا اصل مقصد حدیث کو مشکوک اور کمزور کرنا ہے۔

تا کہ لوگ حدیث سے کنارہ کش ہو جائیں اور ان کے دل و دماغ میں حدیث کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں اور دین کی عمارت ایک دم زمین بوس ہو جائے، چنانچہ الشیخ عبدالجبار عمر پوری رحمہ اللہ منکرین حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

کفار ومشرکین یہود نصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال لائق بیان نہیں، کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول ﷺ سے منحرف اور ضروریات دین سے برگشتہ ہیں۔لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو صحیح کہتے ہیں اور بایں ہمہ اسلام کے اجزا اور ارکان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔(عظمت اسلام الشیخ عبدلغفار حسن رحمہ اللہ)

اور اس کی سب سے خطرناک صورت یہ ہے کہ حدیث کو مشکوک بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور ایسی شروط و قیود کا تذکرہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ میں شبہات بھی پیدا ہوں اور لوگ ہماری شروط کو قبول بھی کرلیں۔ یہ اصل مقصد ہے وگرنہ ان کا مقصد کوئی دین کی خدمت کرنا نہیں ہے، اس لیے کہ دین کی خدمت شکوک وشبہات کے پیدا کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ دین کی خدمت صرف اور صرف رسول اللہ کی سنت مبارکہ مطہرہ کو غیر مشروط اپنانے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے

آمین یارب العالمین۔

حدیث ہی حقیقی دین ہے:

قارئین کرام! حدیث رسول ﷺ کو غیر مشروط طور پر اپنانا لازم ہے، کیونکہ قرآن و حدیث ہی اصل دین ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بس قیل وقال (ادھر اُدھر کی باتیں) ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے چنانچہ انس بن سیرین رحمہ اللہ احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔علی بن ابی طالب کا قول ہے:

((انظروا عمن تاخذون هذا العلم فانما هو الدين .)) ❶

''جس سے علم حاصل کرتے ہو، ان کی جانچ پڑتال کرو، کیونکہ یہ دین ہے۔''

((إِتَّقُوا اللّٰهَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! وَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثَ فَإِنَّهَا دِيْنُكُمْ .)) ❷

''اے نوجوانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور جن سے احادیث لیتے ہو ان کے بارے میں چھان پھٹک کرو، کیونکہ یہ تمہارا دین ہے۔''

غور فرمایئے! انس بن سیرین اپنے شاگردوں کو تلقین فرما رہے ہیں کہ حدیث کی دیکھ بھال کر لیا کرو۔ یعنی یہ دیکھا کرو کہ تمہیں حدیث کون بیان کر رہا ہے۔ اس کی اچھی طرح معلومات کیا کرو۔ کیونکہ یہ حدیث معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تمہارا دین ہے کہ جس کے مطابق زندگی گزارنے کے تم سب پابند ہو۔ لہٰذا جب حدیث لو تو دیکھو کہ حدیث کون بیان کر رہا ہے کہیں کوئی منافق و زندیق تمہیں دھوکہ نہ دے جائے۔ اور اس دین میں فتنہ کا سبب نہ بن جائے۔ کیونکہ حدیث ہی دین ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی قرآن حکیم سے حدیث رسول ﷺ کا تعلق بتاتے ہوئے

---

❶ الکفایه فی علم الروایه، رقم: ۱۲۱۸. اسی طرح کی ایک روایت محمد بن سیرین سے مقدمه صحیح مسلم، باب بیان ان الاسناد من الدین، رقم: ۲۶ میں بھی منقول ہے۔

❷ کتاب الکفایه فی علم الروایة ص: ۱۶۲.

فرماتے ہیں۔

علم القرآن اگر اسلامی ہی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی ۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء کو دل تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔(تدوین حدیث تعارف از سید سلیمان ندوی)

اندازہ کیجیے! ندوی صاحب نے کس خوبصورت انداز سے قرآن وحدیث کے تعلق کو سمجھایا ہے کہ قرآن کا علم دل کی حیثیت رکھتا ہے تو حدیث رسول ﷺ شہ رگ ہے۔یعنی دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں، جس طرح دل اور شہ رگ کا رشتہ ضروری ہے اس لیے کہ انسان ان دونوں اعضا کی وجہ سے زندہ ہے۔ان دونوں میں سے اگر کسی ایک کو بھی ختم کر دیا جائے تو انسان باقی نہیں رہے گا۔انسان دل کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی شہ رگ کے بغیر، بس اسی طرح دین نہ تو قرآن کے بغیر سلامت رہے گا اور نہ ہی حدیث رسول ﷺ کے بغیر، ان دونوں کی دین میں حیثیت رہتی ہے جو انسانی جسم میں دل اور شہ رگ کی، چونکہ قرآن وحدیث میں بقا ہے دین کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونو ں کو آپ ﷺ کے قول کو عمل وفعل کی شرعی شکل میں بھی محفوظ فرمایا۔ چنانچہ مولانا حکیم محمد صادق اپنی کتاب سبیل الرسول ﷺ میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، سنت، حدیث، سیرت، اسوہ، اخلاق اور کردار ہی سبیل رسول ﷺ ہے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا اور زندگی بھر کر کے دکھایا، یہی حضور ﷺ کی راہ ہے سنت کی شمعیں ، حدیث کے چراغ، سیرت کی قندیلیں، اسوہ حسنہ کے فانوس، عادات واخلاق اور کردار کے اجالے بہشت بریں کی راہ کو روشن کر رہے ہیں، پتہ دے رہے ہیں کہ ہادی عالم ﷺ اسی راہ سے گزرے ہیں۔(سبیل الرسول ﷺ ص:۴۰)

جنت الفردوس کی اسی بہار یعنی حدیث رسول ﷺ کو حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں، کیونکہ یہی حقیقی کامیابی ہے اور اس کامیابی تک پہنچانے والی سنت رسول ﷺ ہی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى ، قِيْلَ: وَمَنْ أَبَى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى .))[1]

''کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی، سوائے ان کے جنہوں نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ پوچھا گیا وہ کون ہے؟ جو انکار کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی تو حقیقت میں وہ جنت میں جانے سے انکاری ہے۔''

اے اللہ کے بندو! صرف سنت رسول ﷺ سے ہی محبت کرو کیونکہ یہی جنت الفردوس میں لے جانے والی۔ یہی حقیقی دین ہے، اس کے بارے میں ہم سے قبر میں سوال ہونا ہے اس کے ہم پابند ہیں، اس کے علاوہ سب کچھ بے کار ہے کوئی چیز ہمارے لیے لازم نہیں ہے، لہٰذا بدعات وخرافات اور تقلید وجمود سے باز آجائیں۔ کیونکہ یہ بربادی کی راہیں ہیں۔ اسی راستے پر چلنے والا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے ہمارے اسلاف نے صرف اور صرف سنت رسول ﷺ کو سینے سے لگایا۔ اور ہر قسم کی خرافات سے اپنے آپ کو بچایا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی بشارتیں دیں انہیں دنیا میں بھی کامیاب کیا اور آخرت میں بھی بڑے بڑے انعام ان کے لیے تیار رکھے ہیں۔

ایسا بس سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عہد کر لیجئے کہ بس سنت رسول ﷺ پر ہی عمل ہوگا جو آپ ﷺ نے کیا وہ ہم ضرور کریں گے جو آپ ﷺ نے نہیں کیا۔ چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اور ساری دنیا اس کو کرنے پر بضد کیوں نہ ہو۔ اس کے باوجود ہم اس کے قریب نہ جائیں گے۔

اور اس کام کے برا ہونے کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو رسول ﷺ نے نہیں

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلی علیه وسلم، رقم: ۷۲۸۰ و احمد: ۲۶۱/۳.

کیا۔ جو کیا ہے، ضرور کریں گے اور جو نہیں کیا، نہیں کریں گے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔
بقول شاعر:

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرمیدان مگر جھکی تو نہیں

بس اسی جذبہ اور اطاعت رسول ﷺ میں ہی کامیابی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں شمع سنت رسالت بنائے۔

(آمین)

❀❀❀❀

باب نمبر:۸

حدیث اور محدثین

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

حدیثِ رسول ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کا نام ہے۔ اور محدثین اس مبارک گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جنہوں نے انتہائی محنت اور تگ و دو کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو محفوظ کیا اور ان کو ہر قسم کے تغیر وتبدل سے بچایا۔ حدیث رسول ﷺ کو جمع اور محفوظ کرنے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے سے الگ کرنے میں جس قدر جانفشانی اس مبارک گروہ نے کی ہے، اس کی مثال دوسرے کسی دین و مذہب میں دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ اور یہ انہی کی محنت اور کوشش و کاوش کا نتیجہ ہے، آج ہمیں حدیث رسول ﷺ بالکل اپنی اصل حالت میں ملی ہے، جس پر ہم عمل کر کے دنیا اور آخرت کی سعادتوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ محدثین کے انہی احسانات کا تقاضا ہے کہ ان کا ذکر خیر کر کے ان کو خراج تحسین پیش کیا جائے ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهِ .)) [1]

”جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا۔“

لہٰذا ہمیں ضروری طور پر ان محدثین کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے اور ان کے لیے

---

[1] مسند احمد: ۲۵۸/۲، سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، رقم: ۱۹۰۰، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم: ٤٨١١، الادب المفرد، رقم: ۳۲۰، صحیح ابن حبان، رقم: ۲۰۷۰. سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم: ٤١٦.

دعائیں بھی کرنی چاہیے اور ان کے لیے عقیدت و محبت اور احترام کے جذبات بھی رکھنے چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ مبارک سے ہمیں معلوم ہو رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

((نَضَرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَحْفَظُ لَهُ مِنْ سَامِعٍ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے کہ جس نے ہماری کسی حدیث کو سن کر اس کو اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو (آگے) حدیث بیان کی گئی ہے وہ سامع (سننے والے) سے زیادہ یاد محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں۔''

کسی شاعر کی زبانی:

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ رسول مکرم علیہ السلام اس مبارک گروہ کے لیے دعائیں فرما رہے ہیں: جو حدیث رسول ﷺ کو یاد کرنے والا ہے۔ کیونکہ دین پہنچانے میں یہ رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے بھی ظاہر ہو رہا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں بھی اس چیز کی صراحت فرمائی۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، فَاِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَا بِحَظٍّ وافِرٍ .)) ❷

---

❶ مسند احمد: ۴۳۶/۱، صحیح ابن ماجه، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ۱۸۹، صحیح سنن ترمذی، رقم: ۲۶۵۷.

❷ سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب الحث على طلب العلم ،رقم: ۳۶۴۱، سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه على العبادة ، رقم: ۲۶۸۲، صحيح الجامع الصغير: ۶۲۹۷.

''علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء کرام نے دینار ودرہم کی وراثت نہیں چھوڑی ان کی وراثت تو بس علم ہے۔ تو جس نے بھی اس کو حاصل کیا تو اس نے تو بہت ہی زیادہ (خیر وبرکت کو) حاصل کرلیا۔''

اس حدیث نے واضح کیا کہ علما انبیاء کرام کے وارث ہیں اور وارث انتہائی قریبی ہوتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ علماء کرام اور محدثین یہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی قریبی ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی رسول ﷺ کی وراثت حدیث کو حاصل کیا ہے۔ اس کو حفظ کیا ہے اس کو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک رکھا ہے۔ کھرا اور کھوٹا الگ الگ کرکے دکھایا ہے اور اسی حدیث کے حصول کے لیے دور دراز کے سفر کیے ہیں۔ بھوک اور پیاس اور محنت ومشقت کو برداشت کیا ہے، الغرض ہر قسم کی مشکل کو سینے سے لگایا، تاکہ حدیث رسول ﷺ اپنی اصل شکل میں ہی حاصل ہوجائے پھر اس کے بعد محفوظ بھی رہے۔

قارئین کرام! ان خدمات کا اعتراف صرف جذبات کی حد تک نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف ہر صاحب عقل وشعور کرتا ہے۔ چاہے اس کا تعلق مسلم دنیا سے ہو یا غیر مسلم دنیا سے۔ لیکن شرط عقل وشعور کی ہے وگرنہ بے شعور قسم کے لوگ تو ان خدمات کو توانائیوں کا ضیاع قرار دیں گے۔ جیسے پرویز اور اس کے حواری کہ جن کے نزدیک محدثین کی یہ کوشش کوئی اہمیت نہیں رکھتی، یہی وجہ ہے کہ اس نے خدمات کا انکار کرتے ہوئے حدیث رسول ﷺ کو رد کردیا ہے۔ مشہور مستشرق گولٹ سیر کے بقول:

محدثین نے حدیث رسول ﷺ کو جمع کرنے کے لیے اسلامی دنیا کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے اندلس سے وسط ایشیا تک، شہر شہر، گاؤں گاؤں کا پیدل سفر کیا تاکہ دوسروں تک حدیث منتقل کرسکیں، اس زمانہ میں حدیث جمع کرنے کی اس سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد صورت نہ تھی، رَحَّال (زیادہ سفر کرنے والے) اور جَوَّال (زیادہ سیاحت کرنے والے) کے قابل فخر القاب دراصل ان بلند پایہ لوگوں سے کبھی جدا نہیں ہوئے، راہِ علم کے مسافروں کے لیے ''طَوَّافُ الْأَقَالِیمْ'' ملکوں کا دورہ کرنے والے نہ کبھی استعارہ پر مبنی ہے اور

نہ اس میں کسی طرح کا مبالغہ ہے، ان لوگوں نے تمام ملکوں کا سفر محض سیر و تفریح یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ان کا مقصد صرف حدیث کے جاننے والوں سے ملنا اور ان سے حدیثیں حاصل کرنا تھا۔ حدیث کی طلب وجستجو میں ان کی مثال اس چڑیا کی تھی جو ہر درخت پر اس کی پتیوں سے غذا حاصل کرنے کے لیے بیٹھتی ہے۔''

(Golg Zdbar, kusldk sturdeg Vol11, Page Mo.165-166)

قارئین کرام! غیر مسلم بھی اس چیز کا معترف ہے کہ محدثین کی کوششوں کا محور بس حدیث رسول ﷺ کو اکٹھا اور محفوظ کرنا تھا، اس کے سوا کچھ نہ تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ علم صرف اور صرف قرآن و حدیث کا نام ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے فضولیات ہیں کہ جن سے بچنا اور بچانا ہی بہتر ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، اس خط کے دونوں طرف آپ ﷺ نے کچھ خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ایسے راستے ہیں کہ جن میں سے ہر راستے کے اوپر شیطان بیٹھا ہے۔ اور وہ لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے، پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''کہ بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس کی پیروی کرو دوسرے راستوں کے پیچھے مت لگو وہ راستے تمہیں سیدھے راستہ سے دور کر دیں گے۔'' [1]

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے سوا سب کچھ گمراہی ہے، جس پر چلنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، لہٰذا تمام چیزوں سے منہ موڑ کر صرف اور صرف قرآن و حدیث سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہیے۔

یہی وجہ تھی کہ محدثین نے اپنی تمام کوششوں اور کاوشوں کا محور حدیث رسول ﷺ کو

---

[1] دارمی، مقدمه، باب فی كراهية اخذ الرأى، رقم: ۲۰۸، سنن ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم: ۱۱۔ مسند احمد، ۱/ ۴۳۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

بنایا اور اس کے لیے بے پناہ تکالیف اٹھا کر حدیث رسول ﷺ کے لیے انتہائی گرانقدر خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق میں ماہ تاباں کی طرح چمکتی رہیں گی اور طالبین حق کے لیے ہمیشہ ہمت وحوصلہ اور رہنمائی کا سبب بنتی رہیں گی۔

قارئین کرام! اب ہم چند محدثین کی خدمات کو بطور نمونہ مختصراً آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ محدثین کی کوششوں و کاوشوں کا ہمیں کچھ اندازہ ہو سکے اور ہمارے ایمان کو اس سے تازگی میسر آئے کیونکہ یہی کامیابی کا راز ہے۔ واللہ ولی التوفیق

امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کے مختصر حالات زندگی

سلسلۂ نسب:

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن مروزبہ بردزبہ البخاری الجعفی۔

امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ بخارا میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

تعلیم وتربیت:

امام بخاری رحمہ اللہ کے والد محترم جناب اسماعیل بلند پایا عالم دین تھے، ان کی وفات کے بعد یقیناً تعلیم وتربیت کافی مشکل تھی۔ لیکن ان کی والدہ محترمہ نے اس کام کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے بخوبی سرانجام دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے حفظ حدیث کا بے حد شوق تھا، ایسا لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے امام موصوف کو حدیث کے لیے ہی پیدا فرمایا ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ نے دس سال کی عمر میں مدرسہ چھوڑ دیا اور اپنے زمانے کے مشہور محدث داخلی رحمہ اللہ کے درس میں شریک ہونے لگے۔ اپنے معمول کے مطابق ایک مرتبہ داخلی رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک سند یوں بیان کی۔

سفیان عن أبی الزبیر عن ابراہیم امام بخاری رحمہ اللہ نے فوراً ٹوکا اور عرض کی کہ ابوالزبیر

ابراہیم سے روایت نہیں کرتے، پہلے تو داخلی رحمہ اللہ نے بچہ سمجھ کر جھڑک دیا پھر جا کر اپنی اصل کتاب سے مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری جو کہہ رہے تھے وہی صحیح تھا۔ داخلی رحمہ اللہ نے واپس آ کر پوچھا کہ بیٹا تم بتاؤ کہ یہ سند صحیح کیسے ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم سے روایت کرنے والے زبیر ہیں، یہ عدی کے بیٹے ہیں نہ کہ ابوالزبیر، داخلی رحمہ اللہ نے فرمایا جو تم نے بیان کیا ہے، وہی ٹھیک ہے۔ [1]

یہ تبحر علمی آپ کی گیارہ سال کی عمر میں ہے۔ تو جب یہ ماہتاب حدیث نبوی اپنے جوبن پر آیا ہوگا تو کس طرح حدیث نبوی ﷺ کو ضیا بخشی ہوگی۔ کس قدر حدیث نبوی ﷺ کو محفوظ کیا ہوگا، اس کا اندازہ ان کے معاصرین کی گواہی ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''خراسان نے کوئی شخص محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ جیسا پیدا کیا ہی نہیں۔''

اور سلیم بن مجاہد نے کہا کہ ''میں محمد بن سلام کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کاش! تو تھوڑی دیر پہلے آ جاتا، تو میں تجھ کو ایک ایسا لڑکا دکھاتا کہ جس کو ستر ہزار احادیث سے زیادہ احادیث یاد ہیں۔

قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں فقہا عباد اور زہاد کے پاس بیٹھا ہوں، لیکن میں نے جب سے ہوش سنبھالی ہے، اس وقت سے لے کر آج تک کسی کو امام بخاری رحمہ اللہ جیسا نہیں پایا۔ یہ اپنے زمانہ میں ایسے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عمر رضی اللہ عنہ''

یعقوب بن ابراہیم اور نعیم بن حماد نے کہا کہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ اس امت کے فقیہ ہیں۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی فرماتے ہیں کہ ''میں نے شام، عراق، حجاز اور حرمین میں عالموں کو دیکھا، لیکن محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ جیسا جامع کسی کو نہ پایا۔ وہ علم فقہ اور طلب حدیث میں سب سے آگے ہیں، اس وجہ سے قتیبہ کہا کرتے تھے: لوگو! اگر امام بخاری صحابہ

---

[1] ترجمان السنة. ١/٢٥٣.

کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوتے تو یقیناً اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہوتے۔

قارئین کرام! ان اقوال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے تبحر علمی کا، اپنے فن کے بڑے بڑے امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے بے بس نظر آتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے خود کو کسی کے سامنے چھوٹا تصور نہ کیا، لیکن میں علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا تھا، اس چیز کی خبر کسی نے المدینی رحمہ اللہ کو دی، انہوں نے جواباً کہا کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، یعنی بخاری رحمہ اللہ کے سامنے میں خود محتاط ہو کر بیٹھتا ہوں۔ [1]

حالانکہ امام مدینی رحمہ اللہ اپنے دور کے عظیم محدث اور فقیہ ہیں۔ لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کے سامنے محتاط ہیں کہ کہیں غلطی نہ پکڑی جائے۔ اسی علمی دولت کی وجہ سے محدثین نے امام بخاری رحمہ اللہ کو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا ہے۔

حافظہ:

حامد بن اسماعیل نے بیان کیا کہ بخاری رحمہ اللہ ہمارے ساتھ بصرہ میں تھے، ہم بصرہ میں شیوخ بصرہ سے احادیث لکھا کرتے تھے، لیکن امام بخاری احادیث کو نہ لکھتے تھے۔ کافی دن گزر گئے، تو ہم نے بخاری رحمہ اللہ کو ملامت کی کہ تم لکھتے ہی نہیں ہو، بلکہ اپنا وقت ضائع کررہے ہو، جب ہماری ملامت زیادہ ہوئی تو بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ لاؤ جو تم نے لکھا ہے، اس وقت تک ہم نے پندرہ ہزار احادیث سے زیادہ لکھ رکھی تھیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ساری کی ساری زبانی سنا دیں۔ اور یہ اپنی غلطیوں کو درست کرنے لگے۔

محمد بن ازہر سختیانی نے بیان کیا کہ میں سلیمان بن حرب کی مجلس میں تھا، بخاری رحمہ اللہ بھی ہمارے ساتھ حدیثوں کو سنا کرتے تھے، لیکن لکھا نہیں کرتے تھے تو لوگوں نے ایک دن اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تم احادیث کو لکھتے کیوں نہیں؟ امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

[1] هدیٰ الساری، مقدمه فتح الباری، ص: ٦٧٤ تا ٦٧٧.

میں بخارا میں جا کر اپنی یاداشت سے لکھ لوں گا۔ [1]

قارئین کرام! اس سے امام صاحب کی قوت حافظہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج ایسے علماء کرام نظر نہیں آتے، ان لوگوں کو ہزاروں اور لاکھوں احادیث کیسے یاد ہوجاتی تھیں۔ آج تو دس احادیث میں بھی شاید کوئی سند کے ساتھ نہ سنا سکے تو ان کو اتنی احادیث کیسے یاد ہوسکتی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کو ایسی صلاحیتیں بھی عطا کرتا ہے، کہ جن کی وجہ سے اس کو بخوبی سرانجام دے سکے، چنانچہ آج کے دور میں بھی ایسے افراد موجود ہیں کہ جن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔ کئی افراد اور علماء کرام کو ہم جانتے ہیں کہ جنہوں نے دو اور تین تین مہینوں میں مکمل قرآن حفظ کیا ہے اور ایسے واقعات بہت ہیں، حالانکہ یہ چیز ناممکن سی نظر آتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہی ہے آج کے دور میں ہی انٹرنیشنل سطح پر آپ ڈاکٹر ذاکر نائیک کو دیکھ سکتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت حافظہ سے نوازا ہے۔ وہ ہر مذہب کی کتاب کا حوالہ اس کا باب اور اس کی آیت تک بتا دیتے ہیں، حالانکہ ایسا ناممکن ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو ناممکن کو بھی وہ ممکن بنا دیا کرتا ہے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کا حافظہ بھی اگرچہ عجوبہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے، کیونکہ مالک ومہربان نے ان سے کام لینا تھا، لہٰذا اس قسم کے اعتراضات کرکے، اپنے آپ کو فتنے میں مت ڈالئے بلکہ حدیث رسول ﷺ کو اپنے دل و جان سے قبول کرلیں۔ نیز ان محدثین کی کوششوں اور کاوشوں کی دل وجان سے قدر کریں۔ کیونکہ یہی فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔ آخر یہ ماہتاب نصف صدی سے بھی زیادہ اپنی ضیا پاشیوں سے امتِ مسلمہ کو منور کرتا ہوا ۲۵۷ھ کو عیدالفطر کی رات غروب ہوجاتا ہے۔ لیکن اس ماہتاب کی کرنیں قیامت تک ہمیں روشنی فراہم کرتی رہیں گی۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری، ص: ٦٧٧ تا ٦٧٩.

آپ فن حدیث میں اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے، آپ کی کتاب ''الجامع الصحیح'' کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اور یکتائے روزگار ہے۔

لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے میں تجھ سا دوسرا
یہ کیوں نہ ہو کہ تجھ کو تیرے روبرو کروں

امام مسلم رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

امام مسلم رحمہ اللہ محدثین کرام میں جو بلند پایہ مقام رکھتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ علمائے اسلام کا اگرچہ متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام میں قرآن مجید کے بعد پہلا مرتبہ ''صحیح بخاری'' کا ہے اور ''پھر صحیح مسلم'' کا جس سے صحیح مسلم کے جامع امام مسلم رحمہ اللہ کی عظمت کا کافی اندازہ ہو جاتا ہے، لیکن بعض علما کا خیال یہ بھی ہے کہ صحیح مسلم کا درجہ اگر بخاری سے بلند نہیں تو مساوی ضرور ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی احادیث کافی تحقیقات کے بعد جمع کی گئی ہیں اور بعض اعتبارات سے امام مسلم رحمہ اللہ کا درجہ امام بخاری رحمہ اللہ سے بڑھا ہوا ہے۔

بہرنوع امام مسلم رحمہ اللہ کا پایہ محدثین کرام رحمہم اللہ میں اس قدر بلند ہے کہ اس درجہ پر امام بخاری رحمہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا محدث نہیں پہنچا اور ان کی کتاب ''صحیح مسلم'' اس قدر بلند پایہ کتاب ہے کہ صحیح بخاری کے سوا کوئی کتاب اس کے سامنے نہیں رکھی جا سکتی۔

خاندان اور سلسلہ نسب، پیدائش اور وفات:

امام مسلم رحمہ اللہ کا پورا نام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دروین تھا۔ ابوالحسین آپ کی کنیت تھی اور عساکر الدین لقب تھا۔ قبیلہ بنو قشیر سے آپ تعلق رکھتے تھے جو عرب کا ایک مشہور خاندان تھا اور خراسان کا مشہور شہر نیشاپور آپ کا وطن تھا۔

امام مسلم رحمہ اللہ ۲۰۳ھ یا ۲۰۶ ہجری میں باختلافِ اقوال پیدا ہوئے لیکن اکثر علما اور مورخین کی تحقیقات یہ ہے کہ آپ کا سنۂ ولادت ۲۰۶ھ زیادہ معتبر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ امام مسلم ۲۰۶ ھ میں پیدا ہوئے ۵۵ سال کی عمر پائی اور ۲۴ رجب ۲۶۱ ء کو

اتوار کے دن شام کے وقت وفات پائی اور انہیں نیشاپور میں دفن کیا گیا۔

تعلیم وتربیت:

امام مسلم رحمہ اللہ نے والدین کی نگرانی میں بہترین تربیت حاصل کی اور اس پاکیزہ تربیت ہی کا یہ اثر تھا کہ ابتداء عمر سے آخری سانس تک آپ نے پرہیزگاری اور دینداری کی زندگی بسر کی، اور کبھی کسی کو اپنی زبان سے برا نہ کہا یہاں تک کہ کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا پیٹا۔

ابتدائی تعلیم آپ نے نیشاپور میں حاصل کی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذکاوت و ذہانت اور قوتِ حافظہ عطا کی تھی کہ بہت تھوڑے عرصہ میں آپ نے رسمی علوم وفنون کو حاصل کرلیا اور پھر احادیثِ نبوی ﷺ کی تعلیم وتحصیل کی جانب توجہ کی۔

علم حدیث کی تعلیم وتحصیل:

مؤرخین کا بیان ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے علم حدیث کی تعلیم محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپوری رحمہ اللہ اور یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ سے پائی۔ یہ دونوں حضرات اپنے زمانہ کے آئمہ حدیث تھے، اور ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، یہاں تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ اکابر محدثین نے بھی ان ہی سے علم حدیث کو حاصل کیا تھا۔

علما کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ تحصیل حدیث کے دوران میں اپنے استاد محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ میں الجھ پڑے اور یہ نزاع اس قدر بڑھی کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ امام مسلم رحمہ اللہ کو بھی امام ذہلی کا حلقۂ درس ترک کرنا پڑا، یہاں تک کہ امام مسلم رحمہ اللہ اپنی انتہائی دیانت کو کام میں لاکر امام ذہلی کی ان تمام احادیث کے نوشتوں کو جو انہوں نے امام ذہلی سے حاصل کی تھیں امام صاحب کو دے آئے، اور پھر ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ یہ اختلاف اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ذہلی رحمہ اللہ کے درمیان خلق قرآن کے مسئلہ پر ہوا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ خلقِ لفظ کے قائل تھے اور امام ذہلی لفظ کو قدیم مانتے تھے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اس نزاع میں امام بخاری رحمہ اللہ کا ساتھ دیا اور ان کی

تائید کرتے رہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ سے خلق لفظ کے مسئلہ پر امام ذہلی رحمہ اللہ کی نزاع بہت بڑھ گئی تو امام ذہلی رحمہ اللہ نے اپنے حلقہ درس میں اس کا اعلان کردیا کہ کوئی شخص بخاری رحمہ اللہ سے نہ ملے۔امام ذہلی رحمہ اللہ چونکہ ایک بلند پایہ محدث تھے اور نیشا پور میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اس لیے ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس آنا جانا ترک کردیا،لیکن امام مسلم رحمہ اللہ برابر آتے جاتے رہے۔شاگردوں نے امام ذہلی رحمہ اللہ سے اس کی شکایت کی کہ مسلم رحمہ اللہ نے بخاری رحمہ اللہ کے پاس آنا جانا ترک نہیں کیا۔ایک روز امام مسلم رحمہ اللہ حلقہ درس میں شامل تھے کہ امام ذہلی رحمہ اللہ نے حلقہ درس کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تم میں سے جو شخص خلقِ لفظ کا قائل ہو اس کو میری مجلس میں شریک ہونا حرام ہے۔''

امام مسلم رحمہ اللہ یہ سنتے ہی اٹھے، اپنی چادر سر پر رکھی اور واپس چلے آئے اور پھر کبھی امام ذہلی کے حلقہ درس میں شامل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ حدیث کے ان نوشتوں کو بھی جو انہوں نے امام ذہلی رحمہ اللہ سے سن کر لکھا تھا، امام ذہلی رحمہ اللہ کو دے آئے اور تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم کردیئے۔

اس سے امام مسلم رحمہ اللہ کی غیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غلط بات کہنے والے کو رد کردیا، چاہے وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو یہ فکر تمام محدثین کے ماتھے کا جھومر ہے، غلط بات کا کبھی ساتھ نہ دیا۔

اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ نے اطراف و جوانب کے علاقوں میں تحصیل حدیث کے لیے سفر اختیار کیا۔حجاز، شام، مصر، یمن اور بغداد گئے اور وہاں کے محدثین کرام سے احادیث حاصل کیں۔ان محدثین میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ، اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ ، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی رحمہ اللہ ، محمد بن مہران الرازی رحمہ اللہ ، ابو غسال سعید بن منصور رحمہ اللہ اور ابومصیب رحمہ اللہ بہت مشہور ہیں۔ [1]

---

[1] تهذيب الكمال فى اسماء الرجال للحافظ المزى ، رقم الترجمه: ٦٥١٥ ، ٩٧،٩٥/٧ .

صحیح مسلم کی ترتیب:

ممالکِ اسلامیہ کے طویل دورے کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ نے چار لاکھ حدیثیں جمع کیں، اور ان میں سے ایک لاکھ مکرر حدیثوں کو ترک کر کے تین لاکھ حدیثوں کو یکجا کیا، اور پھر ان تین لاکھ حدیثوں کی کافی عرصہ تک پڑتال کی اور ان میں جو احادیث ہر اعتبار سے مستند ومعتمد ثابت ہوئیں ان کو انتخاب کر کے صحیح مسلم کو ترتیب دیا یعنی تین لاکھ حدیثوں میں سے بارہ ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں انتخاب کیں اور ان کو صحیح مسلم میں درج کیا۔

کتب حدیث میں صحیح مسلم کا درجہ:

حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں، جن میں سے علمائے اسلام نے چھ کتابوں کو زیادہ مستند ومعتبر قرار دے کر ان کو صحیح کا لقب دیا ہے یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، اور سنن ابن ماجہ۔ اور ان میں سب سے زیادہ مستند صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے کون زیادہ معتبر ہے اور کس کا پایہ بلند ہے اس میں علماء کے درمیان اختلافِ رائے ہے اور بعض اعتبارات سے صحیح مسلم کا درجہ بلند ہے، چنانچہ ذیل کے اقوال سے اس کی کیفیت واضح ہوتی ہے:

حافظ عبدالرحمٰن بن علی الربیع یمنی شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِی الْبُخَارِیْ وَمُسْلِمٍ
لَدَیَّ وَقَالُوْا اَیُّ ذَیْنِ یُقَدَّمُ
فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِیُّ صِحَّةً
کَمَا فَاقَ فِیْ حُسْنِ الصَّنَاعَةِ مُسْلِم

لوگوں نے میرے سامنے بخاری ومسلم کی ترجیح وفضیلت کے بارہ میں گفتگو کی۔ میں نے کہا ''صحت میں بخاری اور ترتیب وغیرہ میں مسلم قابل ترجیح ہیں۔''

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں بخاری رحمہ اللہ کی پیروی کی ہے اور بخاری رحمہ اللہ کے قدم بہ قدم چلے ہیں۔''

حافظ ابوعلی نیشا پوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''صحیح مسلم تمام کتبِ حدیث پر ترجیح رکھتی ہے، حافظ ممدوح کا قول یہ ہے کہ

((مَاتَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ اَصَحُّ مِنْ كِتَابِ مُسْلِمٍ))

''آسمانی چھت کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کتاب (قرآن کریم کے بعد) اور کوئی نہیں ہے۔''

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ، ابو حاتم رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے تبحر علم حدیث کے سبب امام مسلم رحمہ اللہ کو امام علم حدیث شمار کرتے اور جماعت اہلحدیث کا سرگروہ مانتے ہیں۔

وفات امام مسلم رحمہ اللہ:

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات کا عجیب واقعہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مجلس مذاکرہ میں کسی نے امام مسلم رحمہ اللہ سے کوئی حدیث دریافت کی، امام مسلم رحمہ اللہ کو اس وقت اس حدیث کی نسبت صحیح علم نہ تھا، اس لیے وہ جواب نہ دے سکے اور مکان پر واپس آ کر اس حدیث کو تلاش کرنے لگے۔ آپ حدیث کے نوشتوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے، پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھا تھا اس میں سے کھجوریں کھاتے جاتے، یہاں تک کہ تلاش حدیث میں انہماک کے سبب کھجوروں کا ٹوکرا خالی کر دیا، اور اس وقت اس کا احساس ہوا جب حدیث مل گئی اور آپ رحمہ اللہ نے مڑ کر ٹوکرے پر نظر ڈالی۔ کھجوریں زیادہ کھا جانے سے آپ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں اتوار کی شام کو ۲۴ رجب ۲۶۱ھ کو انتقال فرمایا۔

ابوعلی زعونی رحمہ اللہ کا بیان ہے کسی نے امام مسلم رحمہ اللہ کو خواب میں جنت کے اندر دیکھا اور پوچھا ''کیوں کر نجات ہوئی؟'' امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: اس جزو سے مجھ کو نجات میسر ہوئی جو میرے ہاتھ میں ہے۔'' یہ جزو صحیح مسلم کا تھا۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی دیگر تصانیف:

صحیح مسلم کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ نے چند اور مفید ومعتمد کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(١)...... كتاب مسند كبير ، (٢)...... كتاب الاسمائو الكنى ، (٣)...... كتاب العلل ، (٤)...... كتاب العصيان ، (٥)...... كتاب حديث عمرو بن شعيب ، (٦)...... كتاب مشائخ مالك رحمہ اللہ ، (٨)...... كتاب اوهام المحدثين ، (٩)...... كتاب الطبقات وغیرہ۔

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ

نام ونسب:

آپ کا نام احمد اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر نسائی الخراسانی ہے۔

پیدائش:

آپ کی سن پیدائش میں اختلاف ہے بعض نے ۲۱۴ھ اور بعض نے ۲۱۵ھ بیان کیا ہے۔اور آپ کی وفات ۳۰۸ھ کو ہوئی۔

وطن:

آپ کی پیدائش خراسان کے مشہور شہر نساء میں ہوئی، اس شہر کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو نسائی کہا جاتا ہے۔

اَسفار:

آپ نے طلب حدیث کے لیے دور راز کے سفر کیے، جن میں حجاز، عراق، شام، جزائر اور خراسان شامل ہیں۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، امام ابوداود، امام احمد، عبداللہ بن احمد، حارث بن شکیل، محمد عبدالاعلیٰ، علی بن خشرم، احمد بن بکار اور عمر بن زرارۃ، محمد بن بشار، محمد بن مثنی، اسحاق بن راہویہ شامل ہیں۔

تلامذہ:

امام نسائی کے مشہور تلامذہ ابوالقاسم طبرانی ، حافظ ابوعوانہ ،امام ابوجعفر طحاوی ،امام ابوالبشر الدولالی ، امام ابوالجعف عقیل، امام ابراہیم بن محمد صالح، ابوعلی حسین محمد نیشاپوری ،حمزہ بن محمد الکنانی محمد بن عبداللہ حبویہ وغیرہ شامل ہیں۔

حفظ واتقان:

قدرت نے امام نسائی رحمہ اللہ کو غیر معمولی قوت حفظ سے نوازا تھا۔

ورع وتقویٰ:

امام نسائی رحمہ اللہ کی عملی زندگی کا اندازہ محمد بن الظفر کے اس قول سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جسے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

((سَمِعْتُ مَشَائِخَنَا بِمِصْرَيَصِفُوْنَ اجْتِهَادَ النَّسَائِيِّ فِي الْعِبَادَةِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ .))

پھر امام نسائی شب وروز عبادت میں کوشاں رہتے تھے۔

ابن رشید جامع الاصول میں فرماتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ کے ورع وتقویٰ پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اپنے استاد حارث بن مسکین سے انہوں نے جس حالت میں سماع کیا اس کو اسی انداز معنی قرأۃ علیہ وانا اسمع سے بیان کیا دیگر مشائخ سے اخذ کردہ روایات کی طرح حدثنا واخبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔

عادات وازواج:

امام صاحب کی چار بیویاں دولونڈیاں تھیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کے تلامذہ میں آپ کے بیٹے عبدالکریم کا ذکر کیا ہے، آپ بڑے خوش پوش اور اعلیٰ خوراک کے دل دادہ تھے۔

تصانیف:

امام صاحب رحمہ اللہ کی جن تصانیف کا ہمیں علم ہوسکا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱)......فضائل علیٰ ، (۲)...... فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم ، (۳)...... مسند

علـی ، (٤)...... مسـنـد مـالك ، (٥)...... كتـاب التميز ، (٦)...... كتاب المدلسين ، (٧)...... كتاب الضعفاء والمتروكين

سنن نسائی کی اہمیت:

کتب اصول میں جن کو شمار کیا گیا ہے ان میں سنن نسائی بھی خاص اہمیت کی حامل ہے اس کو ابوداؤد اور ترمذی کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔

خصوصیات:

خصوصیات سنن نسائی میں جو چیزیں ہمیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱: حسن ترتیب: یہ تصانیف وترتیب کے لحاظ سے بہتر اور عمدہ کتاب ہے۔

۲: متعدد مسائل کو ثابت کرنے کے لیے ایک روایت کو کئی جگہوں میں بیان کرتے ہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ ہے۔

۳: احادیث کے طرق کی خوب وضاحت کرتے ہیں اختلاف الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہیں، جیسا کہ امام مسلم کا انداز ہے۔

۴: بسا اوقات علل احادیث پر گفتگو فرماتے ہیں، آپ کو علل حدیث میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا، حافظ ذہبی نے آپ کو اس فن میں امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابوزرعہ کا ہمسر قرار دیا ہے۔

۵: کبھی کبھی رواۃ کے اسماء والقاب اور کنیتوں کے ابہام کی وضاحت اختلاف، متابعت و عدم متابعت کا بیان، سماع وعدم سماع کا ذکر حدیث کے مرسل متصل ضعیف اور منکر کی نشاندہی اور غریب الفاظ کی توضیح بھی بیان کرتے ہیں۔

❀❀❀❀

امام ترمذی رحمہ اللہ

نام اور سکونت:

آپ کا اسم گرامی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک سلمی العزیر بوغی ترمذی ہے۔قبیلہ بن سلیم سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سلمی کہلائے۔آپ کی سکونت بوغ نامی مقام (جو ترمذ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے) میں تھی اور بقول بعض تذکرہ نگار آپ کی وفات بھی یہیں واقع ہوئی۔اس لیے آپ اس بستی کی طرف بھی منسوب ہوئے۔

پیدائش اور تحصیل علم:

آپ ۲۰۰ھ میں مقام ترمذ میں پیدا ہوئے، آپ کو بچپن میں ہی طلب علم کا بے حد شوق عطا کیا گیا تھا، جب ذرا ہوش سنبھالا تو تحصیل علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر اختیار کیے، کوفہ، بصرہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں کافی عرصہ تک حصول علم کے لیے قیام فرمایا۔ آپ کے زمانہ میں علم حدیث کو بہت اہمیت حاصل تھی، اس لیے آپ نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے بہت سے شیوخ کے پاس زانوئے تلمذ طے کیا۔امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد رحمہم اللہ وغیرہ محدثین آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔اپنی کتاب جامع ترمذی میں جن اساتذہ سے آپ احادیث لائے ہیں ان کی تعداد ۲۰۶ کے قریب ہے۔

علم وحفظ اور زہد وورع:

قدرت نے امام ممدوح کو بلا کا حافظہ عنایت فرمایا تھا، جو چیز اپنے استاذ گرامی سے سنتے وہ سینہ میں محفوظ ہو جاتی موسیٰ بن مالک فرماتے ہیں:

((مَاتَ الْبُخَارِیُّ فَلَمْ یَخْلُفْ بِخُرَاسَانَ مِثْلَ اَبِی عِیسٰی فِی الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ وَالْوَرَعِ وَالزُّهْدِ.))

یعنی جب امام بخاری رحمہ اللہ فوت ہوئے تو خراسان میں امام ترمذی کا ہمسر علم وحفظ اور زہد وورع میں کوئی نہیں رہا تھا۔ خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ خوفِ الٰہی سے رو رو کر آپ کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔

وفات:

آپ کی تاریخ وفات ۲۷۹ھ ۱۳رجب پیر کی شب ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی۔

مقام سنن ترمذی:

مراتب صحاح میں سب سے پہلے مقام امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرا مرتبہ امام مسلم رحمہ اللہ کا ہے اور تیسرے نمبر پر امام ابوداؤد رحمہ اللہ ہیں، اور چوتھے درجے پر امام نسائی رحمہ اللہ ہیں اور امام ترمذی پانچواں درجہ رکھتے ہیں۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ سنن کو بھی صحاح ہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں اکثر صحیح احادیث درج ہیں اور بعض ضعیف بھی موجود ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو صحاح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جامع ترمذی دیگر محاسن کی بنا پر انفرادیت کی حامل ہے۔ جرح وتعدیل کا بیان معمول بہا اور متروکہ روایات کی وضاحت اور قبول وتاویل میں اختلاف علما کی تشریحات خصوصیات ہیں۔ جو صرف جامع ترمذی سے مخصوص ہیں۔ ابن صلاح فرماتے ہیں:

((كِتَابُ أَبِي عِيسَىٰ التِّرْمَذِيِّ أَصْلٌ فِي مَعْرِفَةِ الْحُسَنِ فَهُوَ الَّذِي نَوَّرَ بِاسْمِهِ وَأَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهِ فِي جَامِعِهِ.))

''یعنی حدیث حسن کی معرفت میں جامع ترمذی اصل ہے، کیونکہ ترمذی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسے اہمیت دی اور اپنی جامع میں اس کا ذکر کیا۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ میری اس کتاب میں سوائے دو احادیث کے تمام احادیث معمول بہا ہیں۔ وہ دو حدیثیں یہ ہیں:

(۱)...... ((جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ وَلَا سَفَرٍ.))

(۲) ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ.))

امام ترمذی رحمہ اللہ کا مذہب:

دیگر آئمہ حدیث کی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ بھی کسی امام کے مقلد نہیں تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا مگر یہ غلط ہے۔ آپ کسی بھی امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ مجتہد تھے اور مسائل واحکام میں صرف کتاب وسنت کے تابع فرمان تھے۔

❀❀❀❀

امام ابوداؤد رحمہ اللہ

حفظ وضبط:

امام صاحب رحمہ اللہ کو حفاظِ حدیث میں بڑا مقام حاصل ہے، ابو حاتم کا بیان ہے کہ وہ حافظہ کے اعتبار سے دنیا کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔

محمد بن مخلد فرماتے ہیں کہ ابوداود رحمہ اللہ ہزاروں حدیثوں کا مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب انہوں نے سنن مرتب کی تو تمام اہل زمانہ ان کے حفظ وتقدم کے معترف ہوئے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علمائے اسلام کو ان کے کمال حفظ کا اعتراف ہے۔

جرح وتعدیل:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کو حدیث کے علل سے ایک لگاؤ تھا اور اس سلسلے میں آپ کو مکمل مہارت تھی، جیسا کہ ممتاز علما نے جرح وتعدیل میں آپ کی مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ آپ کی قوت تمیز، نقد ونظر پر اساطین فن کا اتفاق ہے۔

احمد بن محمد یٰسین الھروی فرماتے ہیں:

((كَانَ مِنْ خُرَاسَانَ هٰذَا الشَّان .))

''خراسان میں اس عظیم پائے کے یہی عالم تھے۔''

حافظ محمد بن اسحٰق الضعائی اور ابراہیم الحربی آپ کی مہارت تامہ کی داد ان الفاظ سے دیتے ہیں:

((أُلِيْنَ لِأَبِي دَاوُدَ الْحَدِيْثُ كَمَا أُلِيْنَ لِدَاوُدَ (عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) الْحَدِيْدُ .))

''جیسے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم تھا ایسے ابوداؤد کے لیے حدیث آسان تھی۔''

محمد بن لیث قاضی فرماتے ہیں:

((خُلِقَ أَبُوْدَاوُدَ فِی الدُّنْیَا لِلْحَدِیْثِ وَفِی الْآخِرَةِ لِلْجَنَّةِ .))

''ابوداؤد دنیا میں حدیث کی خدمت کے لیے، اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔''

موسیٰ بن ہارون نے فرمایا:

((مَارَأَیْتُ أَفْضَلَ مِنْهُ .))

''میں نے دنیا میں ان سے افضل نہیں دیکھا۔''

کتاب السنن اہل فن کی نظر میں:

کتاب السنن کی افادیت میں کس کو شک ہوسکتا ہے؟ تاہم اہل فن کی آرا کو ذکر کرنا ایک بیش قیمت خزانہ سے نقاب کشائی اور فائدہ عام کو مستوجب ہوگا۔ امام ابوداؤد نے سب سے پہلے اپنی اس تالیف کو اپنے استاد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے روبرو پیش کیا تو انہوں نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت پسند کیا۔ علامہ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

((وعرض علی احمد بن حنبل رحمہ اللہ فاستجاده واستحسنه .))

سنن ابی داؤد کی خصوصیات:

سنن ابی داؤد کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف احکام ومسائل سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ سے پہلے اس قسم کی کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا، بلکہ ان کا تعلق احکام، تفسیر وقصص، اخبار ومواعظ اور ادب وزہد وغیرہ سے تھا۔ یعنی وہ جوامع اور مسانید تھیں جیسا کہ (رسالہ مکیہ) میں امام صاحب نے خود ہی ذکر کیا ہے، اور آپ نے ایک انوکھی راہ اختیار کی ہے، لہٰذا اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب آئمہ اور علماء آثار کی توجیہات کا مرکز بن گئی ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فاما السنن المحفة فلم يقصه احدمنهم جمعها واستيفادها ولـم يـقـدر عـلـى تلخيصها واختصار مواضعها من اثنا تلك

الاحـاديـث الـطـويـلة كـما حصل لابى داؤد لهذا حل كتابه عـنـدائمة اهل الحديث وعلماء الاثر محلل لعجب فضربت فيه اكبا رالابل ودامت اليه الرحل اه .))

(۲)...... فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے وہ صحاح میں سے کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی متوفی ۷۰۸ صحاح ستہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَلِأَبِى دَاوٗدَ فِى حَصْرِ أَحَادِيْثِ الْأَحْكَامِ وَاسْتِيْعَابِهَا، مَالَيْسَ لِغَيْرِهِ .))

''ابوداؤد میں احادیث الاحکام کا جس قدر احاطہ ہے، وہ دوسری کسی کتاب میں نہیں ہے۔''

اسی وجہ سے یہ کتاب فقہا و مجتہدین کا معتمد علیہ ماخذ ہے۔

(۳)...... جامع ترمذی کی طرح سنن ابی داؤد کی بھی اکثر و بیشتر روایات آئمہ مجتہدین، تابعین وتبع تابعین اور فقہاء امت کی معمول بہا رہی ہیں۔ خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین وفقہا کے مسالک و مذاہب کے لیے یہ کتاب اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

وفــات...... : امام صاحب نے ۱۶ شوال بروز جمعۃ ۲۷۵ کو ۷۳ برس کی عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی نمازِ جنازہ عباس بن عبدالواحد نے پڑھائی۔

❀❀❀❀

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ

نام ونسب:

مصنف کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اورنسبت رَبعی قزوینی ہے، اورابن ماجہ کے عرف سے مشہور ہیں، ان کا نسب یہ ہے:

محمد بن یزید، ابوعبداللہ الربعی، مولاہم القزوینی المعروف بابن ماجہ (اوابن ماجہ)

علامہ زبیدی نے تاج العروس میں لفظ ''ماجہ'' پر بحث کرتے ہوئے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ''ماجہ'' آپ کی والدہ کا نام ہے اور بعض علما نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ بستان المحدثین میں لکھتے ہیں:

وصحیح آنست له ماجه (بتخفیف جیم) مادر اوبود

امام ابن ماجہ کا عہد طفولیت پردہ خفا میں ہے۔ تاہم ابتدائی تعلیم اس وقت کے رواج کے مطابق حاصل کی، اورسن تمیز کو پہنچنے کے بعد ہی علم حدیث کی طرف توجہ دی، اور ابتدا میں طلب حدیث کا سلسلہ اپنے وطن مالوف سے شروع کیا۔ قزوین اس وقت علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ لہٰذا قزوین کے محدثین سے سلسلہ تعلیم شروع کیا۔ قزوین کے جن مشائخ سے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنے سنن میں روایت کی ہے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱: علی بن محمد ابوالحسن الطنافی ۲۳۳ قزوین کے محدث و عالم تھے، امام ذہبی نے تذکرہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

۲: عمرو بن رافع بجلی ۲۲۷ حفاظ حدیث سے تھے۔

۳: اسماعیل بن توبہ ابوسلیمان قزوینی ۲۴۸ھ۔

۴: ہارون بن موسیٰ بن حیان تمیمی ابوموسیٰ ۲۴۸ھ۔

۵: محمد بن ابی خالد، ابوبکر القزدینی۔

اپنے شہر اور موالی کے شیوخ سے فارغ ہونے کے بعد ۲۳۰ھ کو جب کہ آپ کی عمر ۲۳۔۲۴ سال کے قریب تھی، بیرون ملک طلب علم کے لیے سفر کیئے، خزرجی لکھتے ہیں:

((إِنَّمَا رَحِلَ ابْنُ مَاجه بَعْدَ الثَّلاثِيْنَ .))

''ابن ماجہ نے تیس سال کی عمر کے بعد طلب حدیث کے لیے سفر کیا۔''

گویا ۳۲ سال کی عمر میں رحلات شروع کیں، ابن الجوزی نے المنتظم میں لکھا ہے۔ پھر خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے سفر کیئے اور محدثین کی مجالس میں حاضر ہوتے رہے۔ خلیلی لکھتے ہیں:

((اِرْتَحَلَ اِلَى الْعَرَاقَيْنِ وَمِصْرَ وَالشَّامِ .))

''کہ عراقین (کوفہ، بصرہ) مصر اور شام کی طرف سفر کیے''

اور ابن الجوزی نے المنتظم میں مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور ''ری'' کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ اس طرح ابن خلکان نے ان علاقوں اور شہروں کا ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ''وغیرھا من البلاد'' کا اضافہ کر کے دوسرے شہروں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

مؤلفات:

تحصیل علم اور رحلات کے بعد امام ابن ماجہ نے تالیفات میں دلچسپی لی اور انہوں نے الباقیات کے طور پر تین بڑی کتابیں چھوڑی ہیں۔

۱: **التفسیر** : حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں اس کو بہت بڑی تفسیر قرار دیا ہے۔ جس میں احادیث آثار صحابہ وتابعین کو بالاسناد جمع کیا گیا ہے۔ حافظ سیوطی نے تفسیر طبری کے بعد تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن ماجہ کو بڑی تفاسیر میں شمار کیا ہے۔ شذرات الذہب (۱۶۴/۲) میں ہے:

((صَنَّفَ السُّنَنَ وَالتَّارِيْخَ وَالتَّفْسِيْرَ .))

ابن ماجہ نے سنن تاریخ اور تفسیر تالیف کی۔

اس تفسیر کا ذکر ابن خلکان نے بھی کیا ہے:

۲: یہ بھی مؤلف کے علم وفضل کے مطابق اہم تاریخ ہے، (التاریخ) حافظ ابن کثیر نے اسے تاریخ کامل کہا ہے اور ابن خلکان نے اس کو تاریخ ''ملیح'' کہا ہے۔ ابن طاہر المقدسی ۵۰۷ھ نے قزوین میں اس کا نسخہ دیکھا ہے، جس کے آخر پر امام ابن ماجہ کے تلمیذ ارشد جعفر بن ادریس کے قلم سے مرقوم ہے:

((مَاتَ أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثَّلَاثَا .))

((ثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَصَلّٰى عَلَيْهِ اَخُوْهُ أَبُوْبَكْرٍ .))

ابوعبداللہ سوموار کے دن فوت ہوئے اور منگل کے روز دفن کئے گئے، آپ کی نماز جنازہ آپ کے بھائی ابوبکر نے پڑھائی۔

❀❀❀❀

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جمال الدین یوسف بن محمد حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی امالی میں کہا ہے کہ ''ہمارے زمانہ میں قوت یادداشت میں ابن تیمیہ عجیب تھے، وہ کسی کتاب کا ایک دفعہ مطالعہ کرتے تو وہ کتاب ان کے ذہن پر نقش ہو جاتی، پھر وہ اس کو اپنی تصنیفات میں بعینہٖ اسی کے الفاظ میں نقل کیا کرتے۔'' [1]

امام موصوف کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ حافظہ وافر عطا کر رکھی تھی، جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، ایک مرتبہ دمشق میں حلب کے بڑے عالم آئے، جس نے شہر کے ایک نوعمر لڑکے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حفظ کا شہرہ سن رکھا تھا، چنانچہ ایک دن وہ امام موصوف کے مدرسہ جانے کے راستے میں کھڑا ہو گیا، جب امام موصوف ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے امام صاحب کو روک کر تختی پر تیرہ احادیث لکھوائیں اور امام موصوف سے پڑھنے کو کہا، امام موصوف نے ایک نظر تختی پر ڈال کر تختی بزرگ کے ہاتھ تھما دی اور اپنے حفظ سے حدیث سنا ڈالیں۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا، اس نے دوبارہ پھر چند حدیثیں لکھوائیں۔ امام موصوف نے پھر سنا ڈالیں۔ شیخ حلب نے فرطِ تعجب سے بے ساختہ کہا: اگر یہ بچہ زندہ رہا تو بڑا نام پیدا کرے گا۔ میں نے اس جیسے حافظے والا کوئی نہیں دیکھا۔ [2]

قارئین کرام! بزرگ کی بات سچ ثابت ہوئی کہ امام موصوف رحمہ اللہ نے جو عزت و شرف حاصل کیا ہے، وہ انہی کی ذات کے لیے ہے کہ درس و تدریس میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

---

[1] الدرالکامنة : ١٧٦/١.

[2] العقود الدرية للحافظ ابن عبدالهادی .

ابوالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علاوہ بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے، جن کو حدیث اور اس سے متعلقہ تمام تفصیلات از بر ہوں، اور اس کے ساتھ ضرورت کے وقت حدیث ان کے ذہن میں مستحضر بھی ہو۔ [1]

اور انتہائی کم عمری میں ہی دارالحدیث السکریہ میں شیخ الحدیث کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے، اور علم میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ ۲۹ برس کی عمر میں منصب قضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ کی پیش کش ہوئی، لیکن یہ پیش کش یہ کہہ کر رد کردی کہ میں کسی کے مسلک کا پابند نہیں ہوسکتا، بلکہ قرآن و حدیث کی ہی پابندی کروں گا، اس سے امام موصوف کی قرآن و حدیث سے محبت اور اہمیت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں کئی دفعہ اپنے خلاف مظاہرے اور مخالفت بھی پیدا کر چکے تھے، لیکن قرآن و حدیث سے انحراف نہ کرتے تھے، بلکہ قرآن و حدیث کو ثابت کرتے تھے، چنانچہ شیخ صلاح صفوی اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے انہیں مدرسۃ القصاعین اور مدرسہ حنبلیہ میں کئی بار دیکھا، وہ جب گفتگو کرتے تو آنکھیں بند کرلیتے، ان کی زبان پر عبارتوں کا ہجوم ہو جاتا، اس وقت ان کی حالت قابل دید ہوا کرتی تھی، اس وقت وہ ایک ایسے امام کے روپ میں دکھائی دیتے تھے، جس کا کوئی ہم پلہ اور ثانی نہ ہو، اور ایسے عالم کے لبادے میں ملبوس دکھائی دیتے، جس کو ہر علم سے حظ وافر ملا ہو، اس وقت اس کا تیر سیدھا نشانہ پر لگتا تھا، اور وہ ایسے مناظر کی طرح نظر آتے تھے جو میدان مناظرہ میں اپنے دلائل کے ذریعہ مدمقابل پر سخت دن لے کر آیا ہو:

وعاينت بدرا لايرى البدر مثله
وخاطبت بحرا لايرى العبر عائمه

''تم نے ایسے چاند کا دیدار کیا ہے، جس نے اپنا ہم مثل نہیں دیکھا اور تم ایسے سمندر سے ہم کلام ہوئے ہو، جس میں تیرنے والے نے کنارہ نہیں دیکھا۔''

[1] العلماء العزاب ص: ٢٢٦.

میں کئی مرتبہ ان کی صحبت میں بیٹھا، مدرسہ حنبلیہ میں ان کے درس میں کئی دفعہ حاضر ہوا، دوران درس ان کی زبان سے وہ فوائد سنتا تھا جو میں نے کسی اور سے نہیں سنے ہوتے تھے، اور نہ ہی میں نے وہ کسی کتاب میں دیکھے ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ وسعت نظر اور قوت حافظہ میں میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی، پہلے حفاظ کے متعلق جو ہم نے سنا تھا وہ اس کی زندہ تصویر تھے، حصول مقصد میں وہ عالی ہمت شخص تھے۔ ❶

امام موصوف صرف نرم ہی نہیں، بلکہ عزم کے بھی مرد مجاہد تھے، چنانچہ تاتاریوں نے جب دمشق اور شام پر یلغار کی تو امام صاحب نے صرف پچھلی صفوں میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے اور اللہ کی راہ میں قربانی دینے پر ہی آمادہ نہ کرتے، بلکہ اگلی صفوں میں کھڑے ہوکر مردانہ وار نیزوں اور تلواروں کے دھارا پنے سینے پر بھی روکتے۔

یہاں تک کہ تاتاریوں کو شکست فاش دی گئی، اور پھر دوبارہ تاتاریوں کو کبھی بھی شام پر حملے کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اس سے موصوف کے جذبۂ جہاد کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ جہاد تلوار سے بھی جاری رکھا اور اپنی قلم اور زبان کو بھی بدعات وخرافات کے خلاف جہاد کے لیے ہمیشہ تیار رکھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو زندگی بھر مصائب اور ان گنت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ ''عقیدۂ حمویہ'' کی تالیف اور ''طلاق ثلاثہ'' کے فتویٰ کے سبب ان پر ابتلا کا دور آیا آپ کو دمشق کے قلعہ میں محبوس کردیا گیا۔ تقریباً سوا دوسال جیل میں رہے، آپ اس عرصہ میں تلاوت عبادت اور تہجد میں مصرف رہے۔ حتیٰ کہ ۸۲۷ء میں جب وہ ''القمر ۵۵ آیت'' کی تلاوت فرما رہے تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

امام موصوف نے بدعات وخرافات کے خلاف کئی ایک کتابیں تصنیف فرمائیں، جیسے کتاب الوسیلہ، رجب اور شعبان کی بدعات پر اور دیگر کئی مسائل پر کتابیں لکھیں، تیر وتلوار قلم و بیان کا یہ مرد آہن ۷۲۸ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم

❶ الوافی بالوفیات: ۱٦/۷.

مصلح اور مجاہد پر اپنی رحمت کی موسلا دھار بارش قیامت تک برساتا رہے۔ آمین یارب العالمین

علم حدیث اور احادیث کے حفظ کرنے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قدر جانفشانی اور محنت کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے بارے میں یہ قول زبان زد عام و خاص ہوگیا کہ جس حدیث کا علم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو نہیں ہے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔

آپ کی مشہور معروف کتب مندرجہ ذیل ہیں:

۱: الفرقان بين اولياء الرحمن واولياء الشيطان .
۲: التوسل الوسيلة .
۳: منهاج السنة النبويه فى نقص كلام الشيعه والقدريه .
۴: الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح .
۵: الصارم المسلول .
۶: معارج الوصول .
۷: الفتاوىٰ .
۸: الرد على المنطقيين .
۹: الاختيارات الفقيهه .
۱۰: موافقة صحيح المنقول بصريح المعقول .
۱۱: الغنوى الحمويه .
۱۲: عقيده واسطيه .

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۲۰ھ)

امام طبری رحمہ اللہ نے سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث رسول ﷺ لکھنی شروع کی، لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ۲۳۶ھ میں بارہ سال کی عمر میں والد سے اجازت لے کر طلب علم کے سفر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ [1]

[1] تاريخ بغداد ٢/١٦٣، معجم الروباء ١٨/٤٠ .

امام ابن شہاب الدین زہری رحمہ اللہ (۱۲۴ھ)

ہشام بن عبدالملک کے دربار میں ایک دن امام زہری رحمہ اللہ کسی ضرورت کے تحت آئے ہوئے تھے، ہشام نے خواہش ظاہر کی کہ شہزادے کے لیے کچھ احادیث لکھوا دیجئے۔ امام زہری رحمہ اللہ رضا مند ہوگئے، کاتب کو بلایا گیا تذکرہ الحافظ میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے چار سو احادیث شہزادے کے لیے لکھوا دیں، بعض روایات میں ہے کہ ایک ماہ کے بعد ہشام کے دربار میں، پھر امام زہری رحمہ اللہ آئے تو ہشام کی حقیقت میں تو یہ ترکیب تھی جس کے تحت امام صاحب کے حفظ کا امتحان لے رہا تھا، بڑے افسوس کے لہجے میں کہنے لگے، وہ احادیث جسے آپ نے لکھوا کر شہزادے کو دی تھی وہ گم ہوگئی، امام زہری رحمہ اللہ نے کہا تو یہ پریشانی کی کیا بات ہے کاتب کو بلائیں، پھر لکھوا دیتا ہوں، یہی ہشام بن عبدالمالک چاہتا تھا، کاتب بلایا گیا وہیں بیٹھے بیٹھے زہری نے پھر چار سو احادیث لکھوادیں۔ پہلا مجموعہ درحقیقت غائب نہیں ہوا تھا، یہ ہشام بن عبدالمالک کی ایک ترکیب تھی، جب امام زہری رحمہ اللہ دربار سے اٹھ کر گئے تو ہشام نے پہلی احادیث دوسری دفعہ لکھائے ہوئے نوشتے سے مقابلہ کیا تو ایک حرف بھی امام زہری نے نہ چھوڑا تھا۔'' ❶

امام قتادہ بن عامر رحمہ اللہ (۱۰۷ھ)

ایک دفعہ جناب سعید بن عروبہ سے قتادہ بن عامر رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے سامنے قرآن حکیم کھول کر بیٹھ جاؤ میں آپ کو سورۃ البقرہ سناتا ہوں، سعید فرماتے ہیں: میں نے اوّل سے آخر تک سنا قتادہ رحمہ اللہ نے ''سورۃ البقرۃ'' میں ایک حرف کی بھی غلطی نہ کی، پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے: ''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نوشتہ حدیثوں کا مجموعہ جس کا نام صحیفہ تھا، وہ مجھے ''سورہ البقرۃ'' سے بھی زیادہ یاد ہے۔ ❷

---

❶ تذكرة الحفاظ ١/١،٢٠٠.

❷ تاريخ كبير للبخاري، ١٨٢/٤.

امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے قتادہ رحمہ اللہ کو ستر احادیث سنائیں ان میں چار کے علاوہ باقی سب کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سن چکا ہوں اور سعید بن میںّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میرے پاس قتادہ سے زیادہ مضبوط حافظہ والا کوئی عراقی نہیں آیا۔ ❶

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ)

آپ شیخ الاسلام حافظ کبیر اور بڑے آئمہ حدیث میں سے ایک تھے۔خزیمہ تصغیر کے ساتھ ہے۔۲۲۳ھ کو نیشاپور میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ء کو اسی نیشاپور میں وفات پائی۔خراسان کے اندر اپنے زمانے میں امامت و حفظ کی آپ پر انتہا تھی اور آپ کی تصنیفات ۱۴۰ سے متجاوز ہیں۔اور صحیح ابن خزیمہ آپ رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف ہے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۲۳۵ھ)

آپ حافظ اور بے مثال شخصیت کے حامل تھے آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن حواسی منسی (ان کے آزاد کردہ) کوفی ہیں۔آپ مسند مصنّف اور دیگر کتب کے مصنف تھے،علم حدیث میں چٹان کی مثل تھے۔امام ابوزرعہ رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ، امام ابوداؤد اور دیگر آئمہ حدیث نے آپ سے احادیث روایت کیں۔ ماہ محرم ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ)

امام ابوعبداللہ امام المحققین تھے، آپ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری ہے اور ابن البیع (با کے فتح اور مکسور یا کے ساتھ) سے معروف تھے، اور المستدرک علی الصحیحین کے مصنف تھے۔۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں صفر میں وفات پائی۔

---

❶ تذکرة الحفاظ، ۱/۱۱٦.

آپ نے ۲ ہزار یا اس کے لگ بھگ مشائخ سے سماع کیا۔ تقویٰ اور دیانت کے ساتھ ساتھ آپ فائق اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

امام علی بن عمر دار قطنی رحمہ اللہ (۳۸۵ھ)

آپ کی بغداد کے ایک بڑے محلّہ دار قطن کی طرف نسبت ہے۔ حافظ کبیر اور بے مثال امام تھے۔ آپ کا نام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہد بن سعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ بغدادی ہے۔ ۳۰۶ھ کو پیدا ہوئے اور آٹھ ذوالقعدہ ۳۸۵ء میں وفات پائی، آپ اپنے زمانے کے منفرد و بے مثال اور وقت کے امام تھے، ان کے زمانے میں جاہ وحشمت، علم حدیث اور معرفت علل اسماء الرجال کی آپ پر انتہا تھی۔

امام طبرانی رحمہ اللہ (۳۴۰ھ)

آپ بڑے محدث اور دنیا کے مستند امام تھے۔ آپ کا نام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی طبرانی ہے۔ آپ نے ایک ہزار (۱۰۰۰) یا اس سے زائد مشائخ سے روایات کیں۔ طلب حدیث میں شام سے کوچ کیا اور ۳۳ سال سفر میں گزارے۔ آپ متعدد مفید اور عجیب وغریب کتب کے مصنف ہیں۔ جن میں آپ کی درج ذیل تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۲۶۰ میں شام کے علاقہ طبریہ میں پیدا ہوئے، اور اصبہان میں مقیم ہوئے اور ۲۸ ذوالقعدہ ۳۶۰ھ کو اصبہان ہی میں فوت ہوئے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ)

آپ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں، آپ کا نام ابوحاتم محمد بن حبان ابن احمد بن حبان البستی ہے۔ یہ سجستان کے شہروں میں سے ایک شہر بست کی طرف نسبت ہے۔ جہاں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ حفاظِ آثار واحادیث وفقہاء دین اور تشنگانِ علم کے لیے ھادی اور مرجع تھے، آپ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ایک تھے۔ اور انہیں کے عشرے میں داخل ہو کر ۳۵۴ میں سمرقند میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

امام ابویعلی الموصلی رحمہ اللہ (۳۰۷ھ)

آپ کا نام احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تمیمی الموصلی ہے۔ آپ جزیرۂ عرب کے محدث حافظ اور مسند الکبیر کے مصنف ہیں، آپ مشہور ارباب صدق وامامت اور دین وحلم میں سے ایک تھے، سمعانی کہتے ہیں کہ

''میں نے حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے متعدد مسانید مثلاً مسند العدنی اور مسند ابن منیع وغیرہ پڑھیں یہ سب نہریں ہیں جب کہ مسند ابی یعلی اس دریا کی مانند ہے جو مجمع الانہار ہو یعنی جہاں سب کی سب نہریں جمع ہوتی ہوں آپ شوال ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔

امام ابوبکر بزار رحمہ اللہ (۲۹۲ھ)

آپ امام، حافظ تھے۔ آپ کا نام احمد بن عمر بن خلاد بن عبید اللہ ابوبکر العتکی بن عبدالخالق بصری ہے۔ آپ کبار آئمہ میں سے ایک ہیں اور ''المسند الکبیر'' اور العلل'' کے مصنف تھے۔ آپ نے امام طبرانی اور دیگر ائمہ سے علم حاصل کیا۔ اور ۲۹۲ء کو وفات پائی۔

امام دارمی رحمہ اللہ (۲۵۵ھ)

سمرقند میں آپ کو شیخ الاسلام، حافظ حدیث اور امام کا مقام حاصل تھا۔ آپ کا نام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بھرام عبدالصمد تمیمی سمرقندی دارمی ہے۔ آپ ''مسند العالی'' کے مصنف تھے۔ آپ نے حرمین، خراسان، شام، عراق اور مصر میں علم حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے امام مسلم رحمہ اللہ، ابوداؤد رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ حدیث نے حدیثیں روایت کیں۔ آپ عقل وفکر کی بلندیوں کو چھوتے تھے اور دیانت، حلم، اجتہاد اور عبادت اور دنیا سے بے رغبتی میں ضرب المثل تھے۔ ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۵۵ھ آٹھ ذوالحجہ ترویہ کے دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

امام السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی۔ پھر توبہ کرلی تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا اس کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان مگر اس سے حدیث کبھی روایت نہیں کی جائے گی۔ ❶

آپ ان چار اماموں میں سے ایک ہیں، جنہیں دنیا والے اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں۔ آپ کا نام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی رحمہ اللہ ہے۔ ربیع الاوّل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ آپ دین اسلام میں آزمائش اور سختیوں کے اعتبار اور ثابت قدمی کے لحاظ سے سب سے بڑے عالم ہیں۔

آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں، بعض روایات کے مطابق آپ کی وفات کے روز بیس ہزار عیسائی، یہودی اور پارسی مسلمان ہوئے تھے۔ ❷

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (۲۳۸ھ)

اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی ابومحمد بن راہویہ المروزی۔ آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں، آپ رحمہ اللہ نے حفظ اور یادداشت میں بڑا ہی مقام پایا ہے۔ امام ابن شبرمہ نے امام اسحاق بن راہوایہ رحمہ اللہ کے سامنے امام شعبہ رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''میں نے آج تک جو حدیث بھی لکھی اور مجھے آج تک جس نے بھی کوئی حدیث سنائی میں نے اسے حفظ کرلیا ہے۔'' یہ سن کر امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے کہا ''کیا تم اس پر تعجب کررہے ہو؟'' ابن شبرمہ نے ہاں میں جواب دیا تو امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا ''میں نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں سنی جو مجھے یاد نہ ہو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں ستر ہزار سے زائد احادیث کو اپنی کتاب میں یاد کررہا ہوں۔'' ❸

---

❶ کتاب الکفایة فی علم الروایة، ص: ۱۵۵۔ ❷ تاریخ اسلام للذهبی.

❸ تدریب الراوی ص ۵۱.

امام حمیدی رحمہ اللہ (۲۱۹ھ)

الامام العلم ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ القرشی الاسدی الحمیدی المکی فقہ کے حافظ ہیں۔ ابن عینیہ رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں، بلکہ امام ذہبی فرماتے ہیں:

یہ ابن عیینہ کے سب سے بڑے شاگرد ہیں۔ ان کی جلالت شان اور علمی تبحر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام ذہبی اور شبر بن موسیٰ ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحمیدی عندنا امام ۔حمیدی ہمارے امام ہیں۔

ابوحاتم کہتے ہیں، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں حمیدی سب سے ثقہ ہیں۔ ابن راہویہ کہتے ہیں، ہمارے زمانے کے امام شافعی ،حمیدی اور ابوعبیدہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام فی الحدیث حمیدی حدیث کے امام ہیں۔

حاکم کہتے ہیں کہ بخاری کو جب کوئی حدیث حمیدی سے مل جاتی تھی، تو پھر دوسروں سے لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے، یعنی بخاری کے نزدیک امام حمیدی رحمہ اللہ سب سے زیادہ معتبر تھے۔ نیز امام حاکم کہتے ہیں کہ حمیدی رحمہ اللہ مکہ کے مفتی اور محدث ہیں۔ ان تمام اقوال سے امام حمیدی کی جلالت شان اور تبحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علمِ نبوی کا یہ ماہتاب ۲۱۹ھ میں مکہ کے پہاڑوں میں غروب ہوگیا، لیکن اس کی کرنیں قیامت تک امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اللہ رحمت کنیں این پاک طینت را

امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ)

آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں، جو اطراف عالم میں رہنما اور پیشوا قرار پائے، آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبدیزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف قریشی مکی، ہے۔ مصر میں رہائش پذیر ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمعۃ المبارک کی شب ۲۰۴ھ میں آخر رجب کو اپنے خالق حقیقی سے

جا ملے۔ غزہ میں پیدا ہوئے مکہ مکرمہ پہنچائے گئے اور مصر میں وفات ہوئی۔ آپ امت کے پیشوا ساتھیوں کے منفرد اور مغرب و مشرق میں سب سے بڑے عالم تھے۔ علومِ فنون میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ اور اصول فقہ کے موجد اور بانی بنے، آپ کے جد سیّدنا امجد شافع رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور جوانی میں نبی ﷺ سے ملاقات کی۔

امام مالک رحمہ اللہ (۱۷۹ھ)

آپ امت کے چار پیشواؤں میں سے ایک ہیں۔ دارالہجرت مدینہ طیبہ کے امام امت کے فقیہہ اور اہل الحدیث کے سردار ہیں۔ آپ کا نام ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن أبی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن جثیل بن عمرو بن حارث اصجی ہے۔ صحابی آپ کے نویں دادا ذو اصبح کی طرف نسبت ہے اور اصبح یمن کے بڑے فضل اور مشرف والے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ آپ ۹۳ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ربیع الاوّل ۱۷۹ھ میں حدیث کا یہ روشن چراغ اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ آپ نے نو سو سے زائد مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد نے علم حدیث روایت کیا ہے کہ جس کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا، نیز آپ کے بے شمار شاگرد ہیں، انہی میں سے امام شافعی بھی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ حدیث چار قسم کے لوگوں سے نہیں لی جائے گی۔

۱: وہ آدمی جو بے وقوفی میں مشہور ہو، اگرچہ زیادہ روایت کرنے والا ہو۔

۲: وہ آدمی جو لوگوں کے معاملہ میں جھوٹ بولتا ہے، اگرچہ وہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ منسوب کرنے کے سلسلہ میں متہم نہیں ہے۔

۳: صاحب بدعت جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

۴: وہ شیخ جو فضل و عبادت میں معروف ہے، مگر اسے اس کا شعور نہیں کہ وہ کیسی حدیث بیان کرتا ہے۔ [1]

---

[1] السنة ومكانتها فى التشريع المكتب الاسلامى، ص: ١٨.

امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲ھ تا ۴۶۳ھ)

وفــــات...... : خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ کو عراق کے شہر بغداد میں انتقال کیا، اس وقت آپ کی عمر ۷۱ سال کی تھی، جب خطیب رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا، تو جنازہ کے ساتھ ایک جماعت یہ اعلان کر رہی تھی کہ یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول ہاشمی رضی اللہ عنہ کی جانب سے سینہ سپر ہو کر نبی کریم ﷺ کی طرف کذب و افترا کی تردید کرتا تھا اور آپ ﷺ کی حدیثوں کو یاد کیا کرتا تھا۔ (تذکرۃ المحدثین)

حافظ ابن جوزی، امام نووی، حافظ سبکی، ابن خلکان، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے حدیث رسول اللہ ﷺ میں خطیب رحمہ اللہ کو صاحب کمال ہونے کا اعتراف اپنی اپنی تصانیف میں کیا ہے۔

مجدد دین امام ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ
امام ابن قیم رحمہ اللہ مصنف اعلام الموقعین کی مختصر سوانح عمری

آپ کا پورا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی ہے۔ علوم دین اسلامیہ کے بے پایاں میٹھے سمندر سے، جس نے ایک چلو بھی پانی پی لیا وہ اس زمین کا مہتاب بن کر چمک اٹھا۔ لیکن جب خوش قسمت ہستیوں کو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے اس آب کوثر کے چھلکتے ہوئے جام پر جام پلائے، ان کی نورانیت نے تو اندھیروں کو اجالوں سے بدل دیا۔ ان بزرگ ہستیوں میں ایک ممتاز ہستی ہمارے ممدوح امام ابن قیم رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ آپ ۶۹۱ھ میں دنیا میں تشریف لائے۔ گو آپ کے اساتذہ بہت سے ہیں، لیکن جن کی روحانیت میں آپ رنگے ہوئے تھے وہ مجدد دین امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تھے، دنیا کا وہ کون سا علمی دریا ہے، جس میں ہمارے ممدوح تیرے نہ ہوں؟ وہ کون سا علمی شعبہ ہے، جس میں آپ نے کمال حاصل نہ کیا ہو؟ آپ جہاں علوم دینی میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے، عمل صالح میں

بھی ید طولیٰ حاصل کیے ہوئے تھے۔ دن رات ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن وحدیث اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی منکسر المز اج ،متواضع اور مرنجاں مرنج تھے۔ اخلاقِ حسنہ میں مخلوق کے ساتھ مروت میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ زہد و ورع، عبادت و ریاضت میں آپ کا ہمسر آپ کے زمانے میں اور نہ تھا۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد ضحیٰ کی نماز پڑھنے سے پہلے آپ مسجد سے کبھی نہ نکلے۔ یہ پورا وقت ذکر وفکر میں گزرتا۔

فرماتے ہیں یہ تو گویا میری غذا ہے۔ اسے اگر میں ترک کردوں تو میری طاقت طاق ہوجائے۔ آپ کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کے برابر کتب خانہ اس وقت کسی کے پاس نہ تھا۔ آپ کی بہترین تصانیف آج تک محققین کے لیے شمع ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں جو علمی جواہر پارے ہیں ان میں جو لاثانی تحقیق و تدقیق ہے، بلکہ ان میں جو نورانیت اور روحانیت ہے جو جذب اور کیف ہے، واللہ! اس کا حصہ مصنّفین کو حاصل ہوا ہے۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ آج ہر عالم ان کتابوں کا ایسا ہی محتاج ہے، جیسے بھوکا کھانے کا اور پیاسا پانی کا۔ آپ برسوں تک اپنے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے۔ اپنے استاد رحمہ اللہ کے ساتھ اور آپ کے بعد بھی آپ کے ہم زمانہ علماءِ سوء نے آپ کی سخت مخالفت کی اور بڑی بڑی مصیبتیں پہنچائیں۔ لیکن یہ امام صاحب ہی کا دل گردہ تھا کہ پیشانی پر شکن تک نہ آنے دی اور حق مسائل کے پھیلانے میں دنیا کی دشمنی کی مطلقاً پروا نہ کی۔

حدیث وقرآن کی جو باریکیاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سجھائی اور سکھائی تھیں۔ آپ نے اس امانت الٰہی کے پہنچانے میں کبھی بخل و بزدلی سے کام نہ لیا۔ حق تو یہ ہے کہ محبت حدیث نے آپ کو اس منزل تک پہنچا دیا تھا کہ سوائے اشاعت احادیث کے آپ کے دل میں کوئی دھن ہی نہ تھی۔ مالی نقصانات آبرو کے نقصانات، یہاں تک کہ جسمانی اور جانی نقصانات کی کبھی آپ نے پرواہ تک نہ کی۔ دنیا آپ کے قدموں پر گری، لیکن آپ نے ٹھکرا دیا۔ عزت و جاہ منصب و مال آپ کے سامنے پیش ہوا، لیکن آپ نے کبھی اس پر نظر تک نہ ڈالی،

مصیبتوں کے گھٹا ٹوپ بادل گھر گھر کر آئے۔ لیکن آپ کی لازوال قوتِ ایمانی نے ان کا رخ ادھر سے اُدھر پھیر دیا۔ سنتِ رسول، حدیثِ نبوی کی اشاعت میں لوگوں کو اندھی تقلید کے پرخطر گڑھے سے نکالنے میں وہ سختیاں سہیں کہ پتھر بھی ہوتا تو پانی ہو جاتا۔ لیکن کیا مجال جو ہمارے ممدوح کا پیچھے نہ ہٹنے والا قدم ذرا سی دیر کے لیے بھی رکا ہو۔ قید کئے گئے، رسوا کئے گئے، مصیبت میں گرفتار کیے گئے۔

آہ! اونٹ پر باندھ دیئے گئے۔ بازاروں میں گھمائے جاتے ہیں، کوڑے کھا رہے ہیں اور زبان پر حق جاری ہے۔ اس جرأت و ہمت کے انسان چشم فلک نے کم دیکھے ہوں گے کہ حدیث پر عمل پیرا ہونے میں ساری دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہیں۔ گو تنہا ہیں لیکن اشاعت حق میں کوہ ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔ ۳ رجب ۱۵۷ھ کو بہ عمر ساٹھ سال وفات پائی۔ جزاہ الله خير كثيراً.

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ (۲۹۴ھ)

آپ رحمہ اللہ کا نام ابو زرعہ عبیدا للہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ القرشی مولاہم الرازی ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''مجھے صرف قرابت میں دس ہزار احادیث یاد ہیں۔ [1]

ابوجعفر تستری فرماتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

((لَقِنُّوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه .))

''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔''

مگر ابوزرعہ رحمہ اللہ سے شرما رہے تھے اور ان کو تلقین کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، آخر

---

[1] تذکرہ الحفاظ : ۲/۱۲٤.

سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے، چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتداء کی......

((حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مُخَلَّدٍ عَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ .))

اتنا کہہ کر رک گئے، باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اس جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا:

((حَدَّثَنَا بَنْدَارُ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِي غَرِيب عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ....))

اتنا کہہ پائے تھے کہ روح قفس عنصری سے عالم قدسی کی طرف پرواز کرگئی۔ پوری حدیث یوں ہے:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ .))

(یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ لا الہ الا اللہ نکلیں، وہ جنت میں داخل ہوگا)

اس واقعہ سے محدثین کی لگن حدیث واضح ہے کہ انہوں نے جان کنی کی حالت میں بھی حفاظت کے لیے تڑپ گئے اور صحیح حدیث بیان کردی۔ [1]

امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی القرشی مولی آل الزبیر رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھا ہے کہ امام ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

---

[1] دکتور سعدي الهاشمي نے آپ کوخراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "ابوزرعه الرازی و جهوده فی السنة النبوية"

''میں تیس ہزار احادیث بڑی آسانی کے ساتھ سنا سکتا ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔''(تہذیب التہذیب)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن احمد کنانی شافعی، المعروف ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، آپ سنتِ نبوی ﷺ کا علم بلند کرنے والے قاضی القضاۃ اور حفاظ و رواۃ میں منفرد ہیں۔ دس شعبان ۷۷۳ھ کو مصر میں پیدا ہوئے اور مصر ہی میں پرورش پائی، نوسال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور الحاوی الصغیر اور مختصر ابن حاجب اور دیگر کتب یاد کیں اور اپنے کسی ایک وصیت کرنے والے کے ساتھ مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور وہاں اہل علم سے سماع کیا، پھر آپ کو طلب حدیث کا شوق ہوا تو آپ حجاز، شام اور مصر کے کبار شیوخ الحدیث سے علم حدیث حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، چنانچہ آپ نے دس سال تک علم حاصل کرنے کے لیے زین عراقی کے پاس قیام کیا اور بلقینی، ابن الملقن اور دیگر اہل علم سے فقاہت حاصل کی، آپ کو جلیل القدر ائمہ وشیوخ الحدیث کے پاس بیٹھنے اور علم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا، جو کسی دوسرے کو میسر نہ آیا، جیسا کہ متقدم الذکر ائمہ وشیوخ نے آپ کو فتویٰ دینے اور تدریس کرنے کا اجازت نامہ عطا کیا۔ اور آپ نے دونوں اصول یعنی کتاب وسنت اور دیگر علوم عز بن جماعہ سے، لغت المجد الدین فیروز آبادی سے، عربی زبان عماری سے، ادب وعروض بدرب مشتکی سے اور کتاب جماعہ سے حاصل کی اور فنون وعلوم میں اس قدر سعی کی کہ ان کی چوٹیوں کو چھونے لگے اور قرأت سبعہ میں قرآن مجید کا کچھ حصہ تنوخی سے پڑھا۔

پھر علم حدیث کی نشر واشاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور مطالعہ، قرأت، تدریس وتصنیف اور افتاء کی صورت میں اس پر جمے رہے، اور متعدد جگہوں میں تفسیر، حدیث، فقہ اور وعظ ونصیحت کی تدریس کی اور ازہر، جامع مسجد عمرو اور دیگر مقامات پر خطبہ دیتے رہے، اور اپنے سینے میں محفوظ خزینے کی املا کروائی، بڑے بڑے فضلا اور نامور علما آپ سے فیض یاب ہوئے،

اور آپ کے علمی چشمے سے سیراب ہونے کے لیے آپ کے پاس آتے رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قوت حافظہ عطا کر رکھی تھی، جس کی وجہ سے علم میں بھی کمال حاصل تھا۔

ابن فہد نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''سورۂ مریم'' ایک دن میں یاد کی، حاوی صغیر کا پورا صفحہ دو دفعہ کے پڑھنے سے یاد ہو جاتا تھا، پہلی دفعہ استاذ سے صحیح کر کے پڑھتے اور تیسری دفعہ زبانی سنا دیتے تھے۔ [1]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حفظ و اتقان کی شہادت ہر قریب و بعید اور دوست و دشمن نے دی، حتیٰ کہ لفظ حافظ ان کے لیے ایک اجتماعی خطاب بن گیا۔ [2]

آپ کی تصانیف ۱۵۰ سے متجاوز ہیں۔ علم حدیث کے فنون میں شاید ہی کوئی ایسا فن ہو، جس میں آپ نے ضخیم کتب تصنیف نہ کی ہوں اور آپ کی یہ تصانیف آپ کی حیات ہی میں طباعت کے زیور سے آراستہ ہوگئی تھیں، اور بادشاہ اور امرا ایک دوسرے کو ان کتب کے تحائف دیا کرتے تھے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ اگر ''فتح الباری شرح صحیح بخاری'' کے علاوہ آپ کی کوئی اور تالیف نہ بھی ہوتی تو یہی فتح الباری ہی آپ کی شہرت اور آپ کے عظیم المرتبت ہونے پر واقفیت حاصل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آپ کی یہ کتاب سنت نبوی کے لیے قاموس کا مقام رکھتی ہے۔ ۸۱۳ھ میں اس کا مقدمہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے ۸۱۷ھ میں اس کی تالیف کا آغاز کر کے شروع رجب ۸۴۲ء میں اس کی تکمیل کی، اور اس کی تکمیل پر آپ نے ایک دعوت عام کا اہتمام کیا، جس میں تمام عام و خاص مسلمان شریک ہوئے۔ اس دعوت پر آپ نے پانچ سو دینار خرچ کئے اور ایک بادشاہ نے آپ سے یہ کتاب طلب کر کے تین سو دینار میں خرید لی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سنتِ نبوی کی نصرت پر نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔ آمین

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں سے ان کی ایک کتاب ''بلوغ المرام فی ادلۃ الاحکام''

---

[1] كشف الباری، ۱/۱۰۸.

[2] ظفر المحصلين باحوال المصنّفين، ص: ۱٤٤.

بھی ہے۔

پہلے پہل آپ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) مصری علاقوں کے قاضی بنے، پھر چند سال کے بعد مستقل طور پر شاہی علاقے بھی آپ کی قضا میں شامل کر دیئے گئے جو اکیس سال سے زائد عرصہ تک آپ کے زیر قضا رہے، شروع میں آپ قاضی بننے سے پرہیز کرتے رہے، حتیٰ کہ بادشاہ وقت نے آپ کو ایک خاص مقدمے میں قاضی مقرر کیا، پھر آپ بلقینی کے اصرار پر ان کے نائب بنے، بلقینی کی جانشینی کی وجہ سے انہیں کئی اور لوگوں کا نائب بننا پڑا، یہاں تک کہ آپ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے، آپ کی یہ تقرری 12 محرم بروز ہفتہ ۸۲۷ھ عمل میں آئی، پھر سات مرتبہ آپ کی ''قاضی القضاۃ'' کے عہدے پر تقرری ہوئی اور سات ہی مرتبہ اس سے الگ ہوئے، پھر جمادی الثانی ۸۵۲ھ کو آخری مرتبہ اس عہدہ سے دستبردار ہوئے اور اسی سال میں آپ کی وفات ہوئی۔

اس کے علاوہ آپ تواضع، بردباری، صبر و تحمل، خوش طبعی، وسعت و ظرافت، قیام و صیام، احتیاط و ورع، جود و سخا، برداشت، باریک ولطیف کلام اور عمدہ اور نفیس نوادر کی طرف میلان میں مشہور و مختار تھے، جیسا کہ آپ ائمہ، متقدمین و متاخرین اور اپنے پاس بیٹھنے والے ہر چھوٹے بڑے کا ادب و احترام کرنے میں منفرد اور بے مثال تھے۔

آپ بروز ہفتہ آٹھ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو عشا کی نماز کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا ثواب اور بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

❀❀❀❀

باب نمبر:۹

فتنہ انکارِ حدیث اور مسٹر پرویز وحواری

قارئین کرام! دین اسلام ایک سیدھی اور روشن ترین شاہراہ ہے، جس پر چلنے والا انسان کبھی بھی گمراہ اور نامراد نہیں ہوسکتا۔ لیکن جس قدر دین اسلام سے انسان اپنے آپ کو دور کرتا چلا جائے گا تباہی اور بربادی اس کا مقدر اور نصیب بنتی چلی جائے گی۔ آج امت مسلمہ کی کمزوری اور پستی کی اصل وجہ صرف اور صرف دین اسلام کی حقیقی تعلیمات سے منہ موڑنا ہے یا پھر اس کو کوئی اہمیت نہ دینا ہے، جس وجہ سے قرآن وحدیث کے علوم میں ہر ایرے غیرے کو موشگافیاں کرنے کا موقعہ مل گیا ہے۔

جس کی وجہ سے دین کی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے، اور خرافات نے دین کی جگہ لے لی ، اہل حق نے جب خرافات کے چہرے سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کرنے کی کوشش کی تو اہل باطل نے مخالفت کی راہ اختیار کی۔ جس کے نتیجے میں امت مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور امت کئی فرقوں میں بٹ گئی۔ جیسے قادیانی ، چکڑالوی، پرویزی ، ذِکری وغیرہ۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، بلکہ آج تو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں دن بدن فرقے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ علما کہلانے والے یا علمیت کا دعویٰ کرنے والے قرآن وحدیث کی من مانی تفسیر وتشریح کر لیتے ہیں، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے عوام میں سے ایک اچھی خاصی تعداد متبعین کی ان کو میسر آ جاتی ہے، غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اسے بھی کافی تعداد میں امتی میسر آ گئے، اور ذکری وغیرہ گروہ بن گئے، جن میں سے ہر فرقہ ''بمالدیھم فرحون'' کی تصویر ہے۔

اسی طرح افراط وتفریط کا یہ عالم ہے، بعض لوگوں نے صرف ایک آیت یا ایک حدیث

پر اپنے گروہ اور جماعت کی بنیاد رکھی، کوئی صرف ایک گروہ ''جماعۃ المسلمین'' سو کامیابی کا مصداق قرار دے رہا ہے، تو کسی نے نماز جوتیوں سمیت پڑھنے والی حدیث کو لے کر باقاعدہ جماعت بنالی، دوسری طرف ایسے بھی لوگ ہیں جو ان تمام فرقوں کو غلط قرار دیتے ہیں اور پھر فرقوں کے وجود کو حدیثِ رسول ﷺ کا قصور قرار دے کر تمام ذخیرہ احادیث تک کو رد کر دیتے ہیں۔

یہ گروہ، منکرین حدیث کا گروہ ہے جو کہ بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن زیادہ منظّم اور انتہائی جارحانہ انداز سے اس نے اب دوبارہ ہندوستان سے سر اٹھایا ہے اور باقاعدہ منظّم طریقے سے حدیث رسول ﷺ پر اعتراضات شروع کئے۔ پہلے اس کے وحی ہونے کا انکار کیا گیا، پھر اسے عجم کی سازش کہہ کر اس کے وجود سے بھی انکار کر دیا گیا، برصغیر میں شروع سے ہی عقیدے کی ناپختگی، علم کی کمی اور مختلف ادیان و مذاہب کی موجودگی کی بنا پر کسی بھی قسم کا دعویٰ کرنے والا یا جماعت و گروہ بنانے والے اپنے گرد افراد اکٹھا کرنے میں جلدی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گروہ غلام احمد قادیانی نے برصغیر میں نبوت کا دعویٰ کیا، تصوف کے سارے سلسلے برصغیر میں زیادہ پھولے پھلے، پھیلے اور زیادہ مستحکم ہوئے، اس طرح سب سے زیادہ سیاسی جماعتیں اور پارٹیاں بھی برصغیر میں پائی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ فتنہ انکارِ حدیث کو بھی برصغیر پاک و ہند میں زیادہ پذیرائی ملی۔ برصغیر میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اس فتنے کو فروغ دیا، اس بارے میں ماہنامہ محدث کے فتنہ ''انکارِ حدیث نمبر'' میں مواد تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اس فتنے کا موجد کون تھا اور پھر رفتہ رفتہ کس نے اسے پروان چڑھایا، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ جو حجیت حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں، ہندوستان میں انکارِ حدیث کی آواز اٹھاتے ہوئے منکروں کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت

سے انکار آواز اٹھائی، ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کی پیروی کی، بلکہ سرسید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے، کیونکہ سرسید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے، لیکن عزت واحترام کرتے تھے، واقعاتِ نبوی ﷺ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے برخلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی حدیث نبوی ﷺ ''لہوالحدیث'' سے موسوم کیا کرتے تھے۔''

فتنہ انکارحدیث کی تاریخ مولانا تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں:

یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ دین نے بلند کی، لیکن انہوں نے انکارِحدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور وضاحت پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا جہاں کوئی حدیث اپنے مزاج کے خلاف نظر آتی اس کی صحت سے انکار کردیا۔ خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی کہی گئی اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب کے لیے احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا ہے، اسی ذریعے سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا۔ معجزات کا انکار کیا گیا، پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سند جواز دی گئی۔ ان کے بعد انکارِحدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظّم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا، اور یہ فرقے کا بانی تھا جو اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہتے ہیں، اس کا مقصد کلیتاً حدیث سے انکار کرنا تھا، اس کے بعد اسلم جیراج پوری نے نظریہ اہل قرآن سے ہٹ کر اور بڑھایا یہاں تک کہ پرویز احمد نے اس فرقہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور اسے منظّم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دے دی، نوجوانوں کے لیے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی۔

اس کے بعد مولوی احمد دین امرتسری نے اس کا بیڑہ اٹھایا، پھر مولوی اسلم جے راج پوری اسے لے کر آگے بڑھے آخر کار اس کی ریاست چوہدری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی، جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا،

لیکن قارئین کرام! عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ ہے چند دنوں کے بعد اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جے راج پوری نے دوبارہ دبے ہوئے فتنے کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر محبان شمع رسالت ﷺ کے زخموں پر نمک پاشی کی، اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ ''طلوع اسلام'' اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمر بستہ ہیں کہ جن کا دین اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی مسلمان کو جو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ﷺ کا متبع کہتا ہے، یہ لائق ہے کہ وہ اس سے تعاون کرے اس کا مددگار بنے یا اس کی بات کو تسلیم کرے۔ کیونکہ اس کے خیالات کفریہ خیالات ہیں، جن سے بچنا اور دوسروں کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

مسٹر غلام احمد پرویز کے مطابق نبی کریم ﷺ کے فیصلے اور حکم بھی بدلے جا سکتے ہیں:

> ''(اسلامی نظام) سابقہ ادوار کے فیصلوں میں خواہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں ہی کیوں نہ صادر ہوئے ہوں، ردّ و بدل کر سکتا ہے اور بعض فیصلوں کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔'' ❶

مسٹر غلام احمد پرویز کے مطابق جنت و جہنم کے انکار کا انوکھا انداز: ''جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے، لیکن قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔'' ❷

پرویز صاحب ملائکہ کی بھی مادی توجیہ فرماتے ہیں:

> ''ملائکہ یعنی کائنات کی قوتیں جن سے رزق پیدا ہوتا ہے، انسان کے تابع فرمان ہیں۔'' ❸

قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے احادیث رسول ﷺ کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر قرآن کو صحابہ کرام بھی نہ سمجھ پائے، اگر ہر معاشرے کے لوگوں یا مختلف زمانوں میں قرآن

---

❶ شاہکارِ رسالت، ص: ۲۸۱. ❷ جھانِ فردا، ص: ۲۳۵.

❸ ابلیس و آدم، از پرویز، ص: ۵۲.

کی تفسیر لوگوں پر چھوڑ دی جائے تو ہر معاشرے کے لوگ اور مختلف زمانوں کے لوگ قرآن کی تشریح مختلف کریں گے تو جو دین اسلام اللہ نے مکمل کیا تھا تو مکمل کیسے ہوا؟

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۝﴾ (المائدہ : ۳)

لہٰذا مسٹر پرویز نے قرآن حکیم کی تفسیر بالحدیث کی بجائے زمانے کے تقاضوں کے مطابق کرنے کو صحیح کہا ہے۔

''قرآن کریم نے صرف اصولی احکام دیئے ہیں، اور یہ چیز انسانوں پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں جزئی قوانین ایک نظام کے تابع خود مرتب کریں۔''[1]

حالانکہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْآنِ كُفْرٌ .))[2]

''قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

معلوم ہوا کہ قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے، جھگڑا کب ہوگا؟ جب ہر شخص اپنی اپنی سوچ کے مطابق قرآن کی تفسیر و توضیح کرنے کی کوشش کرے گا۔

بہرحال قرآن کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی مرضی سے نہیں کہنا چاہیے، جب کہ مسٹر پرویز کہتا ہے کہ قرآن کی تشریح ہر انسان کا حق ہے، جس طرح چاہے حالات کے مطابق تشریح کر لیں، یہ نظریہ صرف اور صرف کفار کو تقویت دینے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے اس نے پیش کیا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں میں اختلاف ہوگا، جس سے وہ کمزور ہو جائیں گے، اور کافر مضبوط ہو جائیں گے، یہ فکر مسلمانوں کے لیے بڑا فتنہ ہے۔ جس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے۔

---

[1] لغات القرآن، ۲/۴۷۹.

[2] سنن ابی داؤد کتاب السنه، باب النهی عن الجدول فی القرآن، رقم: ٤٦٠٣، صحیح الجامع ٦٦٨٧.

قارئین کرام! کچھ معزز ترین اہل علم کے فتاویٰ بھی دیکھ لیجئے، تاکہ اس دلخراش فتنہ کی حقیقت کھل جائے۔

غلام احمد پرویز کے خلاف امام کعبہ عبداللہ سبیل کا فتویٰ:

الحمدللّٰہ وحده والصلاة والسلام على من لانبى بعده وعلى آلـه وأصـحـابـه أجمعين أما بعد: فإن منظمة (طلوع إسلام) والتـى تـصـدر مجلة بإسم "طلوع اسلام" وتنتمى إلى إمامها الـضـال (غـلام أحـمـد پـرويـز) الذى أنكر حجية الحديث الشـريف وأنـكـر الـمـعـجـزات وعذاب القبـر وكثيـر من ضـروريـات الـديـن والـحد وحرّف فى آيات القرآن الكريم وأقوال الرسول ﷺ مـمـا يتـعـلق بالصلاة والزكاة والحج والجنة والنار وغير ذلك۔

ولاشك أن غـلام احـمد پرويز وأتباعه ومن كان على عقائده الـمذكورة كفار خارجون عن ملة الاسلام وهم فى ذلك مثل الـقـاديانيين الكفرة۔ وقد آلمنا مابلغنا من أن هاتين الطائفتين "مـنـظـمة طـلوع إسلام" و "القاديانينن" تقوم بأنشطة متنوعة لـنشـر كـفـرياتها فى دولة الكويت الشقيقية وغيرها من دول الخليج۔

ويـجـب عـلـى الـمسـئولين والعلماء أن ينتبهوا لهذا الخطر الـعـظـيـم ويـعـمـلـوا لـلـحظر على أنشطتهم حتى لا تنتشر سمومهم بين المسلمين ، واللّٰه الهادى إلى سبيل الرشاد۔

وصـلـى الـلّٰـه عـلـى سيـدنـا ونبيا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وبارك وسلم تسليما۔

الرئيس العام لشئون المسجد الحرام والمسجد النبوی،
إمام و خطيب المسجد الحرام محمد عبدالله السبيل
"الحمدلله وحده والصلاة والسلام على من لانبی بعده وعلى آله وأصحابه أجمعين أما بعد:

(طلوع اسلام) نامی تنظیم جوطلوعِ اسلام کے نام سے ایک رسالہ نکال رہی ہے اور اپنے گرو پیشوا (غلام احمد پرویز) کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص حجیتِ حدیث، معجزات، عذابِ قبر اور بہت سی ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ اس ملحد نے قرآن کریم کی ان آیات اور نبی ﷺ کی ان احادیث میں تحریف کی ہے جو نماز، زکوٰۃ، حج، جنت اور دوزخ سے متعلق ہیں۔

یقیناً اس میں شک نہیں کہ غلام احمد پرویز اس کے متبعین اور جو بھی اس کے مذکورہ بالا عقائد کے حامل ہیں، کافر ہیں اور یہ لوگ قادیانیت کی طرح ملتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔

ہمیں اس بات کا دلی رنج اور دکھ ہوا کہ یہ دونوں فرقے پرویزی اور قادیانی اپنے کفریہ نظریات پھیلانے کے لیے برادر اسلامی ملک کویت خلیج کی دیگر ریاستوں میں مصروفِ عمل ہیں۔

حکومت کے ذمہ داران اور علماء کرام پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرے سے آگاہ رہیں، اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کارروائیوں پر پابندی لگائیں، تاکہ ان کا زہر مسلمانوں میں پھیل نہ سکے۔ والله الهادی إلى سبيل الرشاد۔ وصلى الله على سيدنا ونبيا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وبارك وسلم تسليما.

مفتی اعظم سعودی عرب

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ رحمہ اللہ کا فتویٰ

(فتویٰ نمبر ۲۱۱۶۸ مورخہ ۱۴/۱۱/۱۴۲۰ھ)

طلوع اسلام، نامی جماعت کے عقائد وافکار جو اس جماعت کے بانی غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں نے اپنی کتابوں اور مضامین کے ذریعے پھیلائے ہیں اور بہت سے اسلامی ملکوں میں اس جماعت کے خلاف علمائے مسلمین کی کثیر تعداد کی طرف سے جاری کئے گئے فتاویٰ سے آ گاہی کے بعد یہ واضح ہوگیا ہے کہ یہ جماعت متعدد گمراہیوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے اکثر یہ ہیں:

۱: اطاعتِ رسول ﷺ سے انحراف اور سنتِ کی حجیت (شرعی حیثیت) کا انکار کرنا، اور یہ وہم کہ صرف قرآن ہی شریعت کا ماخذ ہے۔

۲: ارکانِ اسلام میں تحریف کرنا اور ان کے ایسے مطالب لینا جو قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ اور حج ان کے نزدیک خاص معانی ہیں جو درحقیقت باطل توجیہات ہیں...... جیسا کہ خارج از اسلام باطنی فرقوں کی تحریفات ہیں۔

۳: ارکانِ ایمان میں تحریف کرنا جو قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ ملائکہ کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں، بلکہ وہ کائنات کو ودیعت کی گئی قوتوں کا حصہ ہیں، اور قضا وقدر ان کے نزدیک مجوسی فریب ہے۔

۴: جنت ودوزخ کا انکار ان کے نزدیک یہ حقیقی جگہیں نہیں ہیں۔

۵: سیّدنا آدم علیہ السلام کے ''ابوالبشر'' ہونے کا انکار کہ ان کے نزدیک وہ ایک تمثیلی قصہ ہے حقیقت نہیں۔

۶: قرآن کریم کی تفسیر اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق کرنا، اور کہنا کہ احکامِ قرآن عبوری (وقتی) تھے، ابدی نہیں تھے۔

اس کے علاوہ بھی اس جماعت نے بہت سے ایسے گمراہ عقائد وافکار اپنائے ہوئے ہیں (جن کی یہ دعوت بھی دیتے ہیں)، جن میں سے ایک عقیدہ اس جماعت کے اسلام سے خارج

ہونے اور اس کے زمرۂ مرتدین میں شامل ہونے کے لیے کافی ہے، چہ جائیکہ بہت سے عقائد کفریہ جمع ہوجائیں۔ علمائے اسلام کی بجائے اگر عام مسلمان لوگ بھی ان کے عقائد وافکار کے بارے میں غور وفکر کریں گے تو وہ بھی اس جماعت کی ضلالت وکفریات کے جاننے کے بعد اس کے کافر ومرتد ہونے کا یقینی فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ یہ جماعت اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلاتی اور مومنین کے راستے سے انحراف کرتی اور معروف ضروریاتِ دین میں تحریف کرتی ہے۔

جو کچھ اس جماعت کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، اس کی بنا پر جو بھی اس جماعت کی اتباع کرتا ہے، یا اس کی طرف دعوت دیتا ہے یا کسی بھی ذریعے لوگوں کو ان کی آرا سے متاثر کرتا ہے، وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے، اور مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس سے توبہ کروائے اور اگر وہ تائب ہوجائے، اور ایسی (کفریہ) حرکات سے باز آجائے اور اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک ورنہ ایسے کافر کو از روئے ارتداد قتل کردینا چاہیے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس گمراہ جماعت اور اس جیسی دوسری اسلام سے منحرف جماعتوں مثلاً قادیانیوں، بہائیوں وغیرہ سے بچیں، اور لوگوں کو بچائیں، اور ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑیں، اور صحابہ وتابعین کی اتباع کا التزام کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو جہاں کہیں بھی ہوں نیچا دکھائے، اور ان کے مکرو فریب کو نیست ونابود کرے۔ بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی اور بہترین وکیل ہے، اور تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ

دستخط

عبدالعزیز بن عبداللہ بن آل شیخ

چیئرمین فتویٰ کونسل

منکرین حدیث کے گروہ:

محدث العصر محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ اپنی عظیم کتاب حجیت حدیث میں رقمطراز ہیں:

''خوارج نے ۲۰۰ھ میں ان احادیث کا انکار کیا جو اہل بیت کے فضائل میں تھیں، اور ان کے بعد شیعہ حضرات نے ان احادیث کا انکار کیا، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تھیں، اور معتزلہ اور جہمیہ فرقوں نے احادیث صفات الٰہی کا انکار کیا۔ ۲۲۱ھ میں قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے متبعین اور ان کے ساتھ متاخرین فقہاء قاضی ابوزید دبوسی وغیرہ نے ان احادیث کا انکار کردیا جو غیر فقیہ صحابہ کرام سے مروی ہیں، ۴۰۰ھ کے بعد معتزلہ اور متکلمین نے اصول وفروع دونوں میں خبر واحد سے اختلاف کیا۔

۱۳۰۰ھ کے قریب قریب مولوی چراغ علی اور سرسید احمد خان نے احادیث کو تاریخ کا ذخیرہ قرار دیا، اور اپنا یہ اصول بنایا کہ جو حدیث نیچر کے موافق ہوگی وہ قابل قبول ہے، اور جو نیچر کے موافق نہیں، وہ قابل قبول نہیں......

۱۳۰۰ھ کے بعد ایک ایسا گروہ آیا جس نے احادیث کا بالکل ہی انکار کردیا، اس گروہ میں مولوی عبداللہ چکڑالوی، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، مولوی حشمت علی لاہوری اور مولوی رفیع الدین ملتانی شامل تھے۔

ان کے بعد ۱۴۰۰ھ میں ایک گروہ اور نمودار ہوا، جنہوں نے قرآن وحدیث اور پورے دین اسلام کو ایک کھیل قرار دیا اور ایک سیاسی نظریہ قائم کیا کہ اس میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔ اس گروہ میں مولوی احمد الدین امرتسری اور مسٹر غلام احمد پرویز شامل تھے۔ ان کے ساتھ کچھ ایسے حضرات بھی سامنے آئے، جنہیں منکرین حدیث کے گروہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکارِ حدیث کے چور دروازے کھل سکتے ہیں اس گروہ میں مولانا شبلی مرحوم، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور عام فرزندان فروہ باستثنائے حضرت سید سلیمان ندوی شامل ہیں۔ [1]

انکارِ حدیث کا فتنہ لے کھڑا ہے تو
اہل ضلالت کا قائد و رہبر بنا ہے تو

---

[1] حجیت حدیث للشیخ محمد اسماعیل سلفی.

باب نمبر:۱۰

منکرین حدیث کے اعتراضات

اوران کے جوابات

قارئین کرام! منکرین حدیث حدیث کورد کرنے کے لیے کچھ اعتراضات کرتے ہیں۔
اب ہم ان میں سے ہر ایک اعتراض کا بغور جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں کس قدر وزن ہے یا یہ بیہودگی کا شاہکار ہیں۔
جو بھی ان اعتراضات کی حیثیت ہو، اس کو کھول کر لوگوں کے سامنے واضح کر دیا جائے تا کہ جو شخص گمراہ ہونا چاہتا ہے...... وہ اپنے راستے پر چل نکلے، لیکن ہر قسم کے دلائل کو دیکھ لینے کے بعد اور جو حق کو قبول کرنا چاہتا ہے، وہ بھی دلائل کا مشاہدہ کرے، تا کہ اطمینان اور چین وسکون حاصل کرے۔

پہلا اعتراض:

قارئین کرام ! منکرین حدیث کا ایک اعتراض حدیث کو رد کرنے کے لیے یہ بھی ہے کہ احادیث مبارکہ میں اختلاف بہت ہے۔ جو کہ فتنہ کا باعث ہے، جس کی وجہ سے امت مسلمہ گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے، اس کی بنیادی وجہ احادیث کا اختلاف ہے۔ لہٰذا ہم حدیث کو ہی نہیں مانتے۔
قارئین کرام! حدیث کے اختلاف کی حقیقت کیا ہے؟ ہم اس پر بحث نہیں کر رہے؟ بحث ہے کہ کیا اختلاف کی وجہ سے احادیث کو رد کرنا چاہیے؟
اور اختلافات ہی رد کرنے کا سبب ہے؟

حدیث کو نہ ماننے کی وجہ اگر اختلاف ہے، تو قارئین کرام! ہم آپ کو بیسیوں آیتیں قرآن حکیم کی دکھا سکتے ہیں کہ جن میں بظاہر اختلاف ہے اگر اختلاف ہونا ہی رد کردینے کا سبب ہے تو ان آیات کو بھی ماننے سے انکار کردیجئے۔ چند آیات بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝﴾ (البقرہ : ۲۴۰)

’’جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں اللہ خوب غالب اور حکیم ہے۔‘‘

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جن عورتوں کے شوہر فوت ہو جائیں تو ان کو ایک سال تک فائدہ پہنچاؤ اور ان کو گھروں سے مت نکالو۔ لیکن دوسری آیت میں یوں ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۝﴾

(البقرہ : ۲۳۴)

’’تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں، پھر جب مدت ختم کرلیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔‘‘

کہ جن عورتوں کے شوہر فوت ہو جائیں تو وہ چار مہینے دس دن تک انتظار کریں یعنی عدت گزاریں، شوہروں کے گھروں میں رہیں، اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ چار مہینے

دس دن تک انتظار کرنا ہے۔ جبکہ اوپر والی میں ایک سال کا ذکر ہے۔ تو دونوں آیتوں میں ظاہری اختلاف ہے۔

﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝﴾

(الانفال: ٦٥)

''اے نبی ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ، اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تم اپنے سے دس گناہ بڑے لشکر کو شکست دے سکتے ہو لہٰذا دس گنا بڑے لشکر سے بھی لڑو۔ لیکن اس سے آگے والی آیت میں فرمایا کہ تم اپنے سے دوگناہ لشکر کو شکست دے سکتے ہو۔ لہٰذا اپنے سے دوگناہ بڑے لشکر کے ساتھ لڑائی کرو۔ پہلی آیت میں دس گناہ سے لڑنے کی ترغیب اور دوسری میں دوگناہ سے لڑنے کی ترغیب دونوں آیتیں ایک دوسرے کے ظاہری مخالف ہیں۔

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ۝﴾ (الاحزاب: ٥٢)

''اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے نکاح کرے اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو مگر جو تیری مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (پورا) نگہبان ہے۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اس کے بعد اب کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ جبکہ دوسری آیت:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا

مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ (الاحزاب : ۵۰)

''اے نبی ہم نے تیرے لیے وہ بیویاں حلال کردی ہیں، جنہیں تو ان کے مہردے چکا ہے اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے لیے نکاح کرنا جائز ہے، نکاح کر سکتے ہیں اوپر والی آیت نکاح سے منع کرتی ہے جبکہ دوسری آیت نکاح کی اجازت دیتی ہے۔ دونوں میں ظاہری اختلاف ہے ایک ماننے سے دوسرے کا انکار لازم آتا ہے۔

یہ تو تین مثالیں قرآنی آیات کے بظاہر اختلاف کی ہیں، ایسی بیسیوں آیات منکرین باطل کے سامنے پیش کی جاسکتی ہیں۔ تو کیا وہ اپنے کفریہ نظریہ کے مطابق اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے؟ اگر تاویل کرکے ان کے اختلاف کو ختم کریں گے تو کیا ایسے تاویل کر کے حدیث کے اختلاف کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کیا جاسکتا ہے تو پھر انکار کیوں؟ لہٰذا اپنے کفریہ نظریہ سے تائب ہوجائیں، یہی عافیت کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اگر ان آیات کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے ناسخ ومنسوخ اور دوسرے دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے تو احادیث مبارکہ میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟

منکرین حدیث کے بقول حدیث کو اگر مانیں تو اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، جناب عالی! اگر حدیث کو نہ مانا جائے تو کیا اختلاف ختم ہوجائے گا؟ اگر اختلاف ختم ہوجائے گا تو ذرا کر کے دکھا دیجئے!

دو منکرین حدیث میں اختلاف ہوگیا ہے، ایک زید ہے اور دوسرا بکر ہے۔

زید کہتا ہے: پانچ نمازیں فرض ہیں۔

بکر کہتا ہے: نہیں تین نمازیں فرض ہیں۔

ان دونوں میں صحیح کون ہے اور غلط کون فیصلہ کون کرے گا؟

زید کہتا ہے: ظہر کی چار رکعات ہیں۔

بکر کہتا ہے: تین رکعات ہیں۔

زید کہتا ہے: میں بیٹھ کر سلام پھیروں گا۔

بکر کہتا ہے: میں کھڑے ہو کر سلام پھیروں گا۔

زید کہتا ہے: ایک ہی سجدہ کافی ہے دوسرے کی ضرورت نہیں ہے۔

بکر کہتا ہے: میں تو ایک ایک رکعت میں تین تین سجدے کروں گا۔

محترم! ذرا جواب عنایت فرمائیں کہ ان دونوں کے اختلاف کا حل کہاں سے آئے گا؟

آپ نے حدیث کو اس لیے رد کر دیا تھا کہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختلاف تو حدیث کو رد کرنے کے باوجود باقی ہے، نا صرف باقی ہے۔ بلکہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ہر دو افراد میں شدید ترین اختلاف ہر مسئلہ میں واقعہ ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ایک مثال سے اوپر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیسیوں مسائل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سفر اور حضر نمازوں کے اوقات وغیرہ میں اختلاف ہوجائے گا۔ اس اختلاف کو حل کون کرے گا؟

اگر جناب عالی ارشاد فرمائیں کہ ان مسائل کا تعین وقت کا حکمران کرے گا تو ہم عالی جناب سے سوال کریں گے کہ حکمران کو یہ اتھارٹی کس نے دی ہے کہ وہ اللہ کے دین کا تعین کرے، جبکہ یہ اتھارٹی تو اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو بھی نہیں دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝﴾ (الحاقه : ٤٤-٤٦)

''اگر یہ (ہمارا پیغمبر) بھی اپنی کسی بات کو ہماری طرف منسوب کر دیتا، تو ہم اس کو بھی اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔''

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں! کہ دین میں کمی اور زیادتی کا اختیار اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی نہیں دیا تو حکمران کون ہوتا ہے؟ کہ دین میں کمی یا زیادتی کر سکے۔ جب حکمران کمی اور زیادتی نہیں کر سکتا، تو پھر تعین اور وضاحت تو نہ ہو سکے گی۔ جب نہ ہو سکے گی تو اختلاف تو باقی رہا۔

جب مشکل سے نکلنے کے لیے حدیث کا انکار کیا تھا۔ انکار کرنے سے تو اس سے بڑی مصیبت اور مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ لہٰذا امن و عافیت کا راستہ یہی ہے کہ انکار حدیث سے توبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو دل کی اتھا گہرائیوں سے قبول کریں، تاکہ دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات مل جائے۔ کیونکہ یہ نجات اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اللہ ہمیں اس راستے کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دوسرا اعتراض (حدیث قرآن کے خلاف ہے):

قارئین کرام! منکرین کا یہ اعتراض بھی انتہائی بودہ ہے۔ کیونکہ حدیث قرآن کی وضاحت ہے نہ کہ اس سے ٹکرانے والی۔ یہ الگ بات ہے کہ رب نے ذہن ماؤف کر دیے ہوں، جن میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی ہو کہ جنہوں نے معمولی بظاہر ٹکراؤ کو انتہائی خطرناک اختلاف باور کرایا ہو۔

منکرین اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل کے طور پر ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ جس میں ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹوں کا ذکر ہے۔ جبکہ قرآن سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو سچا نبی قرار دیتا ہے۔ حدیث جھوٹ کا الزام لگاتی ہے۔ لہٰذا حدیث کو رد کر دیتے ہیں، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

مذکورہ واقعات کو حدیث رسول ﷺ جھوٹ کی طرف منسوب کرتی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا ابراہیم کا مذکورہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ توریہ ہے یعنی ایسا انداز کہ جس سے سامنے والا مقصد تک غور و خوض کے بعد پہنچے بالفاظ دیگر یہ انداز بہتر طور پر سمجھانے کے لیے اپنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنایا۔

﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا﴾

''بلکہ یہ ان کے اس بڑے کی کارستانی ہے۔''

ا: بڑے بت کو چھوڑ دیا بقایا سب کو توڑ دیا۔ پوچھنے پر جواب دیا کہ بڑے نے توڑا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ اگر جھوٹ ہی بولنا تھا تو کیا اس کا یہی جواب ہونا چاہیے تھا یا یہ

ہونا چاہیے تھا کہ مجھے تو کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ یقیناً یہی ہونا چاہیے تھا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں، لیکن یہ جواب نہیں دیا، بلکہ کہا کہ بڑے نے توڑا ہے۔ تاکہ ان پر بہتر انداز میں یہ بات واضح ہوجائے کہ یہ پتھر کی بنی مورتیاں اور یہ بت کچھ نہیں کرسکتے۔ تو انہوں نے توڑنا کہاں سے ہے؟ سیّدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے اس مقصد میں قرآن کے الفاظ میں کامیاب ہوئے، خود کافروں نے اقرار کیا کہ یہ کچھ نہیں کرسکتے۔

سیّدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے مذکورہ انداز اسی لیے اپنایا تھا۔ تاکہ باطل کو اپنے باطل ہونے کا اچھی طرح یقین ہوجائے۔ ناکہ جھوٹ بولنے کے لیے اور نہ ہی جھوٹ بولا۔ بلکہ اس انداز کو توریہ کہاجاتا ہے۔ لیکن اگر یہ جھوٹ بھی ہے تو اس کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کو بھی رد کردیجئے، کیونکہ قرآن ایک طرف ابراہیم کو سچا کہتا ہے اور دوسری طرف خود اس کے جھوٹ کو نقل کرتا ہے۔

لہٰذا آپ کے نظریہ کے مطابق آپ کے پاس قرآن کو نہ ماننے کی دو وجوہ ہوگئیں۔

۱: سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر جھوٹ کا الزام

۲: قرآن حکیم کی دو آیات میں باہمی اختلاف

اپنے نظریہ کے بارے میں فیصلہ خود کرلیجئے۔

آپ کو اپنا چہرہ خوب اچھی طرح نظر آجائے گا۔ شاید یہی تیرے اندر انقلاب کا سبب بن جائے۔

اندازِ بیاں اگرچہ میرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اپنی بیوی سارہ کے ساتھ ایک جابر حکمران کے علاقے میں گزرے۔ وہ حکمران خوبصورت عورتیں چھین لیتا تھا اور اگر ساتھ میں شوہر ہوتا تو اس کو قتل کروا دیتا تھا۔ سیدہ سارہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو بھی اس حکمران نے طلب کیا، تو سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے سارہ کو کہا کہ تم مجھے

اپنا بھائی ظاہر کرنا۔ ❶

اس حدیث میں مزید وضاحت ہے:

((وَاللّٰهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ غَيْرِي وَغَيْرُكِ))

''اللہ کی قسم! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی بھی مومن (جوڑا) نہیں ہے۔''

اس موقع پر اپنی بیوی کو بہن کہا ہے۔ اب یہ بھی بظاہر جھوٹ ہے، لیکن حقیقت میں جھوٹ ہے بھی نہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں، کیونکہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اس حیثیت سے سب ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں، لہٰذا جھوٹ نہ رہا، اور پھر یہ جھوٹ اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ اپنے آپ کو ظلم وزیادتی سے بچانا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو بچانے کے لیے جھوٹ بولے تو ایسے شخص کو تو رب تعالیٰ بھی معاف کر دیتا ہے۔ اور اس کے جھوٹ کو جھوٹ نہیں مانتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل : ١٠٦)

''کہ جس نے مجبوراً کلمہ کفر کہہ بھی دیا، لیکن دل ایمان پر مطمئن ہے (تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے)''

تو جو اب بھی اس جھوٹ کو معیوب قرار دیتا ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس جھوٹ کو عیب بنا کر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی شان میں کمی کا سوچ کر حدیث رسول ﷺ کو رد کر دیں۔ یقیناً ہمیں ضرورت نہیں ہے اور قرآن وحدیث میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہی فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء المملوك من الحرمي وبهته وعتقه، رقم: ٢٢١٧، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی واتخذ الله ابراهيم خليلا (النساء) وقوله...... ان ابراهيم كان امة قانتا لله (النحل) رقم: ٣٣٥٧، ٣٣٥٨.

تیسرا واقعہ وہ کہ جب سیّدنا ابراہیم کی قوم نے انہیں میلے پر جانے کی دعوت دی تو انہوں نے معذوری ظاہر کی یعنی ''إِنِّیْ سَقِیْمٌ'' بلاشبہ میں بیمار ہوں۔ چونکہ انسان کو کوئی نہ کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اس لیے سفید جھوٹ نہیں تھا یا انہیں بتوں کی بیماری لاحق تھی۔

یہ انداز مخالفین کو انتہائی بیچ اور ذلیل کرنے کے لیے اور ان کی ہر قسم کی دلیل کو ختم کرنے کے لیے اپنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم مخالفین سے کسی مسئلہ پر کہتے ہیں، چلو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں تم ذرا اس کو ثابت کر کے تو دکھاؤ۔ لیکن وہ ثابت نہیں کر سکتے، تو ہم پیچھے ہٹ جاتے ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے اس کردار کو کوئی جھوٹا نہیں کہے گا، بلکہ مخالفین کو ذلیل کیا جائے گا کہ وہ تو ماننے کے لیے تیار تھے، لیکن تم ہی ثابت نہ کر سکے۔ یہاں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی انداز ہے۔ جس کو کوئی بھی صاحب عقل حقیقی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اصل مقصد اصلاح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِی یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِی خَیْرًا.)) [1]

''کہ وہ جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان اصلاح کراتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے (اصلاح کے لئے) ٹھیک کہتا ہے اور جو چغل خوری (اصلاح کے لئے) کرتا ہے (وہ جھوٹا نہیں ہے)۔''

یہاں اگر یہ اعتراض ہے کہ حدیث قرآن کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، تو یہاں معترضین پر یہ اعتراض بھی ہے کہ یہاں دو جھوٹ تو قرآن میں مذکور ہیں۔ لہٰذا قرآن میں اختلاف ہے تو یہ بھی دلیل وحجت نہ رہا۔

غور فرمائیے! اصلاح کی غرض سے جھوٹ بولنے والا شریعت کی نگاہ میں جھوٹا نہیں، جیسا کہ قرآن نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو سچا نبی قرار دیا ہے، لیکن اگر جھوٹ کی تعریف کے مطابق

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس، رقم: ۲۶۹۲، کتاب البر والصلة، باب تحریم الکذب وبیان ما یباح عنه، رقم: ۶۶۳۳.

دیکھیں یعنی خلاف واقعہ بات کہنا تو جھوٹ بھی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا: لیکن یہ جھوٹ قابل مواخذہ قطعاً نہیں ہے، بلکہ ایسے جھوٹ قابل تحسین ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کی حدیث نے واضح کیا ہے، لہٰذا یہ جھوٹ اپنے حقیقی معنوں میں جھوٹ نہ رہا جو کہ ابراہیم کے لیے معیوب ہو۔

تیسرا اعتراض:

حدیث وحی نہیں ہے۔ جو چیز وحی نہ ہو وہ حجت نہیں ہوسکتی۔ وحی صرف قرآن مجید ہے۔ سنت آپ کی طرف وحی نہیں کی گئی۔ لہٰذا وہ حجت نہیں۔

دلیل......: اللہ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ (الانعام : ۱۹)

''قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے۔''

منکرین حدیث کی یہ دلیل ان کے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن سیّدنا محمد ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ہے ان کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں، کیونکہ قرآن کے وحی ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ لیکن کسی آیت میں حصر نہیں کہ قرآن ہی میں وحی ہے۔ کوئی اور چیز نہیں۔ دعویٰ اور ہے دلیل اور ہے۔

دلیل نمبر۲:

﴿وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۝﴾ (الکهف : ۲۷)

کہتے ہیں کہ ''دونہ'' کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی قرآن کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں اور سنت قرآن کے علاوہ ہے، لہٰذا حجت نہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ''دونہ'' کی ضمیر کو قرآن کی طرف لوٹانا تفسیر نہیں، بلکہ تحریف ہے۔ کیونکہ دونہ کی ضمیر ''ربك'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کتاب کی طرف نہیں۔

دلیل......: قرآن کی دوسری آیت شاہد ہے۔

﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾

(الجن : ۲۲)

یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ معلوم ہوا پناہ گاہ ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا مرجع کتاب ہے تو کتاب فقط قرآن ہی ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے۔ جب کہ کتاب کا لفظ قرآن میں قرآن کے علاوہ پر بھی بولا گیا ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء : ۱۰۳)

یہاں نماز پر کتاب کا لفظ بولا گیا ہے۔

اسی طرح لوح محفوظ پر بھی کتاب کا اطلاق ہوا ہے۔

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا﴾ (النباء : ۲۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام : ۳۸)

ان دونوں آیات میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے بار بار فرمایا: یا اھل الکتاب وہاں کتاب سے مراد کون سی کتاب ہے اور اہل کتاب سے مراد کون کون ہیں؟ اس کا تعین کیسے ہوگا؟

اسی طرح کتاب اللہ سے حدیث مراد لی گئی ہے۔ جیسے صحیح بخاری میں مروی ہے:

دو آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان میں سے ایک شخص کے زانی لڑکے کو سو کوڑے اور ایک سالہ جلاوطنی کی سزا دی۔ قرآن میں بدکار کی حد سو کوڑے ہے کسی جلاوطنی کی سزا نہیں ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ [1] یہاں کتاب اللہ سے مراد حدیث ہی لی گئی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵ و ۲۳۱۵، ۲۶۴۹، ⇦⇦⇦

حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی وحی الٰہی ہے، کیونکہ رسول اللہ جو کچھ بھی دین کے معاملہ میں کہتے ہیں، وہ اللہ کے حکم سے ہی کہتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، کیونکہ آپ ﷺ کو اس چیز کا پابند کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے دین کے معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ o لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ o ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ o فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ o وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ o﴾ (الحاقه : ٤٤ تا ٤٨)

"اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتے تو البتہ ہم آپ کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر آپ کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔"

اندازہ کیجئے! آپ ﷺ کو سخت ترین وعید سنائی گئی ہے، اپنی طرف سے دین میں کبھی بھی کسی قسم کی مداخلت کرنے کی صورت میں، تو جب آپ ﷺ دین میں اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتے، بلکہ جو کچھ بولتے ہیں وہ اللہ کے حکم کے مطابق بولتے ہیں تو یقیناً آپ ﷺ کی ہر بات وحی الٰہی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کی کئی آیات میں اس چیز کی وضاحت فرمائی ہے کہ میرا پیغمبر تو بس ہمارے احکام کا پابند ہے۔ جو کچھ اس کو کہہ دیا جاتا ہے وہی تم تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ صراحت اللہ مہربان نے اس لیے فرمائی، تا کہ بد باطن لوگ یقین کر لیں کہ رسول ﷺ کی ہر بات وحی الٰہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

⇦⇦⇦ ٢٧٢٥، ٦٦٣٤، صحيح مسلم، كتاب الحدود، رقم: ٤٤٣٥، سنن ابی داؤد كتاب الحدود، رقم: ٤٤٤٥، سنن ترمذی، كتاب الحدود، رقم: ١٤٣٣ سنن نسائی، كتاب آداب القضاة، رقم: ٤٤١٠، ٥٤١١ سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، رقم: ٢٥٤٩، موطا امام مالك، كتاب الحدود، رقم: ١٦٤٢ و احمد ١١٥/٤.

الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الانعام : ۵۰)

’’آپ کہہ دیجئے! نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔‘‘

اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ سے تمام خرق عادت امور کی نفی کردی گئی، نیز یہ بھی وضاحت کردی گئی کہ میں بس وحی (اللہ کے پیغام) کی ہی پیروی کرتا ہوں، معلوم ہوا حدیث وحی الٰہی ہے۔

﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف : ۲۰۳)

’’اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے، آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں، جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے، یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

غور کیجئے! آپ ﷺ سے کفار معجزہ کا مطالبہ کرتے، لیکن آپ ﷺ اس کے جواب میں فرماتے کہ میں تو اللہ کے احکامات کا پابند ہوں۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہوں میرے بس میں معجزہ دکھانا نہیں ہے میرا کام تو وحی الٰہی کی پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو اس چیز کا پابند کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ (یونس : ۱۰۹)

’’جو آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی گئی ہے اس کی پیروی کریں، اور اللہ تعالیٰ

کے فیصلہ فرما دینے تک صبر کا مظاہرہ کریں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔‘‘

قارئین کرام! ان تمام آیات پر غور فرمائیں معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ اللہ کی وحی کے پابند ہیں۔ وحی الٰہی کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو وحی الٰہی میں قطعاً دخل اندازی کی اجازت نہیں ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث وحی الٰہی نہ ہو۔ یقیناً آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ بھی وحی الٰہی ہے، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم آپ حضرات کے سامنے قرآن میں بیان کردہ کچھ ایسے واقعات بیان کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن آپ ﷺ کی حدیث کو بھی وحی الٰہی قرار دیتا ہے۔

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (التحریم : ۳)

’’پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا، اے نبی کی دونو بیویو اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو بہت بہتر ہے۔‘‘

آپ ﷺ کو اس پورے واقعہ کی خبر وحی کے ذریعے سے دی گئی، جس کی صراحت خود قرآن پاک کررہا ہے کہ

﴿نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (التحریم : ۳)

’’مجھے علیم الخبیر نے بتایا ہے۔‘‘

اگر وحی صرف اور صرف قرآن کا نام ہے، حدیث وحی الٰہی نہیں ہے تو پھر وہ واقعہ کہ جو آپ ﷺ کو مذکورہ آیت میں بتایا گیا، جس کی طرف آپ ﷺ کی رہنمائی کی گئی ہے اور جس کا قرآن خود اعتراف کرتا ہے کہ آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ مجھے علیم الخبیر نے خبر دی ہے۔ وہ واقعہ پورے قرآن سے ثابت کرکے دکھائیں جو کہ نہیں ہوسکتا۔ تو جب ثابت نہیں ہوسکتا تو ماننا پڑے گا کہ حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے کہ جس کی صراحت

قرآن کی مذکورہ آیت کرتی ہے۔ دوسرا واقعہ قرآن بیان کرتا ہے۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (الفتح : ٢٧،٢٨)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو واقعۂ خواب سچا دکھایا کہ اِنْ شَاءَ اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوؤ گے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے چین کے ساتھ نڈر ہو کر، وہ ان امور کو جانتا ہے، جنہیں تم نہیں جانتے، پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔''

اس آیت میں آپ ﷺ کے خواب کا ذکر ہے، وہ خواب کیا تھا کہ جس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مذخورہ آیت میں کیا ہے، پورا قرآن اٹھا لیجیے کہیں آپ حضرات کو خواب نہیں ملے گا اگر ملے گا تو حدیثِ رسول ﷺ میں جس کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے تو اسی سے بھی ثابت ہوا کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے، اسی وجہ سے قرآن اس کی تائید ووضاحت کررہا ہے۔ تیسرا واقعہ جس سے حدیث رسول ﷺ کا وحی الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ (البقرہ : ١٤٣)

''جس قبلہ پر پہلے تھے اس کو تو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا، تاکہ ہم یہ جان لیں کہ کون رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون نہیں کرتا۔''

قارئین کرام! ارشادِ ربانی پر غور فرمائیں کہ پہلے قبلہ کو ہم نے مقرر کیا، بیت المقدس کو

قبلہ بنانے کا حکم پورے قرآن میں نہیں ہے، اگر حدیث رسول ﷺ کو وحی الٰہی نہ مانا جائے تو پھر قرآن کے اس حکم کو کیا کہو گے؟؟

کہ قبلہ ہم نے مقرر کیا، حالانکہ قرآن میں اس کا کوئی حکم موجود نہیں، ذرا سوچئے کہیں معاذ اللہ قرآن پر تہمت تو نہیں لگے گی۔قرآن کی طرف انگلیاں تو نہیں اٹھیں گی، یقیناً اٹھیں گی، تہمت لگی شیخ کہا کرتے:

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تو پھر ایسے گندے نظریے اور فکر سے تائب ہونا چاہیے کہ جس کی وجہ سے قرآن پر حرف آتا ہو جس کی وجہ سے حق بدنام ہوتا ہو۔

جس کی وجہ سے اختلاف و انتشار پیدا ہوتا ہے جو امت مسلمہ کو کمزور کرنے والا ہے یہ فکر اور سوچ ہے جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

قارئین کرام! بیسیوں ایسے واقعات قرآن نے نقل کئے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے حدیثِ رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے اور اس کے وحی الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چند ایک واقعات آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں، سمجھنے کے لیے کافی ہیں، بشرطیکہ دل میں ایمان ہو اور رب نے دل پر مہر نہ لگا دی ہو، کیونکہ دلوں کے بند ہوجانے کی صورت میں ہزاروں لاکھوں دلائل بھی کارگر ثابت نہ ہوں گے ، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی آفت سے محفوظ رکھے۔اور اپنے نبی محترم ﷺ کی سنت سے پیار اور محبت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کی زبان سے نکلنے والے کلمات وحی الٰہی ہیں، بس اتفاق اتنا ہے کہ قرآن رب کے الفاظ ہیں جبکہ حدیث رسول ﷺ کے الفاظ، اللہ تعالیٰ کے مفہوم کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں، دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہیں۔اب ہم چند پیش گوئیاں آپ حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے بے شمار پیش گوئیاں فرمائیں، بعض پوری ہوچکی ہیں اور باقی ماندہ انشاء اللہ پوری ہوکر رہیں گی، یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی تھیں اور اس کا اقرار نبی محترم ﷺ بھی گاہے بگاہے فرماتے رہتے تھے:

۱: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! سب سے پہلے آپ مجھے ملو گی۔ ❶

۲: سیدنا سراقہ سے فرمایا: سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ ❷

۳: جس وقت سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر کے پاس بھیجا تو فرمایا کہ تم اس کو گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے چنانچہ اسی طرح ہی ہوا۔ ❸

۴: خیبر کے بارے میں اطلاع دی کہ کل ایک بندے کے ہاتھ پر فتح ہوجائے گا اور صبح خیبر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔ ❹

۵: آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اتفاق کا سبب ہوگا۔ ❺

اسی طرح نبی مکرم ﷺ نے قیامت کی علامت اور اس سے پہلے پیش آنے والے واقعات کی خبر دی جو کہ علم غیب سے تعلق رکھتی ہے اور قرآن و حدیث کی قطعی نصوص اس کو واضح کرتی ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی اس کی صفات عالیہ میں۔ تو جب اس کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، تو پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ غیب کی خبریں کیسے دیں؟ جبکہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص اس چیز کی بھی وضاحت کرتی ہیں کہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ٣٧١٦.

❷ الخصائص الكبرى للبيهقى: ١١٣/٢.

❸ كنز العمال، ٣١٥/٥، والبدايه والنهايه: ١٧/٥

❹ صحیح بخاری، كتاب المغازى، رقم: ٤٢٠٩.

❺ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ٣٧٤٦.

آپ ﷺ علم الغیب نہیں جانتے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ آپ ﷺ کہیے:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ۝﴾ (الاعراف : ۱۸۸)

''کہ اگر میں علم غیب جانتا ہوتا تو میں تو بہت سی خیر حاصل کر لیتا اور مجھے (کبھی بھی) کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔''

جب آپ ﷺ غیب نہیں جانتے، تو پھر یہ غیب کی خبریں آپ ﷺ کہاں سے دے رہے ہیں۔ اس کا قطعی جواب یہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی سے دے رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝﴾ (التکویر : ۲٤)

''اور وہ غیب کی خبروں پر بخیل نہیں۔ جو خبریں اس کو دی جاتی ہیں، وہ تمہیں پہنچا دیتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی غیب کی خبریں بھی وحی الٰہی ہیں۔

جن کا ذکر اگرچہ قرآن میں نہیں، لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی جو کہ قرآن کے علاوہ ہے۔ اور وہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں: لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے، اور اس کے وحی الٰہی ہونے میں ایک ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے، اور اگر کوئی شک کرے گا تو یقیناً اس کا ایمان سلامت نہیں رہے گا بلکہ وہ بدبخت ومردود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فاسد نظریات وخیالات سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین

سیدنا حسان بن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَانَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ .)) [1]

''سیّدنا جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن کریم کی طرح سنت لے

---

[1] سنن دارمی، باب السنة قاضية على كتاب ، رقم : ۵۸۸.

کر بھی آئے تھے۔''

قارئین کرام! پیغمبروں کی طرف وحی کی جاتی ہے، اس کی کئی اقسام ہیں، مثلاً جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی کتابی شکل میں موجود ہو۔ غیر متلو جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، یعنی کتابی شکل میں یا رب کے الفاظ نہ ہوں، بلکہ مفہوم و معنی اللہ کی طرف سے ہو، لیکن الفاظ پیغمبروں کی اپنی زبان سے جاری ہوں جیسے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو جو کہ فرعون سے ہوئی تھی۔ قرآن میں اس کو بھی وحی الٰہی ہی کہا گیا ہے، حالانکہ تورات فرعون کے غرق ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگر وحی صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ کتاب کا نام ہے اور پیغمبر کی تفسیر و توضیح وحی نہیں ہے، تو پھر قرآن نے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کو وحی الٰہی کہا ہے، حالانکہ تورات اس کے بعد نازل ہوئی ہے، تو اس کو کیا کہا جائے گا؟ کیا قرآن نے غلط کہا ہے؟ یا یارانِ فتنہ کے دماغ خراب ہو چکے ہیں؟ یقیناً دماغ خراب ہو چکے ہیں، ایسے لوگوں سے بچنا ہی بہتر ہے۔

شیخ الحدیث ابومحمد حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ رقم طراز ہیں :ایک عام مسلمان بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حضرت نوح ، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف جو وحی بھیجی گئی اس کا تعلق وحی خفی سے تھا، یعنی وہ وحی متلو نہ تھی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے جو فکری جنگ لڑی تھی وہ حدیث کے ہتھیار سے لڑی تھی، کیونکہ تورات تو فرعون کے غرق ہونے کے بعد عطا ہوئی تھی، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تینوں اقسام کی وحی سے امر الٰہی نازل ہوتا تھا، چونکہ قرآن مجید صرف ایک قسم کی وحی پر مشتمل ہے، لہٰذا دیگر اقسام وحی سے ''حدیث وسنت'' نازل ہوئی اگر احادیث کو ان اقسام وحی میں شمار نہ کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقیہ دو اقسام پر مشتمل وحی الٰہی کہاں غائب ہوگئی ان کا غائب ہونا ناممکن ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ بقیہ اقسام حدیث کی صحت میں رسول اللہ پر نازل ہوئیں۔ [1]

---

[1] حجیت حدیث ، ص: ۱۹/۲۰

سنتِ رسول ﷺ قرآن ہی کی تفسیر ہے:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث قرآن کی حقیقی تفسیر ہے۔ اس پر تفسیر کی ڈیوٹی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی خود لگائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (النحل : ٤٤)

''اس ذکر (قرآن) کو ہم نے آپ کی طرف نازل کر دیا ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ آپ لوگوں کو قرآن کی تفسیر وتوضیح بیان کریں، معنی ومفہوم سمجھائیں، تو جب آپ ﷺ اس کے پابند تھے، یہ بات بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ اپنے مرضی سے کچھ بھی نہیں تھے، جیسا کہ ہم پیچھے واضح کر آئے ہیں تو ذرا غور کیجئے کہ آپ ﷺ تفسیر وتوضیح کے پابند اپنی مرضی سے کچھ بھی دین میں نہ کرتے تھے نہ کہتے تھے۔

تو آپ ﷺ کی تفسیر وتوضیح اور معنی ومفہوم کی حیثیت کیا ہے؟ اور کس کی طرف سے ہے؟ ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ یہ تفسیر وتوضیح بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، تو جب یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر یہی سب سے اوّل اور افضل ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی کلام کی شکل معنی ومفہوم اسی مہربان کا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

جب ہم اس کو پڑھیں تو آپ ﷺ بھی اس قرآن کی پیروی کریں، پھر اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

قارئین کرام! اندازہ کریں، قرآن کی وضاحت اللہ مہربان کی طرف سے ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی حدیث رسول کے قرآن کی تفسیر ہونے میں شک کرے۔ تو افسوس ہی کیا جاسکتا ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب ہم آپ کے ملاحظہ کے لیے چند مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ آجائے کہ حدیث رسول ﷺ ہی قرآن کی سب سے بہترین اور حرف آخر تفسیر ہے۔ درج آیت کے نزول پر:

۱: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پریشانی ہوئی چنانچہ

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبَسُوْا اِيْمَانَهُمْ بظُلْم﴾ شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وأَيُّنَا لَايَظْلِمُ نَفْسَهٗ ، قَالَ ((لَيْسَ ذٰلِكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ أَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا قَالَ لُقْمَانُ لِاِبْنِهٖ يَابُنَيَّ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان میں ظلم شامل نہیں کیا'' (انعام :۸۳) تو تمام مسلمان پریشان ہوگئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ایسا ہے، جس نے کوئی ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''آیت میں ظلم سے مراد گناہ نہیں بلکہ شرک ہے، کیا تم نے سیدنا لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت نہیں سنی اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا، کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

آپ ﷺ کی تفسیر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پریشانی ختم ہوئی۔

۲: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (بقرہ: ۱۸٤)

''تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو (روزہ نہ رکھے) تو (رمضان کے بعد) دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''

اس آیت میں مریض سے کون کون مراد ہیں؟ اس کی وضاحت نہیں ہے لیکن حدیث

---

[1] صحیح سنن ترمذی، رقم: ۲٤٥۲، اس کی مکمل تخریج پیچھے گزر چکی ہے۔

نے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((إِنَّ اللّٰـهَ وَضَـعَ عَـنِ الْمُسَافِرِ نِصْفُ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ وَعَنِ الْحُبْلٰى وَالْمُرْضِع .))❶

''''اللہ تعالیٰ نے مسافروں کو روزہ موخر کرنے اور نصف نماز کی رخصت دی ہے جبکہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو صرف روزہ موخر کرنے کی رخصت دی ہے۔''

۳: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (نور: ۲)

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سوسو کوڑے مارو اور اللہ تعالیٰ کے دین (کو نافذ کرنے) کے معاملے میں تم کو ترس نہ آئے۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت میں زانی کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے، لیکن یہ وضاحت نہ تھی کہ یہ سزا شادی شدہ جوڑے کی ہے، یا غیر شادی شدہ کے لیے ہے۔ چنانچہ حدیث رسول ﷺ نے اس کی وضاحت کی کہ مذکورہ سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے۔ شادی شدہ کو رجم کرنا ضروری ہے جیسا کہ آنے والے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

((قَـالَ جَـاءَ مَـاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَـاعْتَـرَفَ بِالزِّنَا مَـرَّتَيْـنِ فَـطَـرَدَهُ ثُمَّ جَاءَ فَاعْتَرَفَ بِاالزِّنَا مَرَّتَيْنِ فَقَالَ (شَهِدْتَ

❶ صحيح سنن نسائی، كتاب الصيام، رقم: ۲۲۷٤ سنن ابوداؤد كتاب الصوم، رقم: ۲٤۰۸، ترمذی، كتاب الصوم، ما جاء فی الرخصه فی الافطار للحبلی والمرضح وبخاری كتاب التفسير، باب ۲۵ قوله تعالی ایامًا معدوداات فمن كان...... وابن ماجه كتاب الصيام، باب ما جاء فی الافطار للحامل والرفع ۱٦٦۷ (حسن صحيح)، للبانی صحيح سنن نسائی، كتاب الصيام، رقم: ۲۲۷٤، سنن ابی داؤد، رقم: ۲٤۰۸.

عَلٰی نَفْسِكَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ اذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ .))[1]

''ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو مرتبہ زنا کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں واپس لوٹا دیا۔ ماعز رضی اللہ عنہ پھر حاضر ہوئے اور دو مرتبہ زنا کا اعتراف کیا۔ تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم نے چار مرتبہ اپنے خلاف گواہی دے دی (تب لوگوں کو حکم دیا) جاؤ اسے سنگسار کردو۔''

۴: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (المائدہ : ۳)

''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ جانور جس پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ.))[2]

''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں: دو مردار، مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔''

اس آیت میں کچھ حرام چیزوں کو بیان کیا گیا، ان میں سے مردار بھی ہے، لیکن حدیث رسول ﷺ نے مردار میں سے مچھلی اور ٹڈی کی تخصیص فرمادی کہ یہ دونوں مردار حلال ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے دو خون بھی حلال فرمائے کہ ان خونوں کو بھی کھایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سمندر کا مردار حلال ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، رقم: ٤٤٢٦.

[2] مسند احمد: ۹۷/۲، سلسلة الصحیحه، رقم: ۱۱۱۸، سنن ابن ماجه، کتاب الصید، رقم: ۳۲۱۸، ۹۷/۲، صحیح الجامع الصغیر، رقم: ۲۱۰

((سُئِلَ عَنِ الْبَحْرِ قَالَ (هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ .)) ❶

''نبی اکرم ﷺ سے سمندر کے بارہ میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار یعنی مچھلی حلال ہے۔''

۵: قرآن حکیم میں حکم ربانی ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۝﴾ (الاعراف : ۳۲)

''اے محمد! ان سے کہو، کس نے اس رزق کی پاکیزہ چیزوں کو اور اللہ کی زینت کو حرام قرار دیا ہے، جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے۔''

اس آیت میں زیب و زینت کی تمام چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے، لیکن اس چیز کی وضاحت نہ تھی کہ عورتوں کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں، اور مردوں کے لیے کیا؟ چنانچہ رسول اللہ نے وضاحت کی۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا .)) ❷

''میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔''

۶: قرآن حکیم میں حکم ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۝﴾ (المائدة : ٦)

---

❶ (ابن خزیمہ الجز الاوّل، رقم الحدیث : ۱۱۲، سنن ابن ماجه ، کتاب الطهارة ، رقم: ۳۸٦ ، ۳۸۸ سنن ابی داؤد کتاب الطهارة ،رقم: ۳۳، سلسلة الصحيحه ، رقم: ٤٨٠.

❷ صحیح سنن النسائی ، کتاب الزينة ، رقم: ٥١٤٨ ، سنن ترمذی ، کتاب اللباس ، رقم: ۱۷۲۰ سنن ابن ماجه ، کتاب اللباس ، رقم: ۳٥٩٥ ، ارواء الغليل ، رقم: ۲۷۷ وغاية الرام: ۷۷.

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر مسح کرلو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔''

اس آیت میں وضو کا حکم دیا گیا، لیکن اعضا کو دھونے کی کیفیت اور کتنی بار دھونا ہے، سر کا مسح کیسے کرنا ہے؟ کتنی دفعہ کرنا ہے؟ اس کی وضاحت حدیث رسول ﷺ ہی کرتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا عمران سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَأَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْهِ مِنْ اِنَائِهٖ فَغَسَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ بِیَمِیْنِهٖ فِی الْاِنَاءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَیَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ ثَلَاثًا ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ، ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا ، ثُمَّ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَتَوَضَّأُ وُضُوْئِیْ هٰذَا .))[1]

''سیدنا حمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کے لیے پانی منگوایا اور برتن سے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا، کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا، منہ جھاڑا پھر اپنا چہرہ تین مرتبہ دھویا اور کہنیوں تک بازو تین مرتبہ دھوئے پھر سر کا مسح کیا پھر تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے پھر فرمایا ''میں نے نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔''

۷: قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

''کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سیاہ اور سفید دھاگے سے نمایاں ہو جائے۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، رقم: ۵۳۸ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، رقم: ۱۰۶، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننها، رقم: ۲۸۵، صحیح بخاری، کتاب الوضو باب المضمضة فی الوضو، رقم: ۱۶۴.

اس آیت میں مذکور سفید اور سیاہ دھاگے سے کیا مراد ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ سمجھ سکے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشکل پیش آئی جب آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ سفید دھاگے سے دن اور سیاہ دھاگے سے رات مراد ہے، تو آیت کا مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں آیا ورنہ پریشان تھے، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ایک سفید دھاگہ اور ایک سیاہ دھاگہ اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔ سحری کے وقت ان دھاگوں کو قریب رکھ کر دیکھتے رہے، جب دونوں دھاگوں کا رنگ الگ الگ واضح نظر آنے لگا تو کھانا پینا بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا علم ہوا تو ازراہ مزاح فرمایا کہ تمہارا تکیہ تو بڑا لمبا چوڑا معلوم ہوتا ہے، جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں، پھر آپ نے عدی رضی اللہ عنہ کا ابہام دور فرمایا اور اصل حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہاں سیاہ او رسفید دھاگے سے مراد وہ نہیں ہیں، بلکہ رات کی تاریکی سفیدیٔ سحر مراد ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی وضاحت پر بطور تائید (من الفجر) کے الفاظ نازل ہوئے۔ [1]

۸: قرآن حکیم میں ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (المائدہ: ۳۸)

’’چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے جرم کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت کا سامان، اللہ غالب حکمت والا ہے۔‘‘

اس آیت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ کتنے مال پر ہاتھ کاٹنا ہے؟ کہاں سے کاٹنا ہے؟ اور کس چیز پر ہاتھ نہیں کٹے گا، ان تمام چیزوں کی وضاحت حدیث رسول ﷺ کرتی ہے۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکلوا واشربوا حتیٰ یتبین) البقرہ: ۱۸۷/۲، رقم: ۴۵۰۹، ۴۵۱۱.

((قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ .)) ❶

۹: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾ (البقرہ : ۲۷۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ، جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔''

اس آیت میں سود سے روکا گیا ہے، لیکن سود کی کلی وضاحت موجود نہیں ہے، کہ سود کیا ہے؟ کن چیزوں میں ہے؟ کب ہوگا؟ کب نہیں ہوگا؟ ان تمام سوالوں کا جواب حدیثِ رسول ﷺ سے ملتا ہے۔ تو گویا حدیث رسول ﷺ قرآن کی تفسیر کرتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور نقد بنقد ہونا چاہیے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا اس نے سودی کاروبار کیا۔ ❷

چوتھا اعتراض:

منکرین حدیث اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث روایت بالمعنی ہے اور روایت بایں معنی میں نبی ﷺ کا مقصودِ کلام تبدیل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا حدیث حجت نہیں ہے۔ ان کے اس شبہ کی بنیاد تین مقدموں پر ہے:

ا: جو چیز روایت بالمعنی ہو وہ حجت نہیں ہوتی۔

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، رقم: ۴۳۸۸ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، رقم: ۴۹۶۰، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، رقم: ۲۵۹۳ و ۲۵۹۴، ترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۱۴۴۹، مسند احمد: ۴۶۳/۳. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، رقم: ۱۵۸۴.

۲: حدیث اور سنت سب روایت بالمعنی ہیں۔

۳: روایت بالمعنی میں مقصود تبدیل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

پہلا مقدمہ:

ان کے تینوں مقدمات باطل ہیں۔ کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی دلیل نہیں، جس کی رو سے روایت بالمعنی حجت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے اکثر انبیا و رسل علیہم السلام عجمی تھے اور ان کی امتیں بھی عجمی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خبریں، قصے اور اقوال قرآن میں عربی میں ذکر کیے ہیں۔ جو روایت بالمعنی ہیں۔ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ روایت بالمعنی حجت نہیں تو قرآن کا اکثر حصہ بھی حجت نہیں رہے گا، کیونکہ اکثر و بیشتر قرآن روایت بالمعنی ہے اور ان کے اس مقدمہ کی نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی، لہٰذا یہ باطل ہے۔

دوسرا مقدمہ:

یہ بھی باطل ہے، کیونکہ فعلی اور تقریری روایت کے الفاظ سرے سے رسول اللہ ﷺ کے نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہ روایات روایت بالمعنی ہو ہی نہیں سکتیں۔ باقی قولی روایت میں بھی بہت سی روایات روایت باللفظ ہوتی ہیں۔ جیسے مسنون دعائیں اور ''التحیات'' کے الفاظ اس قسم کی تمام روایات باللفظ ہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہے کہ تمام کی تمام روایات ''روایت بالمعنی'' ہیں۔

تیسرا مقدمہ:

قبول روایت کی شرطوں میں ایک شرط راوی کا ثقہ ہونا ہے اس کے ساتھ اگر وہ روایت بالمعنی کرے تو اسے مفہوم پر کامل دسترس حاصل ہو سکے، تا کہ مقصود کلام تبدیل نہ ہو سکے، قبول روایت کی ان کڑی شرائط کے ہوتے ہوئے مقصودِ کلام تبدیل ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ البتہ جو راوی ضعیف ہے یا لغت کا علم نہیں رکھتا اس کی حدیث کو ہم بھی حجت تسلیم نہیں کرتے۔

پانچواں اعتراض:

حدیث ہم تک خبر واحد کے طریق سے پہنچی ہے، لہٰذا حدیث ظنی ہے اور ظنی چیز حجت نہیں ہوتی کیونکہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝﴾ (النجم : ۲۸)

''بلاشبہ حق کے مقابلہ میں ظن کچھ کفایت نہیں کرتا۔''

منکرین حدیث کے اس شبے کی بنیاد تین مقدموں پر ہے۔

۱: حدیث اور سنت کا پورا ذخیرہ خبر واحد کے ذریعے پہنچا ہے۔

۲: خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ قطعی اور علم یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔

۳: جو چیز ظنی ہو وہ حجت نہیں ہوسکتی۔

پہلا مقدمہ:

تینوں مقدمے اور اس کے شبہے باطل ہیں۔ پہلا مقدمہ اس لیے باطل ہے، کیونکہ بہت سی احادیث تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہیں۔

ابن حجر نے ''شرح نخبۃ الفکر'' میں وضاحت کی ہے کہ حدیث اور سنت میں بہت سی روایات متواتر ہیں۔ جبکہ امام سیوطی نے متواتر احادیث میں ایک مستقل کتاب ''الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ'' لکھی ہے۔ جبکہ امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جو علم یقینی کا فائدہ دے خواہ وہ طریق احاد ہم تک پہنچتی ہو۔ اس قول کے تحت حدیث کا اکثر ذخیرہ متواتر بن جائے گا۔

دوسرا مقدمہ:

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ بہت سی اخبار احاد بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس لیے کہ بسا اوقات ایک شخص ایسے اوصاف سے متصف ہوتا ہے جو بہت سے آدمیوں کی صفات سے فوقیت رکھتی ہیں۔ خاص طور پر جب خبر واحد ''مُحْتَفْ'' بالقرائن ہو تو وہ علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ اس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ اللہ نے مختلف امتوں کی طرف ایک

ایک رسول بھیجا ہے۔ ہر رسول کی خبر ان کے لیے خبر احاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌo﴾ (البقرہ : ١٥٠)

اور اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کے گورنر وامرا مختلف علاقوں کی طرف ایک ایک بھیجے جاتے اور مختلف علاقوں میں پہنچ کر نبی کے اقوال و افعال کا پیغام دیتے تھے اور ان کی بات ان کے لیے حجت ہوتی تھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ یہ غلط ہے اکثر اخبار احاد ظنی نہیں بلکہ یقینی ہوتی ہیں۔

تیسرا مقدمہ بھی باطل ہے۔

کیونکہ ظن بسا اوقات حجت ہوتا ہے۔قرآن میں ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْo﴾ (البقرہ : ٤٦)

یہاں اللہ نے ظن کو حجت قرار دیا ہے۔

یہ آیت مبارکہ کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو یقین کہا گیا ہے۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍo﴾

(البقرہ: ٢٤٩)

یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ ظن کو قبول کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ بطور حجت ہوتا ہے اور جو وہ آیت پیش کرتے ہیں وہ دلیل نہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا۔حق کے مقابلے میں ظن باطل ہے، یہ نہیں کہا۔اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ویسے قرآن میں آیا ہے کہ ظن قبول کیا جاتا ہے۔ باقی رہا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوتا ہے کہ حدیث ظنی ہے اس سے مراد ظن بمعنی یقین ہوتا ہے۔ حدیث کو کوئی محدث بھی ظنی نہیں کہتا۔ پھر ظن کا تعلق حدیث کے ثبوت اور استدلال کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

چھٹا اعتراض

احادیث بسا اوقات قرآن کے خلاف آجاتی ہیں اور جو چیز قرآن کے خلاف آئے، وہ حجت نہیں ہوتی۔اس لیے حدیث بھی حجت نہیں۔

دلیل......: قرآن میں ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ جب کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وكان يأمرني فأتَّزِرُ فيباشرني وانا حائض[1] یہ حدیث قرن کے خلاف ہے۔

ردّ ......: حدیث کے خلاف ہونے کا معنی کیا ہے، اگر کسی چیز کے معنی قرآن میں نہیں حدیث میں ہیں تو یہ کوئی مخالفت نہیں، کوئی چیز قرآن میں نہیں، لیکن حدیث میں ہے، جیسے اللہ کے نبی ﷺ نے گھریلو گدھے کو حرام قرار دیا اس طرح پھوپھی، بھتیجی، بھانجی، خالہ کو ایک نکاح میں رکھنا ناجائز کہا یہ تو کوئی مخالفت نہیں۔ اگر مخالفت کا مطلب قرآن میں ایک چیز کا اثبات اور حدیث میں اسی چیز کی نفرت ہے۔ یا الٹا۔

تو یہ مخالفت کا معنی بنتا ہے، لیکن اس طرح کی قرآن اور حدیث کی مخالفت سرے سے ہے ہی نہیں۔ صحیح حدیث قرآن کے مخالف ہو۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور جو مثال پیش کی ہے، یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن میں حائضہ عورت کے ساتھ جماع سے روکا گیا ہے اور حدیث میں مباشرت کی اجازت دی جارہی ہے جو کہ جماع کے علاوہ ہے۔

ایک مخالفت یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں حکم عام اور حدیث میں خاص ہو اور قرآن میں مطلق ہو اور حدیث میں مقید، لیکن یہ بھی مخالفت نہیں ہے۔ اگر اس کا نام مخالفت رکھ دیا جائے تو قرآن میں بھی مخالفت ہو جائے گی۔ جیسے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ (البقرہ: ۱۷۳) کو دوسری آیت ''دَمًا مَّسْفُوْحًا'' (الانعام: ۱۴۵) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مخالفت نہیں، جس طرح قرآن کی آیات ایک دوسری کو مقید اور خاص کر سکتی ہیں۔ سنت اور حدیث بھی ایک دوسری کو خاص اور مقید کر سکتے ہیں۔ فقہ حنفی کا قاعدہ ہے کہ قرآن میں ایک حکم عام ہے تو حدیث کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا جا سکتا، خود ضعیف

[1] صحيح بخاری، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض، رقم ۲۹۹.

حدیث کے ساتھ بھی قرآن کو مقید کر دیتے ہیں۔

﴿السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيۡدِيَهُمَا ٥﴾ (المائدہ : ۳۸)

حنفی کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

قرآن اور حدیث میں بظاہر تعارض ہوتا ہے، حقیقت میں کچھ تعارض نہیں ہے۔

ساتواں اعتراض:

حدیث اور سنت ایک دوسرے کے خلاف آ جاتی ہیں، اور جو چیز ایک دوسرے کے خلاف آ جائے وہ حجت کیسے ہو سکتی ہے۔

ردّ ......: ایسی دو روایتیں جو بظاہر متعارض نظر آتی ہوں یا تو وہ دونوں صحیح ہوں یا دونوں غیر صحیح ہوں یا ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح ہو یا دونوں ضعیف یا ایک ضعیف اور ایک صحیح ہے تو تعارض ہے ہی نہیں، کیونکہ ایسی روایتوں میں تعارض کا تصور ہی نہیں ہوتا، لیکن جب دونوں روایتیں صحیح ہوں تو ان میں اگر تطبیق ممکن ہے تو تطبیق ہوگی یا ان کے تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا جائے گا یا ترجیحات کی وجوہ کی بنا پر ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ اگر کوئی چیز بظاہر تعارض کی وجہ سے حجت نہیں ہے تو قرآن بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن میں بھی بظاہر تعارض ہے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ٥﴾ (السجدہ : ۵)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج : ٤)

کیا قرآن میں بھی تعارض ہے؟

اسی طرح میراث کی آیتوں میں بھی بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ﴾ (البقرہ : ۲۹)

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ (النازعات : ۳۰)

آٹھواں اعتراض:

حدیث کے اندر کئی چیزیں ایسی ہیں جو عقل کے خلاف ہیں، جو چیز عقل کے خلاف ہو وہ حجت نہیں ہوتی۔ یہ بہت پرانا شبہ ہے۔

معتزلہ، جھمیہ نے بھی اس بنیاد پر بہت سی احادیث کا انکار کیا۔ سبب، جب یونانی فلسفہ عربی میں آیا تو بہت سے علما اس فلسفے سے متاثر ہو گئے تو انہوں نے عقل کو نقل پر مقدم سمجھ لیا۔ معتزلہ نے اللہ کے متکلم ہونے کا انکار کر دیا۔ حنفیوں نے متاثر ہو کر حدیثوں کا انکار کر دیا مثلاً حدیث مصرات کا انکار وغیرہ۔

ردّ ......: عقل کی کئی قسمیں ہیں۔ کافروں کی عقل، منافق کی عقل، مسلمانوں اور مومنوں کی عقل، پھر مومنوں کی بھی کئی قسم کی عقل ہے۔ اس کا تعین کریں کہ کس کی عقل کے خلاف ہے اور جو عقل کا تعین کریں اس کی قرآن سے دلیل بھی دیں۔ اگر وہ کہیں کہ حدیث عقل کل کے خلاف ہے۔ یہ بات نامعقول ہے۔ اگر کہیں کہ کسی خاص عقل کے خلاف ہے تو اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر کہیں کہ نبی کی عقل کے خلاف ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کہیں کہ بعض کی عقل کے خلاف ہے تو ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات بھی بہت سے لوگوں کی عقل کے خلاف ہیں تو معاذ اللہ، قرآن حجت نہ رہا؟

جیسے ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (الصافات : ٦٤)

بظاہر یہ بھی عقل کے خلاف ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہدہد کی گفتگو کا تذکرہ اسی طرح چیونٹی کی گفتگو کا تذکرہ اسی طرح انبیا علیہم السلام کے سب معجزات عقل کے خلاف ہیں۔

لہٰذا آپ کے نزدیک اور آپ کے اصول کے مطابق معاذ اللہ قرآن بھی حجت نہ رہا۔

سچی بات یہ ہے کہ حدیث اور سنت صحیح سند سے ثابت ہو جائے، وہ عقل کے خلاف ہو ہی نہیں سکتے بشرطیکہ عقل صحیح ہو۔ اگر حدیث عقل کے خلاف ہے تو یا وہ عقل بھی صحیح نہیں یا حدیث ضعیف ہوگی۔

اس کا جواب علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''معرافقہ المعقول الصریح'' میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

نواں اعتراض:

حدیث اور سنت تاریخ کے خلاف آ جاتی ہے، اس لیے حجت نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا نکاح (۶) یا (۷) برس کی عمر میں ہوا، جبکہ تاریخ ان کے نکاح کے وقت ان کی عمر ۱۶ یا ۱۷ برس بتاتی ہے۔

ردّ ......: حدیث اور سنت جب رسول اللہ سے ثابت ہو جاتی ہے تو جیسے قرآن اور عقل کے خلاف نہیں ہوسکتی تو اسی طرح حدیث تاریخ صحیح کے معارض بھی نہیں آ سکتی۔ اگر ایسا تعارض نظر آئے تو یقیناً تاریخی روایت ثابت بھی نہیں ہوں گی۔ کیونکہ ائمہ حدیث کے نزدیک حدیث کی سند اور متن کا جتنا اہتمام ہے، مؤرخین کے نزدیک اس کا عشر عشیر بھی نہیں، ایسی سنت جو تاریخ کے معارض ہے وہ سنت تاریخ پر حاکم ہے نہ کہ تاریخ سنت پر ہے۔ جبکہ وہ تاریخی روایت مردود ہے جس کو ترجیح دی جاتی ہے جو (۱۶۔۱۷) والی روایت ہے۔ جبکہ وہ سرے سے ثابت ہی نہیں۔ اس لیے تعارض بنتا ہی نہیں۔ جیسا تعارض سنت اور تاریخ میں ہے، ایسا تعارض تو قرآن اور تاریخ میں بھی ہے۔ اس لیے پھر بھی حجت ہونگے۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کا نام تارخ ہے۔ لہٰذا قرآن بھی حجت نہ رہا۔ اس لیے کہ تاریخ میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ مصر میں ان کی وفات سے پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں، لیکن قرآن میں ہے۔ ملاقات کے وقت زندہ تھیں۔ اس لیے بھی کہ قرآن کے خلاف ہے تو قرآن بھی پھر حجت نہ رہا۔

دسواں اعتراض

حدیث کے اندر کئی چیزیں سائنسی تحقیق اور جدید تجربات کے خلاف ہیں، اس لیے حدیث حجت نہیں ہے۔

جواب: (۱) صحیح حدیث صحیح سائنسی تحقیق کے متعارض نہیں ہوسکتی۔

(۲) اگر تسلیم کرلیں کہ حدیث تحقیق و تجربات کے خلاف ہوجاتی ہے تو قرآن بھی ان کے خلاف آجاتا ہے۔اس لیے وہ بھی حجت نہیں۔مثلاً سائنس دان کہتے ہیں کہ سورج کھڑا ہے، اور زمین اردگرد گھوم رہی ہے۔قرآن میں ہے کہ سورج چلتا ہے۔ كُلٌّ يَجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الرعد : ۲) پھر سائنس کہتی ہے۔سورج غروب نہیں ہوتا، اور قرآن میں ہے کہ سورج غروب ہوتا ہے۔ پھر جہنم کی آگ کی سختی جنت میں پھل اور درختوں کا وجود بھی سائنس کے خلاف ہے تو قرآن بھی حجت نہ رہا، پھر سائنس دانوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ پرانے سائنس دانوں کے مطابق زمین ٹھہری ہے اور نئے کے نزدیک چلتی ہے، اور پرانے کہتے تھے کہ افلاک ایک مادی چیز ہے اور نئے کہتے ہیں کہ یہ مادی چیز نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ سائنس کی رسائی انسانی عقل تک محدود ہے، اور جہاں سے عقل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے دین کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کو حدیث سائنس کے متعارض نظر آتی ہے۔

گیارہواں اعتراض:

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور حدیث کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا ہے۔اس لیے حدیث حجت نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر : ۹)

جواب: قرآن کی اس آیت سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ اللہ نے حدیث کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھایا، اور ذکر سے مراد قرآن ہی ہے۔اس کی دلیل بھی قرآن سے ثابت نہیں کرسکتے۔اگر کوئی دلیل ہے تو بیان کریں۔ایسی دلیل ہرگز نہیں پیش کرسکتے جبکہ قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذکر میں قرآن کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس آیت میں ذکر سے مراد تورات اور انجیل ہیں، تو ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی ذکر ہے۔اسی طرح ہے۔

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًاO رَسُوْلًا يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الطلاق : ۱۰،۱۱)

یہاں ذکر سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، خود اللہ نے متعین فرما دیا ہے یعنی رسول اللہ کے اقوال و افعال ذکر ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث دونوں ذکر ہیں۔ اللہ نے دونوں کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔ بلکہ اللہ کا پورا دین ذکر ہے اور اللہ نے پورے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے تو ضعیف احادیث کیسے آ گئیں؟

ضعیف حدیثوں کا ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے، کیونکہ جس نے بھی حدیث میں دخل اندازی اور جھوٹ شامل کرنے کی ناکام کوشش کی محدثین نے اس کے جھوٹ کی قلعی کھول دی اور ضعیف و وضاع راویوں کو طشت ازبام کر دیا۔

❀❀❀❀

باب نمبر:۱۱

تدوین حدیث کے مختلف ادوار

منکرین حدیث کی طرف سے حدیث کے انکار پر کئی ایک بیہودہ اعتراض کئے جاتے ہیں، انہی اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے ادوار میں حدیث رسول لکھی نہیں گئی، بلکہ یہ بعد میں لکھی گئی ہے اور کافی بعد میں لکھی گئی ہے۔لہٰذا اس کے بالکل صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔اس وجہ سے ہم حدیث کو بطور دلیل تسلیم نہیں کرتے۔ نیز اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی فرمادیا تھا، اس وجہ سے ہم حدیث کو نہیں مانتے۔

قارئین کرام!ان کے اعتراضات میں کتنا دم ہے، اب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے، نیز کتب تاریخ ہمیں اس سلسلہ میں کیا مدد دیتی ہیں، اور منکرین کے اعتراض کا کیا آئینہ ان کو دکھاتی ہیں۔

قارئین کرام! تدوین حدیث کے ادوار کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

پہلا دور......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور

دوسرا دور......تابعین عظام رحمہم اللہ کا دور

تیسرا دور......ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ کا دور

پہلا دور: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تدوین حدیث:

قارئین کرام! اہل عرب قوم امی یعنی ان پڑھ کے لقب سے معروف تھی، جس میں لکھنے اور پڑھنے کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا، ان کے اس وصف کی وجہ سے قرآن نے ان کو امی ہی کہا

ہے۔خود رسول اللہ ﷺ کے متعلق کلام پاک میں ’’النبی الامی‘‘ (الاعراف: ۱۵۷) وارد ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بھی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے،اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب قوم کو اپنے حافظے اور دماغی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد و یقین تھا۔اس وجہ سے وہ لکھنے کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے تھے، تاریخ انسانی یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ اہل عرب کا قوت حافظہ انتہائی مضبوط تھا وہ اپنے تمام شجر ہائے نسب، اہم تاریخی واقعات، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے اور نظمیں سب زبانی یاد رکھتے تھے۔قرآن پاک نازل ہوا تو عرب کی عام عادت کے مطابق خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو برزبان یاد رکھا، اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے جاری فرمادیا، اسی لیے ارشاد ہوا:

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ (العنکبوت: ۴۸)

’’بلکہ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔‘‘

تاہم چونکہ قرآن مجید تمام تر معجزہ ہے، اور اس کا لفظ لفظ وحی الٰہی ہے، جس میں کسی ایک لفظ کے بجائے دوسرے اس کے ہم معنی اور مترادف لفظ کے لانے کی گنجائش نہیں ہے، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا اہتمام فرمایا، چنانچہ معمول مبارک تھا کہ جس وقت کوئی آیت اترتی آپ اس وقت لوگوں کو یاد کرا دیتے، اور کسی کاتب کو بلوا کر اس کو لکھوا دیتے، مگر اصل توجہ اس کے حفظ اور تلاوت پر مرکوز تھی اور کتابت مزید برآں تھی۔

برخلاف اس کے کہ حدیث معجزہ نہ تھی اس کے الفاظ نہیں، بلکہ معانی و مطالب آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوتے تھے، اور آپ اس کو اپنے لفظوں میں ادا فرماتے تھے، اور یہ الفاظ بھی حسبِ ضرورت مختلف ہوتے تھے، کیونکہ آپ کو مختلف طباع اور مختلف مزاج کے لوگوں کو سمجھانا پڑتا تھا۔اس وجہ سے احادیث کے الفاظ مختلف ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کو اپنی قوم کی قوت حافظہ اور یادداشت پر پورا پورا اعتماد اور وثوق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ سنتے تھے ان کے صفحۂ حافظہ پر ثبت ہوجاتا تھا، اس لیے ابتداء اسلام میں

کتابت حدیث کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، بلکہ صرف زبانی روایت کا حکم دیا گیا، اور ساتھ ہی یہ وعید بھی سنا دی گئی کہ آپ کے بارے میں عمداً کسی قسم کی غلط بیان یا دروغ زنی کا مطلب دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔ ❶ اتنا ہی نہیں بلکہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت بھی منقول ہے کہ:

((لَاتَكْتُبُوا عَنِّي ، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ ، وَحَدِّثُوا عَنِّي ، وَلَاحَرَجَ ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .)) ❷

''مجھ سے کچھ نہ لکھو، اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے وہ اسے مٹا دے، اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو، اس میں کچھ حرج نہیں، اور جس شخص نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

یاد رہے کہ یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو اس زمانے میں کچھ عرصہ کے لیے خاص طور پر حفاظت قرآن کے سلسلہ میں کردی گئی تھی، جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے علاوہ ''جوامع الکلم'' بھی عطا فرمائے تھے، جو اپنے اعجاز لفظی ومعنی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے، اس لیے اندیشہ تھا کہ یہ اُمی لوگ جو نئے نئے قرآن سے آشنا ہوئے ہیں کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کردیں۔ اس بنا پر غایت احتیاط کے مدنظر آپ نے قرآن مجید کے سوا ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت کردی، اور عام حکم دے دیا کہ اگر آپ سے قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ لکھ لیا گیا ہے تو اس کو مٹا دیا جائے۔

احادیث فعلیہ میں تمام احکامات وعبادات کا عملی نقشہ اور ان کی تشکیل تھی، عملی چیزیں

---

❶ صحيح مسلم، مقدمه، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم : ٣.

❷ صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب التثبيت في الحديث و حكم و كتابه العلم، رقم: ٧٥١٠، سنن دارمي، مقدمه، باب من لم ير كتابة الحديث، رقم: ٤٥٠، مسند احمد: ٢١،١٢/٣ و ٣٩، ٥٦، مسند الفردوس للديلمي: ١٨٢/٥، رقم: ٧٥٤٨.

لکھوانے کی بہ نسبت عملی طور پر کر کے دکھلانے اور پھر لوگوں سے اس کے مطابق عمل کروانے سے زیادہ ذہن نشین ہوتی ہیں، اس لیے آپ نے ان کے بارے میں یہی طریقہ اختیار فرمایا اور ہدایت کردی کہ:

((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي .)) ❶

''جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اسی طرح تم بھی نماز پڑھا کرو۔''

اور حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((خُذُوْا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ ، فَإِنِّي لَاأَدْرِي لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ .)) ❷

''مجھ سے تم اپنے حج کے طریقے سیکھ لو، کیونکہ پتہ نہیں شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کرسکوں۔''

بہت سی چیزیں جن میں آپ نے کسی قسم کی اصلاح وترمیم کی ضرورت نہ سمجھی، اور ان کو ہوتے دیکھ کر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، اس طرح اپنے اس طرز عمل سے آپ نے ان کی تقریر یعنی ثابت فرمایا کہ باوجود ان چیزوں کے آپ کے علم میں آجانے کے آپ نے ان پر کسی قسم کا انکار نہیں کیا، ایسی حدیثیں تقریری کہلاتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کی روز مرہ کی باتیں اگر آپ قلمبند کرنے کا حکم دیتے تو ایک طویل اور ضخیم کتب بنتیں، جس کی تکلیف اس وقت کے امیوں کے لیے تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھی خصوصاً جس وقت پوری قوم میں لکھنے، جاننے والوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، اور کاغذ کی قلت کا یہ عالم تھا کہ لوگ قرآن مجید کو بھی کھجور کی شاخوں، درختوں کے پتوں، اونٹ اور بکری کے شانوں کی ہڈیوں، جانوروں کے چمڑے اور کھالوں، پالان کی لکڑیوں اور چوڑے چھلکے اور

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب الاذان للمسافرين اذا كانو جماعة والاقامة، رقم: ٦٣١.

❷ سنن الكبرى للبيهقي: ١٢٥/٥، رقم: ٩٥٢٤، كتاب الحج، باب الايضاح في وادی محسر.

پتلے پتلے پتھروں پر لکھا کرتے تھے۔ ❶

غرض اس وقت حفاظتِ دین کے سلسلہ میں وہی آسان اور سادہ طریقہ اختیار کیا گیا جو اس عہد میں اہل عرب کا فطری اور مروج طریقہ تھا۔ قرآن مجید جو دین کی تمام بنیادی اور اساسی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد واحکام کے متعلق کلی ہدایت کا حامل ہے، اس کا لفظ لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا مزید احتیاط کے لیے معتبر کاتبوں سے خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو لکھوا لیا۔ حدیث شریف جو شرع اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات پر حاوی ہے اس کا قولی حصہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی قومی عادت اور رواج کے مطابق اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے، شاعروں کے قصیدے اور حکما کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے، اور اس کے عملی حصے پر غور تعامل اور عملدرآمد شروع کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

لیکن اس کے بعد جب قرآن مجید کا کافی حصہ نازل ہو چکا، اور عام طور پر لوگ قرآن کے ذوق آشنا ہو گئے، اور اس بات کا اندیشہ بالکل جاتا رہا کہ ''کلامِ الٰہی'' کے ساتھ حدیث رسول کے الفاظ سے مل جائیں گے، ادھر غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں بہت سے لوگوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا تو پھر کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خدمتِ نبوی ﷺ میں گزارش کی:

((يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَنَكْتُبُهَا .))

''یارسول اللہ! ہم آپ کی فرمودہ باتیں سن کر لکھ لیتے ہیں۔''

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

---

❶ اس کے لیے دیکھیں: فتح الباری، شرح صحیح بخاری، ج: ۹، ص: ۱۶ و صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب كاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٤٦٥٦.

((فَاكْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ .)) ❶

''لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں۔''

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أُرِيْدُ حِفْظَهُ ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوْا: لَاتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا ، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابَةِ ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَأَوْمَأَبِأَصْبعِهِ اِلَى فِيْهِ فَقَالَ: "اُكْتُبْ ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ .")) ❷

''میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے کے لیے اس کو لکھ لیتا تھا، پھر قریش نے مجھ کو منع کیا، اور کہنے لگے کہ تم جو بھی سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں غصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں اور خوشی میں بھی۔ یہ سن کر میں لکھنا چھوڑ دیا، اور نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگشت سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا، اور فرمانے لگے کہ تم لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں جان ہے، اس سے بجز حق کے کچھ نہیں نکلتا۔'' ❸

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول کہ:

((قَيِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ.)) ❹

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۲۱۵، رقم: ۷۰۱۸، شیخ شعیب ارناؤط نے اسے ''صحیح لغیرہ'' کہا ہے۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳٦٤٦، مستدرك حاكم ۱/ ۱۰۵، ۱۰٦، مسند احمد ۲/ ۱٦۲، ۱۹۲، ٤۸٤، سلسلة الصحيحة، رقم: ۱۵۲۲.

❸ وہ حدیث کی کتاب جو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے لکھی تھی اس کا نام الصحیفة الصادقة تھا، اور ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی (اسد الغابه لابن الاثير ، ج: ۳/ ۲۲۲ بحواله صحيفه همام بن منبه مطبوعه فيصل آباد.

❹ صحيح الجامع الصغير: ٤٤۳۳، مستدرك حاكم: ۱/ ۱۸۸، طبراني كبير: ۷۰۰، ⇦⇦⇦

''علم کو لکھ کر محفوظ کرو۔''

اس کے علاوہ نبی رحمت ﷺ نے بے شمار موقعوں پر احادیثِ مبارکہ کو لکھنے کا حکم دیا۔
اب ہم چند احادیث صرف عربی متن کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

۱..... ((وَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كِتَابَ: الصَّدَقَاتِ ، وَالدِّيَّاتِ وَالْفَرَائِضِ ، وَالسُّنَنِ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَغَيْرِه .))❶

''رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کے لیے صدقات، دیات اور فرائض وسنن کی کتاب تحریر کی۔''

۲..... ((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اِلَى أَهْلِ الْيَمْنِ كِتَابًا فِيْهِ الْفَرَائِضُ ، وَالسُّنَنُ ، وَالدِّيَاتُ ، وَبَعَثَ عَمْرَوْ بْنَ حَزْمٍ فَقْرُأَتُ عَلَى أَهْلِ الْيَمْنِ))❷

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف ایک نامہ تحریر فرمایا، جس میں فرائض سنن اور دیات کے مسائل تھے، آپ ﷺ نے یہ نامہ دے کر عمرو بن حزم کو بھیجا، پھر اہل یمن پر یہ تحریر پڑھی گئی۔''

⇦⇦⇦ سلسلة الصحيحه: ٢٠٢٦ سنن دارمی ، مقدمه ، باب سنن رخص فی كتابة العلم، ح: ٤٩٨ .
یہ قول انس رضی اللہ عنہ سے ابوخیثمہ حرب بن نسائی نے اپنی کتاب ''کتاب العلم'' میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔
اور ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''کتاب جامع بیان العلم: ۷۲'' پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے، عبداللہ بن عمرو العاص سے: ۱/ ۷۲ پر، اور باب الرخصة فی جواز كتابة العلم: ۱/ ۷۲ پر عبداللہ بن مسعود سے، اور اسی کے بعد عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح کتابت حدیث کے موضوع پر مزید تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تقيد العلم للخطيب ،و لاسات فی الحديث النبوی دكتور محمد مصطفى الاعظمى، و تدوين السنه النبويه نشأته و تطوره من القرن الاوّل الى نهاية القرن التاسع الهجرى دكتور محمد بن مطرا الزهرانى.

❶ جامع بيان العلم، باب ذكر الرخصة فی جواز كتاب العلم و تاريخ الحديث والمحدثين ص: ٣٠٣ و ضميمه اعلام السائلين سنن كتب سيّد المرسلين ابن طولون بحواله آئينه پروزيت ، ص: ٤٩٨ .

❷ ارواء الغليل، رقم: ٢٢٣٨ . علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

۳..... ((فَهٰذَا الْكِتَابُ مُتَدَاوِلٌ بَيْنَ اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا يَعْتَمِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى مُهِمَّاتِ هٰذَا الْبَابِ اِلَيْهِ ، كَمَا قَالَ يَعْقُوْبُ بْنُ سُفْيَانُ: لَا اَعْلَمُ فِى جَمِيْعِ الْكُتُبِ كِتَابًا اَصَحَّ مِنْ كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ ، كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ وَيَدَعُوْنَ أرائهُمْ .))

۴..... ((نُسْخَةُ كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ تَلَقَّاهَا الْاَئِمَّةُ الْاَرْبَعَةُ بِالْقُبُوْلِ وَهِىَ مُتَوَارِثَهٌ كَنُسْخَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ .))[1]

''صحیفہ عمرو بن حزم کو ائمہ اربعہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخہ کی طرح موروثی سرمایہ ہے۔''

قارئین کرام! یہ چند واقعات ہم نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں کہ جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لکھنے یا پھر ان کے سامنے صحیفے اور نوشتے لکھے جانے کا ذکر ہے، اگر تفصیل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے کتابت علم کے واقعات تحریر کریں تو اس سے ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ لیکن یہاں ہمارا مقصد بس آپ پر اس بات کو واضح کرنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور میں بھی کتابت علم ہوتی تھی، امید ہے کہ بفضل اللہ یہ بات آپ کو سمجھ میں آ گئی ہوگی، کیونکہ کوئی مومن اور مسلمان اتنے حوالوں کو جھٹلا نہیں سکتا، اگر ایسا کرے گا تو یقیناً اس کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ مؤمن صاحب بصیرت اور عقل و شعور سے بہرہ ور ہوتا ہے، نیز ان لوگوں کو بھی اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو احادیثِ رسول ﷺ کو اس بنیاد پر رد کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں لکھی گئیں، بلکہ یہ تو تیسری صدی کی پیداوار ہیں، لہٰذا ہم ان کو کیسے قبول کر لیں۔

اس مغالطے کا جواب ہمارے مذکورہ حوالہ جات سے ان کو مل گیا ہوگا۔ لہٰذا اپنی افکار کو تبدیل کر کے حدیث رسول ﷺ کو اپنانے کا عزم کرنا چاہیے، کیونکہ یہی دنیا اور آخرت کی

[1] نصب الرايه تخريج احاديث الهدايه.

کامیابی ہے۔ جیسا کہ پہلے ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر، ان تمام علما کے اقوال نقل کرنے کے بعد جو کتابت علم کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے، فرماتے ہیں:

((مَنْ ذَكَرْنَا قَوْلَهُ فِی هَذَا الْبَابِ فَإِنَّمَا ذَهَبَ فِی ذٰلِكَ مَذْهَبَ الْعَرَبِ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا مَطْبُوْعِيْنَ عَلَى الْحِفْظِ مَخْصُوْصِيْنَ بِذٰلِكَ، وَالَّذِيْنَ كَرِهُوْا الْكِتَابَ كَابْنِ عَبَّاسٍ، وَالشَّعْبِيِّ، وَابْنِ شِهَابٍ، وَالنَّخْعِيِّ، وَقَتَادَةَ، وَمَنْ ذَهَبَ مَذْهَبَهُمْ وَجُبِلَ جِبِلَّتَهُمْ كَانُوْا قَدْطُبِعُوْا عَلَى الْحِفْظِ، فَكَانَ اَحَدُهُمْ يَجْتَزِئُ بِالسَّمْعَةِ، أَلَاتَرَى مَاجَآءَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: إِنِّیْ لَأَمُرُّ بِالْبَقِيْعِ فَأَسُدُّ أَذَانِی مَخَافَةَ أَنْ يَدْخُلَ فِيْهَا شَیْءٌ مِنَ الْخَنَافُو اللّٰهِ مَا دَخَلَ أُذُنِی شَیْءٌ قَطُّ فَنَسِيْتُهُ وَجَاءَ عَنِ الشَّعْبِیِّ نَحْوُهُ وَهٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ وَعَرَبٌ، وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: نَحْنُ أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَانَكْتُبُ وَلَانَحْسَبُ، وَهٰذَا مَشْهُوْرٌ أَنَّ الْعَرَبَ قَدْخُصَّتْ بِالْحِفْظِ كَانَ بَعْضُهُمْ يَحْفَظُ أَشَارَ بَعْضٍ فِی سَمْعَةٍ وَاحِدَةٍ، وَقَدْجَآءَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَصِيْدَةَ عُمَرَ بْنِ اَبِی رَبِيْعَةَ: أَمِنْ اٰلِ نُعْمٍ اَنْتَ غَادٍ فَمُبَكِّرٌ فِی سَمْعَةٍ وَاحِدَةٍ عَلَى مَا ذَكَرُوْا، وَلَيْسَ أَحَدُ الْيَوْمَ عَلَى هٰذَ وَلَوْلَا الْكِتَابُ لَضَاعَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعِلْمِ وَقَدْرَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی كِتَابِ الْعِلْمِ وَرَخَّصَ فِيْهِ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ، وَحَمِدُوْا ذٰلِكَ.)) [1]

''جس کا قول بھی ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے، وہ اس بارے عرب کی ہی روش پر گیا ہے، کیونکہ وہ فطری طور پر قوتِ حافظہ رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں

---

[1] جامع بيان العلم: ۱، باب كراهية، كتابة العلم.

ممتاز تھے، اور جن حضرات نے بھی کتابت کو ناپسند فرمایا ہے، جیسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شعبی، ابن شہاب زہری، ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ اور وہ حضرات کہ جو ان کے طریقے پر چلے اور ان ہی کی فطرت پر پیدا ہوئے یہ سب کے سب وہ ہیں جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک شخص صرف ایک مرتبہ سن لینے پر اکتفا کیا کرتا تھا، دیکھتے نہیں ابن شہاب سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے میں جب بقیع سے گزرتا ہوں تو اس ڈر سے اپنے کان بند کرلیتا ہوں کہ کہیں کوئی فحش بات اس میں نہ پڑ جائے، کیونکہ اللہ کی قسم: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی اور میں اسے بھول گیا ہوں، اور شعبی سے بھی اسی قسم کا بیان منقول ہے، یہ سب لوگ عرب تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ہم'' امی لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرنا'' اور یہ چیز تو مشہور ہے کہ عربوں کو زبانی یاد رکھنے میں خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ایک شخص بعض لوگوں کے اشعار کو ایک دفعہ سننے سے حفظ کرلیا کرتا تھا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے عمر بن ابی ربیعہ کے قصیدہ ''أَمِنْ آلِ نُعْمٍ أَنْتَ غَادٍ فَمُبكِّرُ'' کو صرف ایک دفعہ سن کر یاد کرلیا تھا، چنانچہ علما نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور آج کوئی ایک شخص بھی اس طرح کی قوت حافظہ نہیں رکھتا، بلکہ اگر تحریر نہ ہوتو علم کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے۔ بالتحقیق رسول اللہ ﷺ بھی کتابت علم کی اجازت مرحمت فرما چکے ہیں، اور علما کی ایک جماعت نے بھی اس کی رخصت دی ہے، اور اس کو فعل محمود قرار دیا ہے۔''

قارئین کرام! ان تمام آثار سے پتہ چلتا ہے کہ عرب لوگ لکھا بھی کرتے تھے، لیکن اپنی ذہانت پر بھی انتہائی اعتماد کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ و اتقان انتہائی اعلیٰ درجے کا عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے کم لکھتے تھے، لیکن لکھنے سے انکاری نہ تھے، یہ لکھنے کی ہی برکات ہیں کہ آج صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی حدیث رسول ﷺ اور علم دین بالکل

محفوظ ہے، کیونکہ کتابت کسی بھی چیز کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴾ (العلق : ٤)

''اللہ وہ ذات ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔''

اندازہ کیجئے! اللہ تعالیٰ لکھنے کو علم کا بہترین ذریعہ بتا رہے ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ اس کے انکاری ہوں، اور لکھنے سے منع کرتے ہوں۔ یقیناً ایسا نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں صحیفے اور نوشتے تحریر کیے گئے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں، لہٰذا کسی قسم کے مغالطے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور میں حدیث کو لکھا نہیں جاتا تھا، میں پڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

بلکہ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں بھی کتابت حدیث تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے جو منع فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں قرآن اور میری حدیث کو اکٹھا نہ کر دیا جائے۔ لیکن جب یقین ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں میں فرق کو جان چکے ہیں تو آپ ﷺ نے اجازت عنایت فرمائی بلکہ حکماً ترغیب دی کہ حدیثوں کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرو۔ جیسا کہ اوپر ہم ثابت کر آئے ہیں لہٰذا کوئی وجہ انکار حدیث کی نہیں رہتی تو پھر اس فاسد عقیدے سے توبہ کریں، اور حدیث رسول ﷺ کو تسلیم کریں اسی میں کامیابی ہے۔

تدوینِ حدیث کا دوسرا دور:

خلافتِ راشدہ کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ صفر ۹۹ ہجری میں خلیفہ بنے، انہیں بھی خلفاء راشدین میں شمار کیا جاتا ہے، آپ نے دین کی حفاظت کے لیے تدوین اور جمع حدیث کی طرف توجہ مبذول فرمائی، چنانچہ آپ نے مدینہ طیبہ کے حاکم ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کو خط لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد (جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریبی رشتہ دار اور شاگرد تھے) کے پاس جو احادیث کا ذخیرہ ہے اسے قلمبند کر لیں، اور لکھا کہ سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کا مجموعہ ہمارے پاس موجود ہے، اسے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ [1] آپ نے اس کام کے لیے بارہ ماہر محدثین منتخب کئے اور اس بارہ رکنی کمیٹی کا سربراہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو مقرر کیا اس وجہ سے انہیں مدون اوّل کہا جاتا ہے ان بارہ محدثین نے الگ الگ احادیث کے مجموعے تیار کر کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیئے، چونکہ ان کا زمانہ خلافت مختصر تھا اس لیے آپ ان مجموعات کی تنقیح اور تدوین (یکجا جمع کرنا) اور اطراف میں تقسیم کرنے کا کام نہ کر سکے۔ ہاں! جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بذات خود جمع قرآن کو ناگوار سمجھا تھا، لیکن پھر اس کام کے سربراہ رہے، اسی طرح جو کہا جاتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ جمع حدیث کو گوارہ نہیں کرتے تھے لیکن بایں ہمہ یہی کام انہوں نے بہت محنت سے سرانجام دیا۔ [2] اس کے بعد سلسلہ تدوین ایسا جاری رہا کہ ۱۰۱ ہجری سے ۱۹۰ ہجری تک تقریباً آٹھ کتب احادیث وجود میں آئیں، موطا امام مالک رحمہ اللہ، جامع سفیان ثوری رحمہ اللہ، جامع ابن مبارک رحمہ اللہ، جامع امام اوزاعی رحمہ اللہ، جامع ابن جریج، کتاب الخراج ابو یوسف اور کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی وغیرہ۔

موطا امام مالک جب تیار ہوئی تو ستر علمائے مدینہ اور دیگر فقہا نے اس کی صحت پر اتفاق کیا اس لیے اس کا نام موطا (متفق علیہ) رکھا گیا، [3] پھر یہ کتاب امام مالک رحمہ اللہ سے تقریباً ایک ہزار شاگردوں نے سنی اور اسے ضبط تحریر میں لائے، اگرچہ فی الوقت وہ مسودات سب کے سب باقی نہیں رہے صرف ان میں سے سو نام باقی رہ گئے۔ اب جو متداول نسخہ ہے، اور سب نسخوں سے قابل اعتماد ہے یہ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملال بن منغایا اللیثی

---

[1] طبقات ابن سعد، : ۱۵۷/۷، و نهذهب التهذيب : ۱۸۳/۷. عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا احادیث جمع کرنے کا حکم بخاری ، کتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، اور سنن الدارمی ، مقدمه ، باب من رخص فی كتابة العلم، رقم: ٤٨٦ ، ٤٨٧ میں موجود ہے۔

[2] تقيد العلم للخطيب ، ص: ١٠٦ و ١٠٧ و جامع بيان العلم، ص: ٧٦، ٧٧.

[3] مؤطابالروايات الثمانيه بتحقيق ابو اسامه سليم بن عيد الهلالی، مقدمه : ج ۱ ، ص: ۱۲۷ نیز مؤطا امام مالک میں مرفوع احادیث (۶۰۰) مرسل (۲۲۲) موقوف (۶۱۳) مقطوع (۲۸۵) یہ ٹوٹل روایات (۱۲۲۰) بنتی ہیں۔

البربری الاندلسی القرطبی، (تاریخ علماء الاندلس:۱۷۹/۲ وتہذیب التہذیب: ۳۰۰/۱۱، ۳۰۱) مصمودی کا مرتب کردہ ہے، اس دوسری صدی ہجری میں چند مسانید منظر عام پر آئیں، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ مسند احمد میں پورا موجود ہے۔ مسند احمد شافعی مسند بزار، حماد بن سلمہ بن دینار بصری کا ہے، مسند امام موسیٰ بن جعفر کاظم، مسند ابوسفیان وکیع بن جراح اور مسند امام اوزاعی جو مسند الشامیین سے مشہور ہے، یہ مسانید وہ ہیں جو دوسری صدی ہجری کے اختتام سے پہلے مرتب ہوچکی تھیں۔

تیسری صدی ہجری کا دور:

دوسری صدی میں تو احادیث مرفوعہ (جن کی سند نبی ﷺ تک پہنچتی ہو) اور احادیث موقوفہ (جن کی سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچتی ہو) دونوں اقسام کو جمع کیا گیا تھا، لیکن تیسری صدی میں ایسے اہل علم اور آئمہ محدثین پیدا ہوئے، جنہوں نے اہتمام کیا کہ احادیث مرفوعہ کو مستقل حیثیت دی جائے، چنانچہ انہوں نے صرف احادیث مرفوعہ اپنی کتب میں جمع کرنے کی کوشش کی، ان آئمہ میں سے چند قابل ذکر ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۳۱ھ۔ عبداللہ بن موسیٰ، مسدد بصری، اسحاق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ۔ اور اس کے شاگرد رشید امام مسلم رحمہ اللہ متوفی ۲۶۱ھ۔ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ۔ امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ۔ امام دارمی متوفی ۲۵۵ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ متوفی ۲۷۵ھ۔ جبکہ اس دور میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں۔ [1]

اس دور اور تیسری صدی ہجری میں ایسے آئمہ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے، جنہیں

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مقدمہ تحفۃ الاحوذی، مقدمہ مسند ابو یعلیٰ الموصلی بتحقیق ظهیر الدین عبدالرحمن مکتبہ دار الفکر.

اللہ تعالیٰ نے نقد و جرح کی پوری استعداد سے نوازا، انہوں نے رواۃ حدیث کی پوری جانچ پرکھ کرتے ہوئے صحیح اور ضعیف احادیث کو الگ الگ کر دیا۔ اس کے بعد بھی امت میں بے شمار محدثین اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے، جنہوں نے ضعیف اور موضوع روایات کو الگ الگ جمع کیا۔ اور حدیث کو جمع کرنے کے لیے بے پناہ محنت کی اور اپنی تمام کی تمام توانائیاں حفاظتِ حدیث کے لیے صرف کر دیں۔ یہ انہی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ ہر قسم کے سقم سے محفوظ ہو کر ہم تک پہنچ رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

❀❀❀❀

باب نمبر:۱۲

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغوی تعریف:

۱: عربی لغت میں تقلید کسی کی گردن میں پٹہ ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قلائد ان جانوروں کو کہتے ہیں، جن کے گلے میں رسہ ڈال دیا جاتا ہے اور حرم کیلئے وقف کر دیا گیا ہو، علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

''تقلید لغت میں گلے میں ڈالے جانے والے پٹے سے ماخوذ ہے، اور وقف شدہ جانورں کے گلے میں پٹہ ڈالنا بھی اسی سے ہے۔تقلید کو بھی اس لیے تقلید کہتے ہیں کہ مقلد جس حکم میں مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔ وہ حکم اپنے گلے میں طوق کی طرح ڈالتا ہے۔'' [1]

۲: اسی طرح غیاث اللغات (ص:۱۳۰) میں تقلید کی تعریف یوں کی گئی ہے:

''تقلید کے معنی گلے میں رسی ڈالنے یا کسی کے ذمہ کوئی کام لگانے کے ہیں اسی طرح اپنے ذمہ بھی کوئی کام لینا تقلید کہلاتا ہے، اس کا مجازی اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ حقیقت معلوم کیے بغیر کسی کا حکم مانا جائے تابعداری کی جائے۔ فیروز اللغات (ص:۳۷۰)(اُردو) میں بھی تقلید کا معنی لکھا ہے۔نقل، پیروی ، کسی کے قدم بقدم چلنا، کسی کی متابعت کرنا۔'' (ص:۳۷۰)

اصطلاحی تعریف:

۱: علما کی اصطلاح میں تقلید کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔کسی دوسرے کی بات پر بغیر دلیل

---

[1] ارشاد الفحول، ص: ٤٤١.

کے عمل کرنا، جس کی بات حجت نہیں تقلید کہلاتا ہے یعنی کسی کے اقوال پر بغیر دلیل جانے عمل کرنا کہ اس نے یہ اقوال قرآن وسنت سے ماخوذ کیے ہیں۔ ❶

۲: جس کی بات دین میں حجت نہیں۔ اس پر بلا دلیل عمل کرنا تقلید ہے۔ ❷

۳: کسی کی بات کو ایسی دلیل کے بغیر ماننا جو تابعداری کو لازم کرتی ہو تقلید کہلاتی ہے یہ قلائد بمعنی جرس سے ماخوذ ہیں اس تعریف سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فرمان پر عمل یا اجماع اور مفتی کے فتویٰ پر دلیل کے ساتھ عمل کرنا تقلید نہیں ہے، اسی طرح قاضی کا عادل گواہوں کی گواہی کو قبول کرنا تقلید نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی بات ماننا دلیل سے ثابت ہے اور وہ اجماع اور نبی ﷺ کی حدیث ہیں۔ ❸

۴: امام شوکانی فرماتے ہیں تقلید کی سب سے بہترین تعریف یہ ہے کہ تقلید ایسے انسان کی رائے کو دلیل کے بغیر ماننے کو کہتے ہیں، جس کی بات دین میں حجت نہ ہو۔ ❹

۵: علامہ تفال فرماتے ہیں! تقلید کسی دوسرے کی بات کو معلوم کیے بغیر ماننے کو کہتے ہیں کہ کہنے والے نے یہ بات کس سے کی اور کہاں سے کی اور کس حیثیت سے کی۔

۶: علامہ ابن قیم یہ تعریف ابوعبداللہ بن خویز منداد بصری کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ❺

۷: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص کی تابعداری قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو، اس کے باوجود اگر کوئی اس کی اتباع کرے تو وہ اس کا مقلد ہوا، تقلید دین میں جائز نہیں ہے اور جس شخص کی تابعداری معروفات میں دلیل سے ثابت ہے، اس کی بات ماننے والا متبع اور اتباع دین میں جائز ہے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ ❻

---

❶ ارشاد الفحول، ص: ٤٤١، شرح وقصیدہ امامیه، ص: ٣٤ مسلم الثبوت ص: ٢٢٤ قرطبی ٢١١/٢، صفوة الفتوىٰ .: ٥١، جامع بیان العلم وفضله، باب الفرق بین التقلید ولا تباع ص: ١١٩. بحواله الفتوی بین مطابقة الشرع وسابرة الاعصواء، ص: ٣٧.

❷ التحریر لابن همام، عقدالفرید، ملاحسن شرنبلالی، ص: ١٥، معیارحق، ص: ٣٦.

❸ الاحکام فی اصول الاحکام ٢٢١/٤، ارشاد الفحول، ص: ٤٤١، ٤٤٢

❹ شرح جمع الجوامع ٢٥١١/٢. ❺ اعلام الموقعین، ١٩٧/٢.

❻ اعلام الموقعین: ١٩٧/٢

۸: امام شافعی فرماتے ہیں:

تقلید ایسی بات کے ماننے کو کہتے ہیں، جس کی حیثیت اور ماخذ معلوم نہ ہو، ایسی بات کے ماننے کو علم نہیں کہتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے'' اس میں اللہ تعالیٰ نے جاننے کا حکم دیا ہے نہ کہ گمان اور تقلید کا۔ [1]

مذکورہ بالا تمام تعریفوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کسی امام، مجتہد یا فقیہ کی ایسی بات کے ماننے کو کہتے ہیں، جس کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو۔ سوائے اس کی رائے کے تمام تعریفوں کو مدنظر رکھ کر تقلید کی تعریف پوری یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ انسان عملاً اپنے آپ کو جاہل بنا کر اپنی گردن میں طوق ڈالے، پھر اس طوق کو دوسرے کے ہاتھ میں اس طرح تھما دے کہ میں آپ کی ہر صحیح اور غلط بات کا پابند ہوں، اس کے مقابلے میں قرآن وحدیث میں تاویلیں کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہوں گا۔

قارئین محترم! یہ ہے تقلید کی حقیقت آج لوگ برائے نام قرآن وسنت کے متبع ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن جب بات مذہب کی آتی ہے تو قرآن وحدیث کی تاویلیں کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ افسوس! آج نبی کریم ﷺ کی محبت کے قصیدے پڑھنے والے حدیث مصطفیٰ ﷺ کو فقہا اور مجتہدین کے مبنی آراء واقوال پر قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، نبی ﷺ سے محبت کا معیار یہ نہیں ہے جو ان حضرات نے اپنایا ہوا ہے بلکہ نبی ﷺ سے حقیقی محبت یہ ہے کہ ہر حدیث کو تمام فقہا اور مجتہدین کے اقوال پر ترجیح دیں۔ کیونکہ اس سے آپ کی سچی محبت کا سچا اظہار ہوگا۔ جو انتہائی ضروری ہے، کیونکہ بغیر آپ ﷺ سے سچی محبت کے کوئی نہ تو مومن ہو سکتا ہے، اور نہ کامیاب۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتَّی أَکُوْنَ أَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ .))

''کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میں اس

---

[1] فقه الاکبر، ص: ۱۰.

کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘ [1]

اس محبت کے امتحان میں ہم اسی وقت پاس ہو سکتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ سے محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کا پتہ ہمیں اس طرح معلوم ہو گا کہ ایک طرف حدیث رسول ﷺ ہو، جب کہ دوسری طرف ماں، باپ، عزیز و اقارب ، دوست و احباب اور دوسرے لوگ ہوں جو ایسی بات کا اصرار کر رہے ہوں جو کہ حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو۔ اب یہ امتحان کا وقت ہے، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ لوگوں سے محبت زیادہ ہے یا رسول اللہ ﷺ سے؟

اگر تو لوگوں کی بات کو ترجیح دی گئی، تو اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کے ساتھ تمہاری محبت زیادہ ہے اور رسول اللہ سے تمہاری محبت لوگوں کے مقابلہ میں کم ہے۔ اگر صورت یہ بن جاتی ہے تو پھر یقین کر لیں کہ ایمان سلامت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایمان مکمل ہوا ہے۔

قارئین کرام! اس محبت کے تقاضے کے تحت بھی اگر ہم تقلید کو لائیں تو بھی تقلید کرنا انتہائی بڑا جرم ہے۔ جو ایمان کی منافی ہے تو مومن ایسا قطعاً پسند نہیں کرتے۔

تقلید حرام ہے:

لیکن اگر ہم مذکورہ تعریفات کو سامنے رکھ کر اس کا جائزہ لیں تو بھی تقلید قطعی طور پر حرام یا شرکیہ امور میں سے ہے۔ یہ تعریف ہی اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

تقلید کی تعریف ہے غیر کی بات کو بغیر دلیل جانے دین کے معاملات میں قبول کر لینا۔

قارئین! مذکورہ تعریف میں جو اتھارٹی کسی بھی شخص کو اس کی ہر بات غیر مشروط پر ماننے کی صورت میں دی گئی ہے، یہ اتھارٹی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا حق ہے۔ جو کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اگر یہ حق کسی اور کو دینے کی کوشش کی گئی تو یقین جانیے ایسا شخص ایمان اور اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان ، باب حب الرسول من الایمان، رقم: ۱۵، صحیح مسلم ، کتاب الایمان، رقم: ۱۶۸.

غور فرمایئے! ایمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی غیر مشروط تابعداری ضروری ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے شاعر کہتا ہے۔

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اگر ہو اس میں ذرا خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس حق میں خامی، تقلید کی شکل میں ہی واقع ہوتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تقلید کو چھوڑ دیا جائے، کیونکہ یہ ایمان کے لیے نقصان دہ ہے، اور انسان کو شرک تک بھی پہنچا دیتی ہے۔

قارئین کرام قرآن کی جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۳۱)

''اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے مولویوں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا۔''

تو عدی بن حاتم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ نے کیسے کہا ہے کہ ہم اہل کتاب نے مولویوں اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ الٰہ و رب بنا لیا، حالانکہ ہم نے تو ان کی کبھی بھی عبادت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ عدی! کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جس چیز کو تمہارے مولوی یا درویش حلال کرتے، تم اس کو حلال جانتے۔ اور جس چیز کو وہ حرام کرتے، تو تم بھی اس کو حرام جانتے تھے، عدی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا، یہی تو ان کو رب بنانا ہے۔ [1]

یعنی کسی چیز کو حلال و حرام کرنا جائز و ناجائز قرار دینا، یہ حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے ہوتے ہوئے۔ دوسروں کی بات

---

[1] سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ التوبۃ، رقم: ۳۰۹۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کو اہمیت دینا ایسا ہی ہے، جیسے دوسروں کو رب کے مقابل لا کھڑا کر دیا گیا ہو،اور ایسا کرنا انتہائی بڑا جرم ہے۔ جوتقلید کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے اپنے ایمان و اعمال کی سلامتی کیلئے تقلید جیسی نحوست سے بچا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ یہی چاہتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝﴾ (الاعراف : ٣)

''تم اس کی پیروی کرو جوتمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو۔''

تقلید ،اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے فرامین کے علاوہ دوسری چیز ہے،جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے۔لہٰذا تقلید کوترک کر دیجئے ،اسی میں دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کوتوفیق نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین!

قرآن حکیم کی نظر میں تقلید کی حیثیت

قارئین کرام: تقلید کی تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی بات کو اپنے اوپر فرض کر لینے کا نام تقلید ہے، حالانکہ یہ فرضیت نہ تو اللہ تعالیٰ نے کی اور نہ اس کے رسول ﷺ نے کی ہے۔ یعنی تقلید کو اپنے اوپر فرض کرنا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہیں ہے، ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝﴾ (الاحزاب : ٣٦)

''اور کسی مسلمان مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار نہیں رہتا، یاد رکھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جو بھی

نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔‘‘

اس آیت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کے بعد مومن اپنی مرضی نہیں چلا سکتے۔ اگر چلائیں گے تو ایمان سلامت نہیں رہے گا۔ بلکہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، جب کہ تقلید ہے ہی دوسروں کی بات کو بغیر کسی دلیل کے تسلیم کرنا۔ ایسا کرنے سے بہت سی مشکلات میں پھنس جانے کا اندیشہ موجود ہے۔ جو ایمان اور اعمال کی بربادی کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○﴾ (الاعراف : ۱۔۲)

’’اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ اس سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔‘‘

غور فرمایئے: اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کا انجام اعمال کی بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا۔

جب کہ تقلید، اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات سے آگے بڑھنے کا بھی نام ہے۔ اس لیے کہ تقلید کے ذریعہ سے کچھ ایسی چیزیں اپنے اوپر فرض کر لی جاتیں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے فرض نہیں کیا۔ تو گویا یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش ہے حالانکہ ایمان کے لیے شرط بس یہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو اللہ رب

العزت اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا پابند بنائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ .)) [1]

''کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی جملہ خواہشات کو میری رسالت کے تابع نہ کرے۔''

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝﴾

(النساء : ٦٥)

''تیرے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام قسم کے اختلافات میں اپنا فیصل تسلیم نہ کرلیں، پھر آپ کے فیصلے کے خلاف کسی قسم کی کوئی رنجش بھی اپنے دل میں نہ پائیں، اور اس کو مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔''

قارئین کرام! قرآن وسنت کے دلائل ہم سے صرف اور صرف قرآن وحدیث کی پابندی کا تقاضا کرتے ہیں، کیونکہ یہی ایمان ہے، اور اس کے علاوہ ہم کسی بھی چیز کے پابند نہیں ہیں۔ جب نہیں ہیں، تو پھر تقلید کو کیوں اپنے اوپر فرض کرلیا ہے؟

اس سے تائب ہو جائیں، یہی عافیت کی راہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائیے)

قرآن حکیم کی نظر میں تقلید ہمیشہ گنہگاروں کی دلیل رہی:

قارئین کرام: مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ جب کہ کفار ان فرامین سے باغی ہوتے ہیں۔ اور وہ کام کرتے ہیں، جس سے اللہ کی ناراضگی لازم آتی ہو۔ ایسے کاموں پر کفار نے ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو ہی دلیل

[1] شرح السنة: ١/ ٩٨، مشكوٰة ١٦٧.

بنایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید جرائم اور رب کی نا فرمانی کا بدترین ذریعہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(الاعراف : ۲۸)

’’اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں، تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے، اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔‘‘

مزید فرمایا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾

(البقرہ : ۱۷۰)

’’اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، اور اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔‘‘

ان دونوں آیات پر غور فرمایئے! کفار نے اپنے گندے کاموں پر جس چیز کو سند اور دلیل بنایا ہے، وہ تقلید ہی ہے۔ ورنہ عقلاً ونقلا ان گندے کاموں کے جواز کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ اسی لیے جب ان کو کہا جاتا ہے کہ تم بے حیائی والے کام نہ کرو۔ کسی دلیل کو پیش کرنے کے بجائے یہ کہتے کہ ہم نے اپنے باپ و دادا کو ایسے ہی کرتے ہوئے پایا تھا۔ انکو اللہ نے ہی حکم دیا ہوگا تب ہی تو وہ ایسا کرتے تھے۔ یعنی تقلید کو بے حیائی اور رب کی نا فرمانی پر دلیل بنایا جا رہا ہے۔

آج بھی بعض مقلدین کا ایسا ہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین جب ان کو سنائے جاتے ہیں تو جواب میں فوراً کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا غلط تھے؟ جو سالہا سال سے ایسا کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ اندازہ کریں کہ دلیل پیش نہیں کرنی، بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مخالفت کیلئے دلیل باپ و دادا کی اندھی تقلید ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حق اور صحیح بات کی قبولیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تقلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ابتدا سے ہی منع فرمایا، آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

((وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَاءُ كُمْ .)) ❶

''کہ جو باپ دادا کہتے ہیں اس کو چھوڑ دو۔''

کیونکہ یہ حق میں رکاوٹ ہے، لہٰذا تقلید جیسی لعنت سے خود کو بچانا ہی بہتر ہے کیوں کہ اس میں خیر کا پہلو نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مخالفت پر ابھرنے کا عنصر موجود ہے جو کہ بربادی کا سبب ہے، تقلید کو چھوڑیے اور سنت رسول ﷺ پر ہی عمل کریں۔ یہی کامیابی ہے۔ اللہ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کی روشنی میں تقلید کرنے والے خواہشات کے پجاری ہیں:

قارئین کرام: تقلید اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا سبب ہے، اسی طرح تقلید سے ہی انسان اپنی خواہشات کا پجاری بنتا ہے۔ تقلید ہی کو اپنے سامنے رکھ کر دلیل بنا کر بھی جائز چیزوں سے اس لیے منہ موڑ لیتا ہے کہ ان کو انہوں نے نہیں کیا کہ جن کے ہم مقلد ہیں، ایسے ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلاً قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (یونس!٥٩)

''آپ کہیے، تم یہ تو بتلاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا، پھر تم نے

---

❶ صحيح بخاری، كتاب بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحی الی رسول الله صلی الله عليه وسلم و قول الله عزوجل: انا اوحينا اليك كما اوحينا الی نوح والنبيين من بعد (النساء: ١٦٢).

اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا، یا اللہ پر اختراع کرتے ہو۔''

غور فرمایئے: اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کرنے کیلئے سوائے تقلید کے کوئی دلیل مجرمین کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی وضاحت فرمائی ہے کہ خواہشات کے علاوہ کوئی دلیل انکے پاس نہیں ہے۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ۝﴾ (القصص : ٥١)

''پھر اگر یہ تیری بات نہ مانیں تو یقین کرلے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کررہے ہیں، اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو، بغیر اللہ کی رہنمائی کے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اندازہ کیجئے کہ خواہشات کے پجاریوں کی سزا جہنم ہے، ان پجاریوں کی پہچان یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کو رد کرتے ہیں۔

بس اپنی چاہت کے مطابق چلتے چلے جاتے ہیں، ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ کہ جن کا ایمان بھی ختم ہو چکا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۝﴾ (النور : ٤٧)

''وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان لائے۔ پھر اس کے بعد ایک گروہ ان میں سے پھر جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں ہے۔''

قارئین کرام! ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت فرماں برداری کی جائے۔ یہ دونوں ہستیاں چھوٹنے نہ پائیں۔ اس کے علاہ سب چھوٹ جائیں کسی

کی کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب گردن سے تقلید کی لعنت کا پٹہ اتار دیا جائے۔ بصورت دیگر دوسروں کو راضی کرنے کا شوق بھی دل میں پیدا رہے گا۔ جو کہ تباہی اور بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔

خواہشات کے پجاری عذاب کے مستحق ہیں:

قارئین کرام: مقلد خواہشات کا پجاری ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی تسکین کیلئے تقلید کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالتا ہے، جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات کے مقابلہ میں اپنی خواہشات کا پجاری بنے گا، جو کہ تقلید کا منشا ہے۔ تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کبھی بھی نہیں بچ سکتا۔ اللہ مالک الملک کا فرمان ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (المائده: ٤٩)

”آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کریں، آپ ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے، اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اترے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں، اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں انکے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ بے حکم (گنہگار) ہی ہوتے ہیں۔“

اندازہ کیجیے! جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات سے اعراض کرے گا۔ اس کو خواہشات کا پجاری ہم نے بنایا ہی اس لیے ہے۔ تا کہ ہم انہیں ان کے گناہوں کی سزا دے دیں۔ اور یہ سزا دنیا اور آخرت کی بربادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ٦٣)

''ارشاد ہوا: جا، ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے، جو پورا پورا بدلہ ہے۔''

یعنی جس نے بھی اپنی خواہشات کو تسکین دینے کیلئے تیری پیروی کی تو تجھ (شیطان) کو اور تیرے پیچھے چلنے والوں سب کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ کیونکہ تمہاری تقلید و خواہشات کو پورا کرنے کا ہی پورا اور مکمل بدلہ ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تقلید جہنم میں لے جانے کا باعث ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُولَاo وَقَالُوا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّونَا السَّبِيلَاo﴾ (الاحزاب: ٦٦-٦٧)

''اور جس دن ان کے چہرے جہنم میں الٹے کیے جا رہے ہوں گے۔ تو کہیں گے کاش! ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ ہم نے تو اپنے بڑوں کی بات سرداروں کی بات مانی کہ جن ظالموں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔''

اس آیت نے بھی واضح کیا کہ تقلید بربادی کا سبب اور جہنم میں لے جانے کا باعث ہے، لہٰذا تقلید جامد سے توبہ کرنی چاہئے تا کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے۔ اللہ سمجھ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

قرآن حکیم میں تقلید نہ کرنے اور شریعت کا پابند رہنے کا حکم:

تقلید چونکہ اللہ کے عذاب کو واجب کر دینے والی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ خود کو تقلید جامد سے بچایا جائے۔ یعنی ایسی چیزوں سے جو قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ اور بس ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمان برداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہم اسی کے پابند ہیں، ارشاد باری ہے۔

﴿اِتَّبِعُوا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَo﴾ (الاعراف : ٣)

''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔''

غور فرمائیے! ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی پابندی کا حکم دیا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے۔ ان تمام چیزوں کی پابندی سے ہمیں روک دیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے؟ کہ ہم تقلید کو اپنے اوپر لازم کرتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے لازم نہیں کیا۔ بلکہ نہ صرف یہ کہ لازم نہیں کیا بلکہ انتہائی سختی کے ساتھ ہمیں روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی کی بات کو حرف آخر نہیں ماننا۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں ہی ارشاد فرمایا، اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔''

تو جس بات سے ہمیں روکا گیا ہے۔ ہم اسی کو اپنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اسی پر اپنے مذہبوں کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ کوئی حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی اور کوئی حنبلی بن بیٹھا ہے۔ ان کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ کہاں کی اطاعت ہے، اور یہ کیسی ایمان داری ہے؟ حالانکہ ایمانداری کا تقاضا تو بس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع ہے نا کہ اپنی یا کسی دوسرے کی خواہشات کی اتباع۔ اللہ ہمیں پکا سچا اور کامل مومن بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

شریعت مکمل ہے تو تقلید کیوں؟

قارئین کرام: شریعت اسلامی مکمل ہے، اس میں ذرا برابر کی بھی کمی نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدة: ٣)

''کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے۔''

مکمل چیز وہ ہوتی ہے کہ جس میں کسی چیز کو داخل کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ ہو۔ تو جب یہ شریعت مکمل ہے پھر تقلید کو اس میں داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یقیناً نہیں ہے کیونکہ یہ دین مکمل ترین دین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل : ۸۰)

''اور جس دن ہم ہر امت کے لئے انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے، اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔''

اس آیت کے آخری حصہ پر غور فرمائیے۔ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کتاب میں ہر چیز کی مکمل وضاحت موجود ہے اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان سے واضح کیا۔

اے لوگو! جو چیز تمہیں جنت کے قریب کر سکتی تھی۔ اس کے بارے میں میں نے تمہیں اطلاع دے دی ہے۔ اور جو چیز تمہیں جہنم میں لے جانے کا سبب بن سکتی تھے۔ اس کے بارے میں بھی میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ [1]

اندازہ کیجیے، کہ جو چیز ہماری کامیابی کیلئے ضروری تھی، اس کو اس دین میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اور جو ہماری بربادی کا سبب بن سکتی تھی۔ اس چیز کے بارے میں بھی ہمیں خبردار کر دیا گیا ہے۔ تو جو شریعت سے باہر چیز ہے جیسے تقلید و بدعات وغیرہ۔ انہیں دین کا حصہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

تقلید نہ کرنے والے بہترین لوگ ہیں:

قارئین کرام! دین اسلام مکمل دین ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کردہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، تو پھر تقلید کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یقیناً ایسے لوگ سعادت مند ہیں جو دین کو مکمل جانتے اور مانتے ہوئے کسی بھی دوسری شخصیت کو دین میں داخل کرنے کے قائل اور فاعل نہ

[1] سلسلة الصحيحه، رقم: ۲۸۶۶، صحيح الترغيب، رقم: ۱۷۰۲، صحيح الجامع الصغير، رقم: ۲۰۸۵.

ہوں۔رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا۔اس نے کہا، آپ ﷺ مجھے ایسا عمل بتا دیجیے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔آپ ﷺ نے اس کو فرمایا۔کہ تو اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، فرضی نمازیں پڑھ، زکاۃ کی ادئیگی کر اور رمضان کے روزے رکھ۔

اس دیہاتی نے یہ سن کر کہا: مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بتائے ہوئے کاموں میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔تو جب یہ دیہاتی واپس چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی جنتی کو دیکھنا ہو، وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ [1]

اندازہ کریں! جنت کی بشارتیں ہیں۔ جو دین کو مکمل جانیں۔تقلید وغیرہ کی ضرورت محسوس نہ کریں یہی بہترین لوگ ہیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

((سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الْقَرْنُ الَّذِي أَنَافِيْهِ ، ثُمَّ الثَّانِي ، ثُمَّ الثَّالِثُ .)) [2]

''ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کون لوگ بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ وہ قرن بہتر ہے۔جس میں میں ہوں، پھر دوسرا قرن بہتر ہے، اور پھر تیسرا۔''

غور فرمائیے کہ آپ ﷺ نے اپنے دور کے لوگوں کو سب سے بہترین قرار دیا۔ان سے مراد صحابہ کرام ہیں، ان کے بعد تابعین۔ پھر تبع تابعین رحمہم اللہ اجمعین۔ یہ بہترین لوگ ہیں، ان تینوں مبارک زمانہ میں تقلید کا نام ونشان تک نہ تھا۔

اگر تقلید کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان کو جو بہترین لوگ ہیں، آپ ضرور وصیت فرماتے۔ لیکن ایسا کوئی حکم آپ ﷺ سے نہیں ملتا۔اس کے باوجود انہیں بہترین لوگ قرار دیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۱۳۹۷، صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۱۰۸.

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، باب فضل الصحابه ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم، رقم: ٦٤٧٨.

((عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِی ، ثُمَّ الَّذِی یَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ یَجِیُٔ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ یَمِیْنَهُ ، وَیَمِیْنُهُ شَهَادَتَهُ .))❶

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر ان کے بعد والے، اور پھر ان کے بعد والے۔ پھر ایسی قومیں آئیں گی جنکی شہادت قسم سے اور قسم شہادت (اور گواہی) سے سبقت کر لے گی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

((أُوْصِیْکُمْ بِأَصْحَابِی ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ یَفْشُوْ الْکَذِبُ حَتَّی یَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ وَیَشْهَدُ وَلَا یُسْتَشْهَدُ ، فَمَنْ أَرَادَ مِنْکُمْ بِحبحُوحَةِ الْجَنَّةِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ .))❷

''میں تمہیں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ انکے نقش قدم پر چلنا)، پھر ان کے بارے جو ان سے قریب ہیں، پھر ان کے بارے میں جو ان سے قریب ہیں، پھر جھوٹ عام ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی بلا قسم دیئے بھی قسم اٹھائیں گے اور بلا گواہی طلب کیے بھی گواہی دیں گے۔ سو جو شخص جنت کے وسط میں داخل ہونا چاہتا ہے تو وہ اس جماعت کا ساتھ نہ چھوڑے۔''

امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۴ھ) خیر القرون کی

---

❶ صحیح بخاری ، کتاب الشهادات ، رقم: ۲۶۵۲، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ثم الذین یلونهم ثم الذین یلوتهم، رقم: ۶۴۷۲.

❷ مستدرك حاکم، رقم: ۱۹۷۰، سنن ترمذی، کتاب الفتن ، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، ح: ۲۱۶۵، صحیح الجامع الصغیر، رقم: ۲۰۴۹.

حدیث کی شرح کرتے ہوئے قرن کے متعدد معانی بیان کرتے ہیں، اور پھر آخر میں لکھتے ہیں:

((وَالصَّحِيْحُ أَنْ قَرْنَهُ الصَّحَابَةُ، وَالثَّانِي التَّابِعُوْنَ، وَالثَّالِثُ تَابِعُوْهُمْ.)) ❶

''صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے قرن سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، اور دوسرے قرن سے تابعین رحمہ اللہ کا اور تیسرے قرن سے تبع تابعین مراد ہیں۔''

اور کون نہیں جانتا کہ خیر القرون میں تقلید شخصی کا نام ونشان تک نہیں تھا، بلکہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ مالک، شافعی اور احمد بن حنبل تک یہ سب لوگوں کو تقلید شخصی سے منع فرماتے رہے اور قرآن وسنت کو حرف آخر تسلیم کرتے رہے، اور نہ ہی ائمہ اربعہ نے کسی کی تقلید شخصی کی۔ ❷

ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق
فتنہ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر

تقلید نئی پیداوار ہے:

قارئین کرام: پہلے بھی ہم اسی بات کو واضح کر آئے ہیں کہ تقلید خیر القرون، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں قطعاً نہیں تھی، بلکہ یہ خیر القرون کے بعد کی ایجاد ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

❶ شرح مسلم، ۲/ ۳۰۹.

❷ کشف الاسرار شرح أصول البزدوی ج: ۳، ص: ۳۲۱ مطبوعه قدیمی کراچی (یہ فقہ حنفی کے اُصول کی کتاب ہے۔) پر لکھا ہے: ذكر حسام الدين رحمه الله فى شرح ادب القاضى ،ان فى تقليد التابعى عن ابى حنيفة رحمه الله روايتين: احداهما ، انه قال: لا قلوهم رجال اجتهدوا و نحن رجال نحتهد وهو الظاهر من المذهب.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابعین بھی رجال ہیں، اور ہم بھی رجال ہیں، انہوں نے بھی اجتہاد کیا ہے ہم بھی اجتہاد کریں گے لہٰذا میں کسی تابعی کی تقلید نہیں کرتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: فانّ هؤلاء الفقهاء قد نهو عن تقليدهم وغيرهم (حجة الله البالغه، ج۱ ، ص: ۳۵۱) ان تمام فقہاء (اربعہ) نے اپنی تقلید اور اپنے علاوہ کسی دوسرے کی بھی تقلید سے منع کیا ہے۔ اور جو ان کی تقلید کرتے ہیں وہ تقلید کر کے ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

((وَتَرَى الْعَامَّةَ ، سِيَمَا الْيَوْمَ ، فِيْ كُلِّ قُطْرٍ يَّتَقَيَّدُوْنَ بِمَذْهَبٍ مِّنْ مَذَاهِبِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ ، يَرَوْنَ خُرُوْجُ الْإِنْسَانِ مِنْ مَّذْهَبِ مَنْ قَلَّدَهُ وَلَوْ فِيْ مَسْئَلَةٍ كَأَنْ خُرُوْجُ مِنَ الْمِلَّةِ كَأَنَّهُ نَبِيٌّ بُعِثَ إِلَيْهِ وَافْتُرِضَتْ طَاعَتُهُ عَلَيْهِ ، وَكَانَ أَوَائِلُ قَبْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ غَيْرَ مُتَقَيِّدِيْنَ بِمَذْهَبٍ وَاحِدٍ .)) [1]

''تم عام لوگوں کو دیکھو گے خاص طور پر آج کل، ہر علاقے ہی میں، جنہوں نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی (تقلیدی) مذہب سے وابستہ کر رکھا ہے، وہ اپنے امام کے مذہب سے نکلنے کو چاہے کسی ایک ہی مسئلے میں ہو، ایسے سمجھتے ہیں جیسے وہ ملتِ اسلام ہی سے نکل گیا، گویا وہ (امام) ایسا نبی ہے جو اس کی طرف من جانب اللہ بھیجا گیا ہے، اور اس کی اطاعت اس پر فرض قرار دی گئی ہے، حالانکہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہب سے وابستہ نہیں تھے۔''

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تقلید خیر القرون میں نہیں تھی، اور تقلید کرنے والوں کی اپنے تقلیدی مذہب کے ساتھ وابستگی کس نوعیت کی ہے، اپنے تقلیدی مذہب سے وہ کسی صورت نکلنے کیلئے تیار نہیں ہیں، بس تقلید کو ہی سب کچھ سمجھ رہے ہیں۔

جیسے تقلید بھی کسی نبی کی طرف سے ان کو پہنچی ہے، اگر تقلید کو چھوڑا تو کافر ہو جائیں گے، حالانکہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اس کا تصور تک موجود نہ تھا۔ یعنی دین سے اس کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ لیکن لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کو فرض کر لیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں تقلید کی حیثیت:

قارئین کرام! قرآن و حدیث کی روشنی میں تقلید کی کیا حیثیت ہے اور کتنی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ اس کی کچھ وضاحت ہم پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی تقلید کی حیثیت و اہمیت ملاحظہ فرما لیجئے، تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جنہوں

---

[1] الفوز الکبیر میں اسی معنی کی بات موجود ہے۔

نے شب وروز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے، آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنے سینے سے لگایا اور کائنات کے افضل ترین لوگ قرار پائے۔ وہ اس تقلید کو کسی نظر میں دیکھتے ہیں چنانچہ۔

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کسی بھی صورت میں کسی کی تقلید نہ کرو۔ اگر وہ مومن ہے تو تم بھی مومن بن جاؤ گے۔ لیکن اگر وہ کافر ہے تو تم بھی کافر بن جاؤ گے۔ ❶

۲: سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِيَّاكَ وَالْاِسْتِنَانَ بِالرِّجَالِ .))

لوگو کی تابعداری سے بچو۔ ❷

۳: عروہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ نے لوگون کو حج تمتع کا فتویٰ دے کر گمراہ کر دیا ہے، حالانکہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حج تمتع کے قائل نہیں تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تم اس اندازے سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو۔ کیونکہ میں تم کو حدیث رسول ﷺ سناتا ہوں، اور تم اس کے جواب میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال پیش کرتے ہو۔ ❸ جب کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال حدیث رسول ﷺ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت و اہمیت ہی نہیں رکھتے۔ اور تم اپنے اس انداز سے لوگوں کے ہاں حدیث کے مقابلہ میں اقوال پیش کر کے ان اقوال کو اہمیت دینا چاہتے ہو یا لوگوں کے ہاں ان اقوال کی اہمیت بنانا چاہتے ہو۔ اگر سوچ اور فکر یہی ہے تو پھر یاد رکھنا کے تم لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو۔

قارئین کرام! صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک تقلید کی کیا حیثیت ہے۔ مذکورہ اقوال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بڑوں بڑوں کی بات کو حدیث کے مقابلہ میں رد کر دیتے تھے۔ بس

❶ جامع البیان العلم : ۱۳۷/۲، میزان الشعرانی ۴۷/۱، طبرانی کبیر.

❷ اعلام الموقعین جلد ۲۔ ۱۹۰.

❸ فتح المجید، ص: ۴۳۱.

حدیث رسول پر ہی عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اسی پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے تھے۔

جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہو رہا ہے۔کوشش کرنا چاہیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہم بھی اپنے آپ کو حدیث رسول کا پیروکار بنائیں۔تاکہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوسکیں۔اللہ توفیق بخشے۔(آمین یارب العالمین)

تقلید پر سلف صالحین کے اقوال

قارئین کرام! تقلید کی حیثیت کیا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں پچھلے صفحات میں ہم اس کا کچھ جائزہ پیش کر آئے ہیں، اب ہم آپ کو یہ بتائیں گے کہ امت کے اسلاف تقلید کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

تقلید کے ساتھ عبادت گمراہی ہے:

مقلد کے پاس دلیل نہیں ہوتی وہ بس اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشے قدم پر چلتا ہے، اسی لیے مقلد کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ صحیح کام کر رہا ہے یا غلط۔ چونکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی، اسی وجہ سے گمراہی کے انتہائی قریب ہوتا ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبادت بہ تقلید گمراہی است

خنک رہ روئے راکہ آگاہی است

''تقلید (جامد) کے ساتھ عبادت کرنا گمراہی ہے، اس راہی کو مبارک ہو جو اپنے مقصود سے آگاہ ہو۔''

اندازہ کیجئے شیخ رحمہ اللہ تقلید کے مطابق عبادت کو گمراہی قرار دے رہے ہیں، کیونکہ یہ عبادت بغیر علم و آگاہی کے ہے۔اور ایسا شخص کبھی بھی بھٹک سکتا ہے۔اس جانور کی طرح کہ

جو اپنے ریوڑ سے الگ ہو گیا ہو۔اور اپنی منزل سے ناواقف ہو، چنانچہ علامہ عبید اللہ بن المعتز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((لَا فَرْقَ بَيْنَ الْبَهِيْمَةِ تُقَادُ ، وَإِنْسَان يُقَلِّدُ .)) [1]

''کہ مقلد انسان اور نکیل والے جانور میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح کہ جانور کو اپنے خیر وشر کا پتہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو اپنے مالک کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ جہاں مالک چاہتا ہے لے جاتا ہے چاہے اچھا ہو یا برا۔''

بس یہی حال مقلد کا ہے کہ اپنے امام کے اقوال کا پابند ہوتا ہے، اب یہ امام پر ہے کہ اسے صحیح چلائے یا غلط رہنمائی کرے، اور اس کو تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچا دے۔ کیونکہ اس مقلد کی اپنی کوئی سوچ نہیں ہوتی ،اس وجہ سے یہ گمراہی کے قریب تر ہے۔

تقلید قوت فیصلہ کو کمزور کرتی ہے:

مقلد چونکہ اپنے آپ کو دوسروں کی آراء کا پابند بنا لیتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی قوت فیصلہ انتہائی کمزور بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور کبھی بھی کسی شکل سے نکلنے یا اس کا مقابلہ کرنے کی اس میں قوت وطاقت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تقلید کی شکل میں غلامی میں جکڑا ہوتا ہے۔

گرچہ عقلت سوئے بالدمی پرد
مرگ تقلید بہ پستی چرد

''اگرچہ تیری عقل بلند پرواز کرنا چاہتی ہے، لیکن تیری (جامد) تقلید نے تجھ کو پست ہمت کر رکھا ہے۔''

زدتکہ تقلید آفت پہ نیکو پست
کہ بود تقلید اگر کو قولیت

''کیونکہ تقلید ہر نیک کام کے لیے آفت ہے دراصل تقلید گھاس پھونس ہے اگرچہ دیکھنے میں بہار معلوم ہوتی ہے۔''

---

[1] اعلام الموقعین جلد٢.

یعنی عقل سلیم اچھے اور برے میں امتیاز کر سکتی ہے۔لیکن تقلید کی زنجیر نے اسے جکڑ کر رکھ دیا ہے۔اس کو سوچنے کا موقع دیتی ہی نہیں ہے۔جس کی وجہ سے اچھے اور برے میں تمیز نہیں کر پاتی۔اور اپنے نفع اور نقصان کو نہیں پہچان پاتی،جس کی وجہ سے ہمیشہ ناکامیوں کا ہی منہ دیکھتی رہتی ہے۔کبھی کامیابیوں کا شادیانہ نہیں سن پاتی۔یہ سب کچھ تقلید کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تقلید کوئی اچھا کام نہیں ہے:

تقلید چونکہ تباہی اور بربادی کا دوسرا نام ہے،انسان کو انتہائی کمزور بنانے کا سبب ہے۔اور اس کی قوت فیصلہ چھپانے والی ہے۔انسان کو غلامی کے بندھن میں باندھنے والی ہے۔ان ہی وجوہات کی وجہ سے تقلید کوئی اچھ صفت نہیں ہے۔چنانچہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر تقلید بودے شیوہ خوب

پیغمبر ہم رہ اجداد رفتے

''اگر تقلید اچھا طریقہ ہوتا تو پیغمبر ﷺ بھی اپنے آباؤ اجداد کی راہ پر چلتے۔''

اندازہ کیجئے! ڈاکٹر صاحب کس خوبصورت انداز سے تقلید کا رد کر رہے ہیں۔کہ تقلید اگر اچھی چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بھی تقلید کرنے کا حکم دیتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ حکم نہیں دیا۔بلکہ سختی سے آپ کو روک دیا ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ﴾ (البقرہ: ١٤٥)

''علم آجانے کے بعد بھی اگر آپ ﷺ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی۔تو آپ بلا شبہ ظالموں سے ہو جائیں گے۔''

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو تقلید سے روکا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین نے تقلید سے روکا ہے نا کہ اس کی ترغیب دی ہے۔بلکہ لوگوں نے خود ہی تقلید کے طوق اپنے گلے میں ڈال لیے ہیں۔اور اسی تقلید پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ لی ہے۔اور

تقلید کو اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کوئی تقلید کی نغمہ سرائی کرتے ہوئے یوں کہتا ہے۔

قال قال بسیار است

مرا قول ابوحنیفہ درکار است

''احادیث تو بہت ہیں لیکن مجھے تو اپنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال سے سروکار ہے۔''

مرا قول ابو حنیفہ باید

قول رسول کافی نیست

''میرا مطمع نظر تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے حدیث رسول ﷺ میرے لیے کافی نہیں ہے۔''

اس قسم کی بکواسات کرتے ہیں، بعض قسم کے متعصب مقلدین، جو کہ انتہائی کفریات پر مبنی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام رحمہم اللہ نے تقلید سے منع کیا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اِذَا قُلْتُ قَوْلًا یُخَالِفُ کِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰی، وَخَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَاتْرُکُوْا قَوْلِی .))❶

''جب میری بات کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو۔''

یہ بھی فرمایا:

((حَرَامٌ عَلَی مَنْ لَمْ یَعْرِفْ دَلِیْلِی أَنْ یُفْتِیَ بِکَلَامِی .))❷

''جو شخص میری دلیل کو نہیں جانتا میرے اقوال سے فتویٰ دینا اس کیلئے حرام ہے۔''

قارئین کرام! اندازہ کریں امام رحمہ اللہ کس قدر سختی سے منع فرماتے ہیں۔لیکن مقلد ماننے کیلئے تیار ہی نہیں۔ کیونکہ عقل وخرد ختم ہو چکی ہے۔ کہ جس سے صحیح بات تسلیم کرے۔امام

---

❶ فتاویٰ الدین الخالص، ۱/۱۲.

❷ میزان الشعرانی: ۱/۶۲۔ پیچھے گزر چکا ہے۔

مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَيْسَ لِأَحَدٍ إِلَّا وَيُوْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ .)) ❶

''کہ نبی ﷺ کی بات کے علاوہ ہر کسی کی بات رد بھی کی جا سکتی ہے، اور لی بھی جا سکتی ہے۔''

امام رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ہے کہ میں ایک بشر ہوں۔ بشریت کا تقاضا ہے کہ غلطی بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بات بھی۔ تو جو بات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو لے لو اور جو موافق نہ ہو اس کو چھوڑ دو۔ ❷

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهُ السُّنَّةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ .)) ❸

''مسلمانوں کا اجماع ہے جس پر حدیث رسول ﷺ آشکارا ہو جائے۔ اسے کسی کے قول کی وجہ سے چھوڑنا اس پر حرام ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں: ''اگر کسی مسئلہ میں مجھ سے سنت رسول ﷺ کی مخالفت ہو جائے۔ تو میں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی قول سے رجوع کرتا ہوں۔'' ❹

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَا تُقَلِّدْنِي ، وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكًا ، وَلَا الشَّافِعِي ، وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ ، وَلَا الثَّوْرِيَّ ، وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوْا .)) ❺

---

❶ جزء القراة للبخارى، ص: ١٤، جامع بيان العلم وفضله ٢/ ٩١.

❷ ارشاد دالسالك ١/ ٢٢٧.

❸ فتاوىٰ الدين، الخالص، ١/ ١٣.

❹ فتاوىٰ الدين الخالص، ١/ ١٢، ١٣.

❺ جامع البيان العلم ٢/ ١٣٠١.

''نہ میری تقلید کرو، نہ مالک کی، نہ شافعی کی، نہ اوزاعی کی اور نہ ہی سفیان ثوری کی بلکہ تم بھی مسائل وہیں سے لو جہاں سے انہوں نے لیے۔''

قارئین کرام! ان اقوال آئمہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔تقلید کی حیثیت واہمیت کا اور ان کی حدیث رسول ﷺ سے محبت کا کہ اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہی تلقین و تاکید کرتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق فتاویٰ جاری کرو۔محض ہمارے اقوال کی وجہ سے فتاویٰ مت جاری کرو۔ اور کسی کی بھی تقلید مت کرو۔ بلکہ مسائل کو وہاں سے حاصل کیا کرو جہاں سے انہوں نے حاصل کیے ہیں (یعنی قرآن وحدیث)

مقلدین کے اعتراضات وشبہات اور ان کے جوابات:

اب تقلید سے متعلق مقلدین کے اعتراضات اور شبہات کے جوابات ملاحظہ کیجئے:

کیونکہ مقلدین اپنے شبہات کی وجہ سے طلبا اور عوام کے ذہنوں کو منتشر کرتے ہیں۔ یہ شبہات بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم صرف چند مشہور شبہات اور اعتراضات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض......: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(النحل: ۴۳)

''اگر تم خود نہیں سمجھتے تو علماء کرام سے پوچھو۔''

یہ آیت تقلید کے اثبات پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ نے اس سے تقلید کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔

جواب:...... پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر میں ہے۔اور آیت کے سیاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض مان لیں کہ آیت عام ہے، پھر بھی اس سے مروجہ تقلید ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کی قید لگائی

ہے، تو کیا مقلد عالم ہوتا ہے یا جاہل؟

اگر عالم ہوتا ہے تو پھر تقلید کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے اور اگر جاہل ہوتا ہے تو اس آیت سے تقلید کے اثبات پر اس نے استدال کیسے کیا؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں ''اھل الذکر'' کا لفظ آیا ہے کہ عوام الناس علما سے مطلوبہ مسائل کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کا حکم معلوم کریں گے، اور علما کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا حکم بتائیں گے۔ جس کے نتیجے میں عوام الناس کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہو جائیں گے، اور علماء ان تک حق کی رسائی کا ذریعہ اور واسطہ بن جائیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاسْئَلُوْٓ أَهْلَ الرَّاىِ﴾ نہیں فرمایا کہ علما کی آراء اور اجتہاد کی تابعداری کرو، بلکہ ''اَهْلَ الذِّكْرِ''، فرمایا ہے۔ اور اہل الذکر اور اہل الرای میں بڑا فرق ہے۔ قرآن پاک میں معنوی تحریف کر کے ان کے غلط استعمال سے عوام کو گمراہ کرنے سے مقلدین کو اجتناب کرنا چاہیے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ان پڑھ کون سے علما سے درپیش مسائل کا حل طلب کرے گا۔ ان سے جو وفات پا چکے ہیں یا ان سے جو بقید حیات ہیں؟ ظاہر ہے تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے آنجہانی عالم کا انتخاب ناممکن ہے تو لامحالہ زندہ علماء کرام سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا جو کہ قرآن وحدیث کے موافق جواب دیں گے۔ تو ایسی صورت میں ناخواندہ نہ تو حنفی رہ سکے گا اور نہ شافعی وحنبلی وغیرہ بلکہ وہ متبع کتاب وسنت کہلائے گا۔

دوسرا اعتراض...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء: ٥٩)

''اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

اس آیت میں ''اولی الامر'' سے مراد علماء کرام ہیں۔ اور اس سے ان کی تقلید کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم دیکر مسلمانوں کو تقلید کرنے پر مامور کیا ہے۔

جواب:......اگر اس آیت پر غور کیا جائے تو مختلف وجوہات کی بنا پر اس سے تقلید کا رد ثابت ہوتا ہے: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں اولی الامر کے ساتھ لفظ ''اطیعوا'' کو مستقل استعمال نہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولی الامر کی بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تحت مانا جائے گا، نہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت میں ان کی مستقل اطاعت کی جائے گی۔ اگر ''اولی الامر'' کی اطاعت مستقل جائز قرار پائی تو پھر نبی ﷺ کی اطاعت میں اور واولی الامر کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، کیونکہ مطلقاً اولی الامر کی اطاعت سے دونوں میں باہم فرق مٹ جاتا ہے۔ سب سے پہلے احناف نے اولی الامر کی اطاعت کو مطلقاً اور مستقلاً جائز قرار دے کر اور احادیث میں تاویلات کر کے اس فرق کو مٹایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ''اولی الامر'' سے مراد مسلم حکمران (حاکم وقت) ہیں۔ کیونکہ معروفات میں حاکم وقت کا حکم ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر بالفرض علما کو بھی اس میں داخل کیا جائے تو ((لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) [1] کے تحت معروفات ہی میں ان کی بات مانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر تفریق واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ علما کی ہر بات میں بتقاضائے بشریت خطا کا احتمال پایا جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولی الامر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ تمام علماء کی بات مانو۔ لیکن مقلد تو صرف ایک عالم کی بات کو اپنے لئے دین میں حجت سمجھتا ہے اس طرح مقلدین نے سب سے پہلے ایک عالم کی تابعداری کر کے اس آیت کی مخالفت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ علماء کے اقوال کو صرف دلیل کی بنیاد پر مانا جائے گا، بغیر دلیل کے اقوال سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، اور رفع اختلاف کے لئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] مسند احمد ۱/۱۳۱، صحیح الجامع: ۷۵۲۰.

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

(النساء: ۵۹)

''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''متنازع فیہ'' مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اور ایسا کرنے والوں کو مومن قرار دیا ہے۔

تیسرا اعتراض......: اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

''استنباط کرنے والے اس کا علم رکھتے ہیں۔''

یہ آیت بھی تقلید کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ قوم کو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر کے بتائیں گے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

جواب:......پہلی بات تو یہ ہے کہ مقلدین کا دعویٰ تقلید کے جواز کا نہیں بلکہ وجوب کا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس سے تقلید کے وجوب پر استدلال مقلدین کی اپنی تفسیر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مصلحت پسندی کا ذکر کیا ہے، جو منافقین کی طرح تحقیق کے بغیر افواہوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ہمارے خیال میں اس آیت میں ردِ تقلید کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح منافقین تحقیق کے بغیر ہر بات پر عمل کرتے تھے، اسی طرح مقلدین بھی ہر سنی سنائی بات پر عمل کرتے ہیں۔

چوتھا اعتراض......: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

''اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں ڈرائیں۔''

علما علم حاصل کر کے اپنے قوم قبیلے کو اس کی تبلیغ کریں، اور اس علم کی روشنی میں ان کو ڈرائیں، اس آیت سے بھی تقلید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ پوری قوم ان علما کی تابع ہوگی۔

جواب:...... اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر قوم اپنے عالم کی بات مانے گی۔لیکن مقلدین نے پوری امت پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید فرض کر دی ہے، اور مذاہب اربعہ نے صرف ائمہ اربعہ کو ''منذرین (ڈرانے والے)'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پوری امت کے علما مراد ہیں۔اس آیت میں نہ صرف تقلید شخصی کی تردید ہے، بلکہ علم اور انذار کو، صرف ائمہ اربعہ میں منحصر کرنے پر واضح رد بھی موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء کرام اپنی قوم کو محض اپنی رائے اور اجتہاد کی روشنی میں یا کسی تیسرے کی بات کی روشنی میں ڈرائیں گے یا پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں؟۔ یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کو بے وقوف نہ بنائیں، بلکہ کتاب وسنت کا صریح حکم ان کو بتائیں۔تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں تقلید کا رد ہے نہ کہ اثبات۔

پانچواں اعتراض......: نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَاقْتَدُوْ بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِى أَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ)) [1]

''میرے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔''

لہٰذا اس سے تقلید ثابت ہوتی ہے۔

جواب:...... ایسے غیر معقول استدلال کی توقع عقلمندوں سے نہیں کی جا سکتی۔سوال یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے کون سے اقوال قبول کیے جائیں گے، جو دلیل سے ثابت ہیں یا وہ جو دلیل سے ثابت نہیں ہیں۔؟ اور پھر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے ایسے فتوے بھی ہیں جن سے مقلدین نے اختلاف کیا ہے۔مثال کے طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چڑیا کی قربانی کو جائز سمجھتے تھے۔ جب کہ مقلدین اس کے قائل نہیں ہیں۔اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ جنبی کے لئے تیمّم کو

جائز نہیں سمجھتے تھے، اسی طرح سیدنا عمرؓ کے نزدیک مس المراۃ (عورت کو چھونے) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے علاوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک اپنے شوہر کا انتظار کرے گی، جبکہ مقلدین اس میں سے کسی مسئلے کے قائل نہیں ہیں۔

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف: ۲،۳)

قول و عمل میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، تو ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں جن میں احناف نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے، جب کہ احناف اس سے وجوب کی دلیل لے کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید ثابت کرتے ہیں، اور سینکڑوں مسائل میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ ان کے نزدیک تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ناجائز ہے۔ (رد المختار)

تیسری بات یہ ہے کہ مقلدین نے تقلید کو صرف مذاہب اربعہ میں منحصر کر دیا ہے۔ اور کسی ایسے صحابی کی تقلید نہیں کی ہے، جس سے ائمہ اربعہ کی تائید میں کوئی قول منقول نہیں ہے۔

❀❀❀❀

---

1 مسند احمد: ۳۸۵/۵، سلسلة الصحيحه، رقم: ۱۲۳۳، سنن ترمذى، رقم: ۳۶۶۳، سنن ابن ماجه، رقم: ۹۷۰، صحيح الجامع الصغير، رقم: ۲۰۱۱.

باب نمبر:۱۳

بدعت کی حقیقت

قارئین کرام! بدعت ایک سنگین ترین جرم ہے، جس کی وجہ سے دین کا بے پناہ نقصان ہوتا ہے۔اور بدعت پرعمل کرنے والا بدبخت اپنے اعمال سے بھی ہاتھ صاف کر لیتا ہے۔ بدعت کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ بدعت کا اطلاق کس چیز پر ہوگا۔اور کسی پر نہیں ہوگا۔ان تمام سوالوں کے جوابات جاننے کیلئے ہمیں بدعت کی لغوی اور شرعی تعریف کو جاننا ہوگا۔

بدعت کی لغوی تشریح:

عربی زبان میں لفظ بدعت دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔اولاً وہ چیز جو کسی سابقہ نمونے کے بغیر ایجاد کی گئی ہو۔چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔کہ آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے کئی رسول بھیجے گئے ہیں۔اور اسی لیے جو شخص کوئی ایسا کام کر بیٹھے اس کو پہلے کسی نے نہ کیا ہو تو اس کے لیے عربی میں " أَبْدَعَهَا "کہا جاتا ہے۔

اوراللہ تعالیٰ کی صفات میں ﴿بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نمونہ کے آسمان کو بنایا۔

ثانیاً: تھکاوٹ یا مشقت، چنانچہ جب اونٹ کسی بیماری یا تھکاوٹ کی وجہ سے راستے میں بیٹھ جائے تو اسے کہا جاتا ہے: " أَبْدَعَتِ الْإِبِلُ . "

حقیقت میں ان دونوں معنوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی بھی ہوا کہ اس کو وہ تھکاوٹ لاحق ہوئی جو پہلے نہ تھی، چنانچہ ابن منظور نے (لسان العرب،ص:۸)اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

یعنی اونٹ کا چلنے سے رک جانا جو اس کی عادت میں سے نہ تھا اس کی عادت کے خلاف انوکھی سی چیز ہے حدیث میں ہے (میں ان ہدی کے جانوروں کو کیا کروں جو چلنے سے عاجز ہیں) [1] اس لغوی تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بدعت ابتدا سے اسم ہیئت ہے یعنی وہ چیز جو کسی مثال سابق کے بغیر ایجاد کی گئی ہو، اس کا اطلاق خیر وشر دونوں پر ہوتا ہے، اور اکثر عرف عام میں مذموم چیزوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔

بدعت کی شرعی تعریف:

علما نے بدعت کی شرعی لحاظ سے بہت تعریفیں کی ہیں، لیکن سب سے واضح اور جامع تعریف یہ ہے:

> ''جس کام کو دین کے اندر اللہ کے تقرب کیلئے ایجاد کیا گیا ہو۔ اس کی صحت پر نہ کوئی دلیل سنت رسول ﷺ سے ہو، اور نہ ہی کتاب اللہ سے ہو۔ اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہو۔''

اس تعریف کی روشنی میں دنیاوی ایجادات:

مثلاً کار، جہاز، ٹیلیفون، وائرلس، ریل گاڑی اور جنگی ہتھیار وغیرہ بدعت سے خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان سے تقرب الی اللہ مقصود نہیں، بلکہ لوگوں کی مصالح کے تحت مشروع چیزوں کے لیے ایجاد کی گئی ہیں۔ یہ وضاحت پیش کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ عموماً بدخو جہلا لوگوں کو اس مغالطے سے دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو اگر بدعت بری ہے۔ تو پنکھے لائٹس، گاڑیاں وغیرہ وغیرہ بھی تو بدعت ہیں، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھیں ان بدعات کو تو اپناتے ہو، لیکن ہم جو کام کرتے ہیں مثلاً میلاد کے موقع پر جلوس نکالنا، تیجہ کرنا، چالیسواں کرنا، قل شریف کا ختم اور دوسرے امور ان پر اعتراض کرتے ہو۔ کہ یہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یفعل بالهدی اذا عطب فی الطریق، رقم: ٣٢١٦، سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب فی الهدی اذا عطب قبل ان یبلغ، رقم: ١٧٦٣، مسند احمد ١/٢١٧، رقم: ٨٦٩ و ١/٢٤٤، رقم: ٢١٨٩، ١/٢٧٩، رقم: ٢٥١٨، صحیح ابن خزیمة، رقم: ٣٠٣٤.

بدعت ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ جن کاموں کو تم کرو وہ ٹھیک ہیں اور جو ہم کریں چاہے کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں وہ بدعت ہے۔

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی پنکھے، صفیں یا لائٹس وغیرہ ہوں گے تو نماز ہو گی ورنہ نہ ہوگی، بلکہ یہ چیزیں تو بس اللہ کے بندوں کی سہولت کیلئے لگائی گئیں ہیں تا کہ آرام وسکون کے ساتھ عبادت کر سکیں، ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اگر یہ نہ بھی ہوں تو بھی نماز ٹھیک ہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن جو کام آپ کرتے ہیں۔ وہ تو آپ نے دین کی طرح ضروری بنا دیے ہیں۔ اور اس پر لوگوں کو ثواب کی بشارتیں سنائی جاتی ہیں ۔اور اگر نہ کی جائیں تو ان کو ملامت کرتے ہو۔جبکہ ان چیزوں کا آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے کوئی ثبوت نہیں ہے، پھر بھی ان کو لازم کرنا بدعت نہیں تو اور کیا ہے، یقیناً بدعت ہے، بدعت سے بچنے کی کوشش کریں یہی دین کا مقصد و مدعی ہے۔

بدعت قرآن کی نظر میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں حوض کوثر پر بیٹھا ہوں گا۔ امت کے افراد آئیں گے۔ اور اس مبارک حوض کا پانی پئیں گے۔لیکن کچھ بدبختوں کو اس حوض کے پانی سے روک دیا جائے گا۔تو میں کہوں گا۔ یہ میری امت ہے۔ مجھے جواب دیا جائے گا۔آپ نہیں جانتے۔ " فَمَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ " کہ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کن کن بدعات کو ایجاد کیا تو میں کہوں گا: ان کیلئے تباہی اور بربادی ہو۔جنہوں نے میرے دین کو میرے بعد بدلا۔ [1]

غور فرمائیں انجام بھی بربادی اعمال بھی ضائع (بدعت کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں چاہے کتنی اچھی کیوں نہ ہو۔)

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

[1] صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبيا صلى الله عليه وسلم، ح: ٥٩٧٤.

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo﴾

(الكهف : ١٠٣-١٠٤)

''کہہ دیجیے! اگر تم کہو تو میں تمہیں بتادوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں، وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوشش بیکار ہو گئیں، اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔''

یہ آیت مبارکہ پر ذرا غور فرمائیں، کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں خبر دی ہے۔ بہت سے ایسے لوگوں کی کہ جو بظاہر اعمال اپنے خیال کے مطابق بہت اچھے اعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ کے ہاں ان اعمال کی ایک ذرہ برابر بھی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ وہ اعمال ہیں جو کہ شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں ہیں، بلکہ اپنی خواہش اور سوچ کے مطابق کیے گئے ہیں، جنہیں ہم بدعت کہتے ہیں۔ حدیث رسول ﷺ نے بالکل واضح طور پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ کہ بدعتی کا کوئی عمل چاہے فرض ہو یا نفلی اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعاً مقبول نہیں ہے۔ اس کی طرف اشارہ مذکورہ بالا آیت میں بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے۔

﴿ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِo وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌo عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌo تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةًo﴾ (الغاشية : ٤-١)

''کیا آپ کے پاس اس چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر آئی ہے۔ اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے، اور محنت کرنے والے تھکے ہوئے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔''

اس آیت میں بھی بدعت کی نفی کی گئی، اور یہ بتایا گیا کہ بدعتی بظاہر بہت عمل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تھک جاتا ہے۔ لیکن انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اس کے اعمال کو تب قبول نہیں فرمایا جائے گا۔ کیونکہ جن کے اعمال کو قبول کر لیا جاتا ہے وہ یقیناً جنتی ہیں اور جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بدعت پرست لوگ اپنے خیال کے مطابق عمل

تو یہ سمجھ کر کر رہے تھے کہ جنت ملے گی۔ رب کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی اور خود کو اللہ کا بڑا ہی مقرب بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش میں تمام حدود پھلانگ کر اپنے آپ کو خود ہی تباہی اور بربادی کے گڑھے پر پہنچا لیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لہٰذا ہوش کے ناخن لینے چاہیں۔ شریعت (سازی جو کہ بدعت کا دوسرا نام ہے) سے قطعاً پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ کامیابی شریعت سازی میں نہیں ہے۔ بلکہ شریعت پر عمل کرنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

بدعت اللہ پر افترا (جھوٹ بولنا) ہے:

قارئین کرام! بدعت دین میں نئی پیدا کردہ چیز کا نام ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے نہیں ملتا، بلکہ یہ خالص بدعت کی ایجاد ہوتی ہے۔ جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن بدعتی بدبخت اس کو دین بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس وجہ سے یہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، جس کا انجام خطرناک ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ٥ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ٥﴾ (سورة یونس : ٦٩، ٧٠)

''آپ کہہ دیجئے! جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہ ہوں گے، یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے، پھر ہمارے پاس ان کو آنا ہے، پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے۔''

اس آیت نے واضح کیا ہے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دنیا کا اگر اس کو تھوڑا سا فائدہ مل بھی گیا۔ پھر بھی اس کو بدترین عذاب ہی برداشت کرنا پڑھے گا۔ یہ عذاب کی بدترین سزا محض اللہ پر جھوٹ باندھنے کا نتیجہ ہے۔

قارئین کرام! اللہ پر جھوٹ باندھنے کی کئی صورتیں ہیں۔

۱: اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ حالانکہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک بنایا ہی نہیں۔ شرک بھی جھوٹ ہے۔

۲: اپنی بات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات باور کروانا۔

۳: بدعت یہ بھی اللہ پر جھوٹ ہے، کیونکہ بدعتی اپنی بدعت کو دین کا حصہ بنا کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اہل کتاب کے اس قسم کے کردار کو اللہ نے اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے۔

﴿ وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَمِنَ الۡكِتٰبِ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِاللّٰهِ وَمَاهُوَمِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ۝﴾

(آل عمران : ۷۸)

''یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے، تا کہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو، حالانکہ دراصل وکتاب میں سے نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔''

غور فرمایئے۔ کہ دین میں ردوبدل کرنا۔ اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ مومن کی قطعاً شان نہیں ہے، بدعتی بھی اہل کتاب والا مذموم کام کرتا ہے۔ اپنی بدعت کے ذریعہ دین کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی بدعت کو اللہ کا فرمان باور کروانا چاہتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴾ (البقرہ : ۷۹)

''ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں، اور صرف گمان اور انکار ہی پر ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں، اور جو اس طرح دنیا کماتے ہیں ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے۔''

اس آیت نے بھی واضح کیا ہے۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ لہٰذا بدعات جو کہ جھوٹ کا دوسرا نام ہے۔ ضروری ہے کہ ان سے توبہ کی جائے۔ ورنہ انجام انتہائی بھیانک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

بدعت اللہ تعالیٰ کے دین میں اضافہ اور شرکیہ کام ہے:

کیونکہ بدعت ہوتی ہی وہ ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ اس لیے یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کو قطعاً قبول نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا اختیار اللہ نے کسی فرد و بشر کو دیا ہے۔

﴿وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۝ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۝ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝﴾ (الحاقہ : ٤٤ تا ٤٨)

''اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا۔ تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔''

ترجمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ دین میں اضافے کا اختیار اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محبوب پیغمبر کو بھی نہیں دیا۔ تو پھر یہ کون ہے جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے بھی اللہ

کے نزدیک بڑا بنا کر پیش کر رہا ہے۔ یقیناً ایسا بد بخت ہے۔ کہ جس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اگر توبہ کے بغیر مر گیا۔ تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ بدعات جو کہ دین میں شریعت سازی ہے۔ یہ بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے، ارشاد ربانی ہے۔

کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے حکم دین مقرر کر دئے ہیں۔ جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو ابھی ہی ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً ان ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہیں۔ اندازہ کریں۔ دین بنانے والوں کو مشرک کہا گیا ہے۔ قرآن کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (التوبہ: ۳۱)

”ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔ اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

اس آیت کے بارے میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا۔ کہ ہم نے تو کبھی بھی اپنے مولویوں اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ تو پھر اللہ تبارک نے یہ کیوں کہا ہے۔ کہ ہم نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو رب بنالیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ عدیؓ کہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس کو تمہارے عالم و درویش حلال یا حرام کرتے تھے۔ کیا تم اسکو حرام اور حلال نہیں جانتے تھے؟ عدی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہاں، اللہ کے رسول ﷺ ایسا تو تھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہی تو رب بنانا ہے۔ [1]

---

[1] سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورة التوبة، رقم: ۳۰۹۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

غور فرمایئے جنہوں نے دین کے احکامات میں ردو بدل کیا۔ اپنی سوچ اور خواہش کو دین بنایا۔ انہیں رب کہا گیا ہے۔ اور جو لوگ دین کی اس تبدیلی کو قبول کر لیں۔ اور ان بدعات وخرافات کے مطابق چلنا شروع ہو جائیں۔تو پھر یقیناً وہ مشرک ہوں گے کہ جن کے لیے جہنم کی سزا کے علاوہ کوئی سزا نہیں ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہر قسم کی بدعات وخرافات سے اپنا دامن بچائیں۔ کیونکہ یہی فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احادیث کی روشنی میں بدعت کی حقیقت

بدعت کی ایجاد سے سنت ختم ہو جاتی ہے:

قارئین کرام ! دین اسلام ایک سیدھا سا اور مکمل دستور حیات ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔لیکن اگر اس سے ذرا بھر بھی انحراف کرنے کی کوشش کریں گے۔تو یہ دنیا اور آخرت کی تباہی اور ہماری بدقسمتی ہوگی۔ کیونکہ یہ بدعت ہے، اور بدعت کا انجام تباہی ہے۔

اس حدیث نے ہمارے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دی بہر حال جو بھی قوم کسی بدعت کو ایجاد کرے گی۔ بدعت پر عمل پیرا ہوگی۔تو اس کو رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرنے کی کبھی بھی توفیق نہیں ملے گی۔جس کا نتیجہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کے خاتمہ کہ شکل ہمارے سامنے آئے گا۔ حالانکہ رسول اللہ کی سنت مبارکہ ہمارے رب کا سب سے بڑا احسان ہے۔

رسول ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا، اور اسے یاد کر لینے کے بعد آگے دوسروں تک پہنچا دیا۔ [1]

---

[1] ابو داؤد، کتاب العلم، باب العلم، باب فضل نشر العلم، : ٣٦٦٠ نیز اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

قارئین کرام! سنت رسول ﷺ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا باعث ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ جنت میں آپ ﷺ کا کیا مقام ہوگا۔اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ ایسے مبارک شخص کیلئے۔خوش وخرم رہنے کی دعا بھی فرما رہے ہیں ۔سوچئے جس کیلئے رسول مکرم ﷺ دعا کریں وہ کتنا مبارک ہوگا۔کیونکہ اس کے حق میں آپ ﷺ کی دعا ضرور قبول ہوگی انشاء اللہ۔ یہ عظیم مقام صرف اور صرف سنت پر عمل کرنے سے ملے گا۔لیکن اگر بدعات وخرافات کے پیچھے پڑ گئے تو رسول مکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق سنت باقی نہ رہے گی۔جس کا صاف مطلب یہ ہے۔کہ سنت پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ملے گی۔قارئین کرام! رسول مکرم کے فرمان کو سامنے رکھ کر ذرا غور فرمائیں کہ بدعات نے ہم سے کتنی ہی سنتوں کو نہ صرف چھین لیا ہے۔ بلکہ خلاف سنت کام بھی ہم میں داخل کردیے ہیں۔مثلاً

(۱) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔کہ بلال سحری کی اذان دیتے ہیں۔اس کا مقصد تمہیں جگانا ہے کہ تم سحری کھالو۔اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صبح فجر کی اذان دیتے ہیں تا کہ تم کھانا چھوڑ دو۔ [1]

رمضان میں لوگوں کو جگانے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مذکورہ طریقہ بتایا ہے، لیکن ہمارے معاشرے والے اس کو تو اپنانے کیلئے تیار نہیں اور خود ساختہ طریقوں پر عمل کر رہے ہیں، مثلاً کوئی اعلان کی شکل میں ڈھول پیٹ رہا ہے۔تو کوئی قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔کوئی سیٹیاں بجا رہا ہے۔کیونکہ بدعات کی یہی نحوست ہے۔کہ سنت پر عمل کرنے کی توفیق ہی نہیں ملتی اس طرح ہم اپنے غمی اور خوشی کے معاملات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ بدعات وخرافات کس قدر ہمارے معاملات میں شامل ہوچکی ہیں۔مثلاً فوتگی کے موقع پر آپ ﷺ ورثا کو تسلی دیتے۔تعزیت کرتے۔میت کیلئے بخشش کی دعائیں کرتے۔اور یہ دعا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذان الاعمی اذا کان له من یخبره، رقم: ٦١٧، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، رقم: ٢٥٣٦، سنن ترمذی، رقم: ٢٠٣، سنن نسائی، رقم: ٦٣٧٦، مسند احمد ٤٤/٤، سنن دارمی، رقم: ١١٩١، ١١٩٠.

پڑھتے۔ یہ کام تو آپ کی سنت ہے۔ لیکن معاشرہ اس کے بالکل الٹ چل رہا ہے یعنی فاتحہ پڑھنا۔ اس میں میت کیلئے دعا کہاں ہے؟

قل شریف کا ختم ایصال ثواب کیلئے۔ حالانکہ ایسی کوئی چیز رسول اللہ سے ثابت نہیں ہے۔ ان تمام امور کو سرانجام دینے کے پیچھے بس ایک سوال کرفرما ہے کہ جی اس میں حرج کیا ہے؟ جناب عالی! اگر کوئی حرج نہیں ہے تو نبی ﷺ نے کیوں نہیں کیا؟ کیا نبی ﷺ بھول گئے تھے؟ اگر بھول گئے تھے تو رب تو یاد کرا سکتا تھا۔ اس تمام کے باوجود آپ ﷺ نے مذکورہ کاموں کو نہیں کیا۔ تو پھر ان میں خیر کیسے ہوگئی؟

بدعت بدترین کام ہے:

یقیناً بدعات میں خیر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان۔

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدة : ٣)

''کہ میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔''

کو جھٹلانے کے مترادف ہے، اس لیے کہ رب تبارک وتعالیٰ دین کو مکمل کہتا ہے۔ جبکہ بدعت کو ایجاد کرنے والا بدعت پر عمل کرنے والا۔ اپنے عمل سے اس بات کی نفی کرتا ہے کہ دین مکمل ہے۔ اسی وجہ سے نئی نئی باتیں بدعات کے ذریعہ سے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور دین کا موجد بن جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے یہ اختیار رسول ﷺ کو بھی نہیں دیا۔ اسی وجہ سے بدترین کام ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((اَمَّـا بَعْدُ ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَشَـرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهُ وَكُلَّ مُحْدَثُهَا بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .))[1]

''امابعد! بہترین بیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور بہترین نمونہ اور سیرت

[1] صحيح مسلم ، كتاب الجمعة ، باب تخفيف الصلاة والخطبة ، رقم: ٢٠٠٥.

محمد ﷺ کی سیرت ہے، اور وہ کام برے ہیں جو نئے گھڑے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

غور فرمایئے: یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے۔ کہ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے۔ اور سب سے بہتر اور افضل طریقہ (عمل) محمد ﷺ کا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کے عمل سے بہتر اچھا اور مکمل کس کا عمل ہو سکتا ہے۔ یقیناً نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی آپ ﷺ کے عمل سے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کی کوشش کرے گا۔ چاہے کوئی بھی ہو۔ اور کیسا ہی عمل کیوں نہ کرے چاہے بہت ہی مبارک اور بھلا معلوم ہوتا ہو۔ یاد رکھئے حدیث رسول ﷺ کی رو سے وہ بدترین بدعت ہے۔ کیونکہ اس عمل کو آپ ﷺ نے نہیں کیا۔ جس عمل کو آپ ﷺ اور آپکے اصحاب نے نہیں کیا۔ وہ بدترین بدعت ہے۔ اور بدعت کو آپ ﷺ نے گمراہی قرار دیا ہے۔ سیدنا کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مدنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے اور میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنْ بِهِ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ كَامِلًا ، وَمِنْ أُجُوْرِ مَنِ اسْتَنَّ بِهِ ، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجُوْرِهِمْ شَيْئًا ، وَمَنِ اسْتَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً مَاسْتُنَ بِهِ ، فَدحَلَيْهِ وِزْرُهُ كَامِلًا ، وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ اسْتَنَّ بِهِ ، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا)) [1]

''جس نے میری سنتوں میں سے ایک سنت زندہ کی، اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو سنت زندہ کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کو ملے گا جبکہ ان لوگوں کے ثواب میں سے کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی اور جس نے کوئی بدعت جاری کی پھر اس پر لوگوں نے عمل

[1] سنن ابن ماجه ، مقدمه ، باب من سن سنه بينه او سيئة ، رقم: ٢٠٧ ، ٢٠٩ صحيح الجامع، رقم: ٦٠١٤.

کیا تو بدعت جاری کرنے والے پر بھی ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے، جبکہ بدعت پر عمل کرنے والے لوگوں کے گناہوں کی سزا میں سے کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔‘‘

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت بدترین کام ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ بدعتی کی بدعت میں جتنے بھی لوگ شامل ہوں گے۔ ان کا گناہ بھی بدعتی کے حصہ میں شامل ہوتا رہے گا۔ یعنی بدعت بدعتی کیلئے گناہ جاریہ بن جائے گی۔ جس کی سزا زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ کم ہونے کا نام نہیں لے گی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا، تین آدمی اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب ہیں، ان میں سے ایک اسلام میں رسول ﷺ کا طریقہ (سنت نبو ﷺ) کو چھوڑ کر جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا۔ ❶

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْهَا حَدِیْثًا ، اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا ، فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ ، وَالْمَلٰٓئِکَةِ ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ ، لَایُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَاعَدْلٌ)) ❷

’’جس کسی نے مدینہ طیبہ میں بدعت گھڑی یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہو نہ تو اس کی نفلی عبادت قبول ہوگی اور نہ ہی فرضی (بدعت جہاں بھی ہو بدعت ہی ہے، ہاں مدینہ طیبہ میں اس کے گناہ کا وزن زیادہ ہوگا کیونکہ وہ منبع رشد و ہدایت ہے)‘‘

قارئین کرام! ان دونوں احادیث سے بھی بدعت کی قباحت واضح ہے۔ کہ بدعتی مغضوب ترین لوگ ہیں۔

اور بدعتی ملعون ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ لعنت کا

---

❶ صیحح بخاری، کتاب الدیات، رقم: ٦٨٨٢.

❷ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب اثم من تبرأ من موالیه، رقم: ٦٧٥٥.

لفظ اسلامی شریعت میں انتہائی خطرناک ہے۔اور اس کو بڑا ہی برا تصور کیا جاتا ہے۔اسی لیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "لَعَنَ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ ." ❶

''مومن کو لعنت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کو قتل کرنا۔''

یعنی جس قدر مومن کو قتل کرنے گناہ و جرم ہے بالکل اسی طرح لعنت کرنا بھی بڑا جرم ہے۔ یعنی لعنت کرنا بھی قتل کی طرح بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے لعن طعن نہیں کی جاسکتی۔ آپ ﷺ نے اسے مومن کی صفات حمیدہ کے خلاف قرار دیا ہے۔لیکن بدعتی ایسا بدبخت اور ملعون ہے کہ جس پر تمام جہانوں اور خالق کائنات کی لعنت ہے۔

اندازہ کیجئے! جس بدعت کو اللہ کی رضا کے لئے اپنایا گیا تھا۔ وہ بدعت اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار کا سبب بنی ہے۔ لہٰذا بدعات سے تائب ہو جایئے۔ سنت رسول ﷺ کو ہی اپنایئے کیونکہ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے آمین! یارب العالمین!

بدعتی کیلئے توبہ کا دروازہ بند ہے:

بدعت بدترین کام ہے، اس قدر بدترین ہے کہ بدعت کی موجودگی میں یعنی جب تک بدعتی بدعت پر عمل کرتا رہے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں فرمائے گا۔ اس معنی پر دلالت کرنے والی رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ .)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی کیلئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ (اعاذنالله منها)''

---

❶ صحيح بخاری ، كتاب الأدب، رقم : ٦١٠٥، صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ٣٥٣، سنن دارمی ، رقم: ٦٣٦١.

❷ طبرانی اوسط رقم: ٤٢٠٢، صحيح الترغيب، رقم: ٥٤.

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ بدعتی کیلئے توبہ کا دروازہ بند ہے۔ توبہ جو کہ اللہ مہربان کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے خاص رحمت ہے۔ اس بدبخت سے اس رحمت کو دور کیوں کر دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دین کا موجد بن کر امت مسلمہ میں اختلاف و انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اوران کی وحدت کی چادر تار تار کر کے ان کو کمزور کرنا چاہتا ہے تا کہ ان کو ذلیل کر دیا جائے۔ جبکہ اللہ مومن کو عزت دینا چاہتا ہے، اور یہ نقصان دینا چاہتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اے عائشہ صدیقہ! بیشک اہل بدعت اور خواہش پرست لوگ دین میں فرقہ بندی اور گروہ بندی پیدا کرنے والے ہیں، ان کی توبہ قبول نہ ہو گی۔ (جب تک کہ بدعت نہ چھوڑیں) میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ [1]

اندازہ کیجئے نبی رحمت ﷺ بدعتی پر کس قدر برہم ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان بدعتیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔ کیونکہ یہ دین کے دشمن ہیں۔ اس لئے ان کی توبہ قبول نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت ترک نہ کر دے۔“ [2]

قارئین کرام! بدعت سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی میں فائدہ ہے۔ یہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جبکہ بدعت کا انجام لعنت و پھٹکار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ نے بدعتیوں کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جب تک کہ بدعت چھوڑ نہ دیں۔

لہٰذا کوشش کریں کہ کسی قسم کی بدعت پر عمل نہ ہونے پائے۔

بدعتی جب تک بدعت نہ چھوڑے کوئی عمل قبول نہیں ہے

قارئین کرام، نبی محترم نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے۔ کہ جب تک بدعتی اپنی بدعت سے

[1] طبرانی الاوسط، رقم: ٥٦٠.

[2] الطبرانی فی الاوسط رقم: ٤٢١٤.

توبہ نہیں کرتا۔ اسوقت تک اس کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔

اندازہ کیجئے: اعمال کی قبولیت ہی انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ (الکھف: ۱۰۷)

''کہ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ انکے لیے مہمانوازی جنت الفردوس ہے۔''

یعنی جنت الفردوس عمل اور ایمان کی وجہ سے ملے گی۔ لیکن جن کے اعمال ہی قبول نہ ہوں ان کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ० ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ०﴾

(الکھف: ۱۰۵،۱۰۶)

''کہ ان کے اعمال ضائع کر دیے گئے۔ اور ان کیلئے قیامت کے دن ہم ترازو قائم نہ کریں گے۔ ان کا بدلہ جہنم ہے۔''

قارئین کرام! غور فرمائیے۔ کہ جن کے اعمال قبول نہ ہوں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: بدعتی کا کوئی عمل رب قبول نہیں کرتا۔ تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ یقیناً تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا بدعت سے اعراض کیجئے، اور سنت سے محبت کریں۔ یہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سنت سے محبت کرنے اور بدعت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بدعتی کی کچھ علامتیں:

قارئین کرام! بدعتی اپنی بدعت کی وجہ سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن علماء کرام نے بدعتیوں کی ایک خاص نشانی بھی بتائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اہل حق اہل الحدیث سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی برائیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب

''غنیۃ الطالبین'' میں بدعتی کی مندرجہ ذیل علامات کا انکشاف کرتے ہیں۔

((فَعَلَامَةٌ لِأَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيْعَةُ فِی أَهْلِ الْأَثَرِ .)) ❶

''بدعتیوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اہلحدیث کو گالیاں بکتے ہیں۔''

کیونکہ اہل الحدیث ہی وہ گروہ ہے، جو ان بد باطن گروہ کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن کھڑا ہوتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ کھڑا ہوتا رہے گا۔ اور ان بدعتیوں کی شراتوں کا ہمیشہ پردہ چاک کرتا رہے گا۔ اور اللہ کی مخلوق کو ہمیشہ ان کی شراتوں سے بچاتا رہے گا۔ (ان شاء اللہ) اور ان کی بدعات کی ہمیشہ مخالفت کرتا ہے، اور کرتا رہے گا۔ تو پھر کیوں نہ یہ بدبخت بدعتی اہل الحدیث سے نفرت کریں؟

امام یحییٰ بن سعید القطان شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((لَيْسَ فِی الدُّنْيَا مُبْتَدِعٌ إِلَّا يُبْغِضُ أَهْلَ الْحَدِيْثِ .)) ❷

''دنیا میں کوئی ایسا بدعتی نہیں جو اہل الحدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔''

اس لیے کہ یہی اہل حدیث ان بدعتیوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ کیونکہ ان بدعتیوں کی بدعت کے فوائد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اہل الحدیث ہیں۔ اہل الحدیث ہی تو ہیں جو ان کے پیٹوں پر لات مارتے ہیں۔ ان کے حلوے، مانڈے شیرنیاں اور مٹھائیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ جو ان کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ اہل حدیث ہی تو ہیں۔ کہ جو ان کی بدعات قل تیجہ۔ ساتواں، دسویں اور چالیسویں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے ان بدعات وخرافات کی قلعی کھولتے ہیں۔ جس سے لوگ بدعات وخرافات سے تائب ہو جاتے ہیں۔

یقیناً لوگوں کا بدعات ترک کرنا ان کے مفاد پر چوٹ ہے، تو پھر یہ کیوں نہ اہل الحدیث سے نفرت نہ کریں۔ یہ تو نفرت ضرور کریں گے۔ لیکن اہل الحدیث انشاء اللہ ان بدعات کی

❶ غنیة الطالبین، ص: ۱۷۵.

❷ مقدمه جامع الاصول للجزری.

مخالفت سے کبھی بھی باز نہیں آئیں گے۔اور ان کو نبی ﷺ کی سنت کی طرف بلاتے رہیں گے، کیونکہ ان کو رب کی رضا مطلوب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بھلائی ۔ یہی چیزیں کامیابی کا سامان ہیں۔جب یہی چیزیں کامیابی کا سامان ہیں۔تو پھر اس راستے میں اگر تکلیفیں بھی آئیں تو برداشت کرنا پڑیں گی۔ وگرنہ محترم ان بدعات کے فوائد نظاہر اچھے لگتے ہیں۔مٹھائی کھانا کس کو اچھا نہیں لگتا؟ پھل فروٹ کھانا کس کو برا لگتا ہے؟

روپیہ پیسہ جیب میں آتا ہوا کس کو ناپسند ہے؟ یہ تمام چیزیں پسند ہیں اور ہر کسی کو پسند ہیں۔لیکن اہل الحدیث ان چیزوں کی محبت کے باوجود ان چیزوں کو بدعات کی صورت میں ہونے کی وجہ سے پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہیں۔تا کہ رب راضی ہو جائے۔ کیونکہ رب کبھی بھی بدعت سے خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ بدعت کو چھوڑنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تمام بدعات کو چھوڑا اور ان کی مخالفت کی جاتی ہے۔لہٰذا بدعتی اہل الحدیث کے مخالف ہیں۔اور ان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔کبھی وہابی کہہ کر پکارتے۔تو کبھی گستاخ رسول ﷺ کا زہر لوگوں کے دل و دماغ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔کبھی ان پر اولیا کی گستاخی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔حالانکہ نبی ﷺ اور اولیا کرام کے یہ لوگ خود گستاخ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور اولیا اللہ کا راستہ انہوں نے خود چھوڑا ہے۔تو کبھی ان پر کفر کے فتوے لگا دیے جاتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے کام اہل الحدیث سے نفرت و عداوت کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ اہل الحدیث انکی بدعات کے مخالف ہیں۔ چاہے انکو کتنا برا کیوں نہ لگے۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہو جائیں کسی شاعر نے انکے عزم و حوصلے کا کیا خوب نقشہ کھینچا:

اپنے بھی ناراض ہیں بیگانے بھی نا خوش
کہ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اس وجہ سے بدعتی اہل الحدیث کے مخالف ہیں۔انکی برائیاں کرتے ہیں۔اہل الحدیث کی برائیاں کرنا ہی بدعتوں کی پہچان ہے۔جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ اور امام یحییٰ

بن سعید القطان کے اقوال سے واضح ہے۔

بدعت اچھی لگتی ہے:

قارئین کرام! بدعتی اپنی بدعت کو جواز کی سند اس بات سے دیتا ہے کہ جی اس میں برائی کیا ہے۔ یہ جو ہم کر رہے ہیں اچھا ہی تو کر رہے ہیں۔لیکن یہ بھول جاتے ہیں۔کہ اچھائی کا معیار ہمارے خیالات نہیں ۔ بلکہ اچھائی کا معیار ہے۔شریعت کی پسند اور نہ پسند، جسے شریعت پسند کرے کرو اور جسے شریعت پسند نہ کرے، نہ کرو۔ چاہے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اعمال عبادت کے متعلق پوچھا، ان کو آپ کی عبادت کے بارے میں بتا دیا گیا تو انہوں نے اپنے لیے اپنی عبادت کو کم جانا، اور آپس میں کہنے لگے، ہمیں آپ ﷺ سے بھی زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔

ایک نے کہا، میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا، میں شادی نہیں کروں گا۔تیسرے نے کہا، میں ساری رات عبادت کروں گا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''تم لوگوں نے یہ یہ بات کہی ہے۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ترک بھی کرتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں۔(خبردار!) جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ [1]

اندازہ کیجئے! کہ نبی محترم اس حدیث میں واضح کر رہے ہیں کہ جس نے میری سنت سے اعراض کر کے کوئی اور طریقہ اپنانے کی کوشش کی، چاہے وہ کتنا ہی اچھا اور بھلا ہی معلوم کیوں نہ ہو۔اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ وعید شدید آپ ﷺ نے اپنے تین ایسے صحابیوں کو سنائی ۔ جو کہ اپنے خیال کے مطابق اپنے اعمال میں نیکیوں کا اضافہ محض اس لیے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب النكاح ،رقم: ٥٠٥٣.

کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ کہ کہیں آخرت میں پکڑے نہ جائیں۔ نیکیاں اتنی کم کیوں کر کے آئے ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کوتاہیاں بھی کر رکھی ہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں۔ اور نیکیوں کے لیے بھی ایسے اعمال کا انتخاب کیا۔ جو کہ انتہائی محبوب ترین اور افضل ترین عمل ہیں۔ شریعت میں انتہائی پسندیدہ ہیں ان تینوں میں سے ایک اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ میں ساری رات قیام کروں گا۔ ذرا غور فرمائیے، کیا رات کو نماز پڑھنا گناہ ہے یا نفل نماز پڑھنا خلاف شریعت ہے، یقیناً نہیں۔ بلکہ پسندیدہ ترین عمل ہے۔۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

((لَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ.)) [1]

''بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا تقرب حاصل کرتا ہی رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔''

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ سے پوچھا گیا۔ کونسی نماز سب سے افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ رات کے آخری حصہ کی نماز سب سے افضل ہے۔ [2]

دوسرا صحابی اس عزم کا اظہار کرتا ہے۔ کہ میں ساری زندگی روزہ رکھوں گا۔ کبھی بھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ ذرا غور فرمائیے کہ روزہ رکھنا شریعت میں انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ رسول اللہ کا فرمان ہے۔

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ.)) [3]

''روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔''

تیسرا صحابی شادی اس لیے نہیں کرنا چاہتا تھا تا کہ اللہ کی عبادت خوب یکسوئی کے ساتھ کر سکے، قارئین کرام! ذرا غور کریں تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل میں کون سی ایسی چیز تھی،

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٥٠٢.

[2] صحیح مسلم، کتاب الصیام، رقم: ٢٧٥٦.

[3] صحیح مسلم، کتاب الصیام، رقم: ٢٧٠٥.

جس کی وجہ سے ان کو ڈانٹ دیا گیا۔ نیز یہ دھمکی بھی دے دی گئی۔کہ اگر اپنے انداز کے مطابق نیکی کرنے کی کوشش کی میرا طریقہ چھوڑ کر تو پھر مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یقیناً ان کے اعمال میں کوئی چیز بری نہ تھی۔بس نیکی اپنے انداز کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔رسول اللہ کے طریقہ سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔صرف اور صرف نیکی کے ارادہ سے۔کوئی اور مقصد ان کا قطعاً نہیں تھا اور انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔آخر اس میں برائی کیا ہے؟ اسی سوال کے تناظر میں مذکورہ حدیث کو دیکھیں۔کہ ان نیکیاں کرنے والوں کی نیکیوں میں کون سی کوتاہی یا برائی تھی؟ اگر نہیں تھی۔تو پھر ان کو اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔کہ نیکی اور برائی کا معیار ہمیں اچھا یا برا لگنا نہیں ہے۔بلکہ نیکی وہ ہے کہ جس کو رسول ﷺ نے کیا ہو، کیونکہ اگر نیکی ہے تو رسول ﷺ نے اس کو ضرور کیا ہے۔لہٰذا جو آپ ﷺ نے کیا اس کو کیجئے، اور جو آپ ﷺ نے نہیں کیا، وہ بدعت و تباہی ہے۔اس سے قطعی طور پر اجتناب کریں۔اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے (آمین)

سلف صالحین اور بدعت:

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں آپ نے قرآن وحدیث کی بدعت برائی ملاحظہ فرمائی۔ اب اکابرین کے اقوال سے بھی اسی کی شناخت دیکھ لیجئے۔کہ اس امت کے بزرگ ترین علماء کرام اس بدعت کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔اور اس کو کتنا برا سمجھتے ہیں۔چاہے بدعت کرنے والا اس بدعتی عمل کو کتنا ہی اچھا کیوں نہ سمجھے۔جو کام آپ ﷺ کے دور مبارک میں نہیں ہوا اور جس عمل کی دلیل قرآن و سنت فہم وعمل صحابہ کرام سے نہ ملے وہ بدعت ہے۔چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مَنِ ابْتَدَعَ فِی الْاِسْلَامِ بِدْعَةً یَرَاهَا حَسَنَةً ، فَقَدْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدً ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یَقُوْلُ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الایة فَمَا لَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا فَلَایَکُوْنُ الْیَوْمُ

دِيْنًا .))[1]

’’جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی جسے وہ اچھا سمجھتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا محمد ﷺ نے ادائیگی رسالت میں خیانت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے (الآیۃ)، پس جو چیز اس وقت دین نہ تھی آج بھی ہرگز دین نہیں ہو سکتی۔‘‘

غور فرمایئے۔ کہ کوئی عمل کسی کے اچھا سمجھنے سے اچھا نہیں ہو جاتا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی بدعتی اپنے عمل کو اچھا جان کر ہی اگرچہ کسی بدعت کی ایجاد کرے۔ تو یہ بڑا ہی بدبخت ہے۔ کہ جو رسول اللہ ﷺ پر رسالت کے پہنچانے میں خیانت کا الزام لگاتا ہے۔ یہ الزام، یہ بدبخت اپنے بدعتی کردار سے لگاتا ہے۔ یعنی اپنی بدعت کو ایجاد کر کے حقیقت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ نیکی رہ گئی تھی۔ کہ جس نیکی کو میں نے دین کا حصہ بنایا ہے۔ یا پھر دین نامکمل ہے کہ جس میں اس نیکی کی گنجائش تھی۔ لیکن قرآن نے اس نیکی کو بیان نہیں کیا لہٰذا میں نے اس نیکی کا اضافہ کر کے دین کو مکمل کر دیا تو گویا اس بدعتی نے اللہ کے قرآن کو بھی جھٹلا دیا ہے۔ کہ قرآن کہتا ہے۔ کہ میں نے دین کو مکمل کر دیا ہے جبکہ اس بدبخت بدعتی نے اپنے عمل سے قرآن کے اس دعوے کو رد کر دیا ہے۔ ایسے بدعتی اور بدعات کے پیچھے پڑنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ اور ذہن بنا لو، کہ دین رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو گیا۔ جو اس مبارک زمانہ میں نیکی تھی۔ وہ آج بھی نیکی ہے اور جو اس مبارک زمانہ میں نیکی نہ تھی۔ وہ آج بھی قطعاً نیکی نہیں ہو سکتی۔ جب نیکی نہیں ہو سکتی۔ تو پھر بدعات وخرافات پر عمل کیوں؟

کچھ بدعات کا بیان:

علامہ حسام الدین علی الحنفی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْاِجْتِمَاعَ فِی الْیَوْمِ الثَّالِثِ خُصُوْصًا لَیْسَ فِیْهِ فَرْضِیَّةٌ

---

[1] کتاب الاعتصام، ۲/ ۱۵۰.

وَلَافِیْهِ وُجُوْبٌ، وَلَافِیْهِ سُنَّةٌ، وَلَافِی اسْتِحْبَابٍ، وَلَا فِیْهِ مَنْفَعَةٌ، وَلَا فِیْهِ مُصْلِحَةٌ فِی الدِّیْنِ، بَلْ فِیْهِ طَعْنٌ وَمَذَمَّةٌ وَمَلَامَةٌ عَلَى السَّلَفِ حَیْثُ لَمْ یُبَیِّنُوْا، بَلْ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ حَیْثُ تَرَكَ حُقُوْقَ الْمَیِّتِ بَلْ عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰی حَیْثُ لَمْ یُكْمِلْ الشَّرِیْعَةَ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ۔الایة .))❶

''یعنی خصوصیت کے ساتھ بالخصوص میت کے گھر تیسرے دن اجتماع (یعنی تیجہ) نہ تو فرض ہے، اور نہ واجب، نہ سنت اور نہ مستحب، نہ تو اس میں فائدہ ہے اور نہ کوئی دینی مصلحت، بلکہ اس میں طعن و مذمت اور ملامت ہے سلف پر کہ انہوں نے اس کو بیان نہیں کیا، بلکہ نبی کریم ﷺ پر کہ آپ نے میت کے حق میں بیان نہیں فرمایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کہ اس نے شریعت کو مکمل نہیں کیا (اور ہماری بدعات کی وہ محتاج ہے)، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے آج کے دن تم پر تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔''

قارئین کرام! علامہ صاحب کی گفتگو پر غور فرمائیں۔ کس قدر جھنجھوڑنے والی ہے ان لوگوں کو جو بدعات کے دلدادہ ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ان بدعات میں کیا حرج ہے۔ علامہ صاحب واضح کر رہے۔ کہ ان بدعات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر الزام عائد ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے دین میں کمی اور کوتاہی چھوڑ دی ہے کہ جس کو ہم نے بدعات کے ذریعہ پورا کیا ہے، حالانکہ ایسا تصور بھی ممکن نہیں اسی لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

❶ تفهيم المسائل ص: ١٧٢

❷ سلسلة الصحيحه، رقم: ٢٧٣٥، صحيح الجامع الصغير، رقم: ٢٥٤٩، سنن ابن ماجه، مقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين، رقم: ٤٢ و الارواء الغليل، رقم: ٢٤٥٥.

((اِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ.))

''اپنے آپ کو نئی نئی باتوں سے بچاؤ، جو دین میں سے نکالی گئی ہیں۔''

اس سے مراد ہر وہ نئی بات جسے لوگوں نے دین اسلام میں ایجاد کیا ہوا ہو بدعت کہلاتی ہے۔ خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات وغیرہ سے کہ یہ اللہ کی عبادت ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہ ہو، مگر لوگوں نے اس کو دین بنا لیا ہو اور کسی کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہوں کہ یہ حکم شریعت ہے، حالانکہ وہ حکم شریعت نہیں بلکہ وہ بدعت اور شریعت میں ممنوع ہوتا ہے۔ مثلاً فوت شدہ صالحین یا غائبین سے دعا کروانا، قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبروں کے اردگرد طواف کرنا۔ اہل قبور سے مدد طلب کرنا، اور یہ گمان کرنا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں اور حاجتوں کو پورا کرنے اور مشکلات کے خاتمہ کیلئے وسیلہ ہیں انبیا و صلحاء کے ایام ولادت کے دن پر عرس منانا، اور ان ایام میں محفلیں منعقد کروانا، اور ان محفلوں میں ایسے کام کرنا جو یوم ولادت یا شب ولادت یا ماہ ولادت کی مناسبت سے جو مغرب والوں کے مخصوص کام قرار دیئے جاتے ہیں۔ الغرض اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بدعات تو شرک ہیں، اس طرح کی بے شمار بدعات خرافات ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا اور نہ رسول ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔ مردوں سے فریاد کرنا ان کے نام کی نذر و نیاز شرک ہیں، اور بعض صرف بدعات ہیں قبروں پر عمارتیں یا مسجدین بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کیے جائیں جو شرک تک پہنچا دینے والے ہوں (فتاویٰ اسلامیہ جلد اول، فتویٰ اسلامیہ (کمیٹی سعودی عرب)

بدعتی خود کو رسول اللہ اور صحابہ کرام ﷺ سے بہتر سمجھتا ہے:

سلف صالحین کی نگاہ میں بدعت بدترین جرم ہے۔ اس لیے کہ بدعتی اپنے عمل سے خود کو رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر باور کرانے کی کوشش کرتا ہے، اسی لیے تو وہ کام کرتا ہے۔ جو رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَمَّـابَعْدُ! أَوْصِيكَ بِتَقْوَىٰ اللّٰهِ وَالْاِقْتِصَادِ فِى اَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ ﷺ وَتَـرْكِ مَـا أَحْـدَثَ الْمُحْدِثُوْنَ بَعْدَ مَاجَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ وَكُـفُوا مُونَةَ فَعَلَيْكَ بِلُزُوْمِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ عِصْمَةٌ ثُمَّ اعْـلَـمْ أَنَّـهُ لَمْ يَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً اِلَّاقَدْ مَضَى قَبْلَهَا مَاهُوَ دَلِيْلُ عَـلَيْهَـا عِبْـرَـةٌ فِيهَـا ، فَـإِنَّ السُّـنَّةَ إِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَافِى خِلَافِهَـا مِنْ الْخَطَاءِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَـارَضِـىَ بِـهِ الْـقَوْمُ لِأَنْفُسِهِمْ ، فَإِنَّهُمْ عَلَى عِلْمٍ وَقَفُوْا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كُفُّوَا وَهُمْ عَلَى كَشْفِ الْأُمُوْرِ كَانُوْا اقْوَى وَبِفَضْلٍ مَاكَانُوْا فِيهِ اَوْلىٰ فَإِنْ كَانَ الْهُدَى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوْهُمْ اِلَيْهِ)) [1]

''امابعد: میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں میانہ روی اختیار کرنے، اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان کو ترک کرنا، جب کہ سنت اس سے قبل جاری ہے اور سنت کی موجودگی میں بدعت ایجاد کی ہیں ان کو ترک کرنا جب کہ سنت اس سے قبل جاری ہے، اور سنت کی موجودگی میں بدعت کی ایجاد کی کیا مصیبت ہے؟ سنت کو مضبوطی سے پکڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سنت حفاظت کا ذریعہ ہے، اور جان لے! لوگوں نے جو بدعت ایجاد کی اس سے قبل ہی وہ چیز گزر چکی ہے جو اس پر دلیل ہے، جنہوں نے اس کے خلاف خطا لغزش، حماقت اور تعمق کو بغور دیکھ لیا تھا۔ اور اسے اختیار نہ کیا۔ تو بھی صرف اس چیز پر راضی رہ جس پر قوم راضی ہو چکی ہے، کیونکہ انہوں نے علم پر اطلاع پائی اور دور رس نگاہ سے دیکھ کر بدعت سے اجتناب کیا، اور وہ البتہ معاملات کی تہ تک پہنچنے پر قوی تر تھے، اور جن حالات پر وہ تھے، وہ افضل تر

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب لزوم السنہ، رقم: ٤٦١٢، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

حالت تھی سو اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم گامزن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان سے (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) فضیلت میں بڑھ گئے۔''

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ مذکورہ عبارت کس قدر نصیحت آمیز ہے۔ ہمیں بتایا جارہا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے تیز اور آگے بڑھنے والے تھے۔ اگر بدعات نیکی ہوتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان نیکیوں کو ضرور کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، جب انہوں نے ان بدعات کو نہیں کیا۔ تو پھر یہ نیکی نہیں ہوسکتیں۔ جب نیکی نہیں ہوسکتیں تو پھر لازم ہے کہ جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئے۔ ان کو ہی کرو اور جن کو نہ کیا ہو۔ ان کو نہ کرو۔ کیونکہ ان کا راستہ ہی بہترین راستہ ہے، اس لیے کہ انہوں نے علم رسول ﷺ سے حاصل کیا، اور علم کی روح کے مطابق عمل بھی کیا ہے۔ پس انہی کے طریقہ کار کے پابند رہو۔ یہی کامیابی ہے یہی سنت کو اپنانے کا بہترین ذریعہ اور رضائے الٰہی بھی اس میں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بدعت:

قارئین کرام! اللہ کے پیغمبروں کے بعد کائنات میں افضل ترین اور کامیاب ترین گروہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، اس کامیاب ترین گروہ کی صفات عالیہ کیا تھیں؟ قارئین کرام! جب ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ مبارک لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ اور بدعات وخرافات سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی پر فوراً گرفت کرتے تھے:

جب کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کوئی عمل ہوتا۔ تو اس پر فوراً گرفت کرتے تھے، اور بدعت اپنانے والے سے نفرت کرتے تھے۔ اور اسی بارے میں کسی قسم کی کوئی نرمی اختیار نہ کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی کسی کا سلام لیکر آیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

((بَلَغَنِی أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ ، فَإِنْ كَانَ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّی

السَّلَامَ .)) ❶

''کہ مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو اسے میرا سلام مت کہنا۔''

اندازہ کیجئے! صحابی رسول ﷺ ایسے شخص کے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کرتے کہ جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ اس نے کسی بدعت کو اپنا رکھا ہے۔ اگر یقین ہو جاتا تو سخت نفرت کرتے تھے۔ اور اگر کسی کو اپنے سامنے کوئی بدعتی عمل کرتے ہوئے دیکھتے۔ تو فوراً گرفت کرتے تھے۔

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((اِنْ رَجُلًا عَطَسَ اِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما فَقَالَ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَأَنَا اَقُوْلُ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا أَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ .))❷

''ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک ماری اور کہا ''الحمد اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ ''الحمد اللہ والسلام علی رسول اللہ ﷺ''، لیکن ہمیں جناب رسول ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی ہمیں اس موقع پر یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ''الحمدللہ علی کل حال'' کہا کریں۔''

---

❶ سنن ترمذی، کتاب القدر، رقم: ۲۱۵۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، رقم: ۴۰۷۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

❷ سنن ترمذی، کتاب الادب، رقم: ۲۷۳۸، ارواء الغلیل، رقم: ۲۷۵/۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

غور فرمائیں! صحابی رسول ﷺ کے سامنے ایک ایسا انداز اپنایا گیا۔ جو کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ تھا۔ صحابی رسول ﷺ نے فوراً گرفت کی، اور اسے متنبہ کیا کہ ایسے موقع پر آپ ﷺ سے وہ کلمات ثابت نہیں ہیں جو تو نے ادا کیے ہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو بظاہر ان کلمات کے پڑھنے میں کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا، بلکہ ثواب ہی ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو محمد ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ❶

اس ثواب کے باوجود صحابی رسول ﷺ نے فوراً روک دیا۔ اور کہا کہ درود پڑھنے کا میں بھی قائل ہوں۔ لیکن چھینک آنے کے موقعہ پر آپ ﷺ نے درود پڑھنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ اللہ کی حمد بیان کرنے کی تعلیم دی ہے۔ یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر اور سوچ کہ جو کچھ رسول ﷺ نے کیا ہے کرو۔ اور جو نہیں کیا نہ کرو کیونکہ یہی سنت کا تقاضہ ہے لیکن اگر اپنی مرضی چلاؤ گے۔ تو بدعات وخرافات میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ بدعات سے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی امور سے بچتے تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح بدعت پر گرفت کیا کرتے تھے۔ ویسے ہی اپنے آپ کو بدعتی کاموں سے بچایا کرتے تھے۔ اور بدعتی کاموں میں شامل بھی نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ بدعت میں شامل ہونا۔ اسلام کی عمارت کو گرانے میں مدد دینا ہے۔ جو کہ عظیم ترین جرم ہے۔ اسی لیے بدعت میں شمولیت سے بچتے تھے۔

(۳)...... سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ختنہ کی دعوت پر بلایا گیا، آپ نے اس دعوت سے انکار کر دیا، جب ان سے ان کے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:

((إِنَّا كُنَّا لَا نَأْتِي الْخِتَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نُدْعىٰ لَهُ .)) ❷

---

❶ صحيح الجامع الصغير: ٦٣٠٨، سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، رقم: ١٥٣٠.

❷ مسند احمد ١/ ٢١٧.

''ہم لوگ زمانہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے۔ اور نہ اس کے لیے ہمیں دعوت دی جاتی تھی۔''

اندازہ کریں کہ دعوت جو کہ ایک اسلامی حق ہے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر۔ لیکن اس دعوت کو بھی قبول کرنے سے انکار بس اس لیے کر دیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے مبارکہ میں ہم نہ تو ختنہ کی دعوت کیا کرتے تھے۔ اور نہ ہی جایا کرتے تھے۔ لہٰذا اس دعوت میں بھی نہیں آسکتے۔

غور کریں! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بس اسی کام کو کرنے کے قائل تھے کہ جو آپ ﷺ کے مبارک دور میں ہوا ہو۔ اور جو نہ ہوا ہو اس کے قریب بھی نہ جاتے تھے۔

آج بھی ہم اپنے آپ کو بدعات سے بس اسی فکر اور سوچ کے ساتھ بچا سکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین کرام! اس حدیث سے یہ بات بھی ہمارے سامنے واضح ہوگئی کہ بدعت جو بھی ہے وہ گمراہی ہی گمراہی ہے۔ اس میں قطعاً کسی بھی قسم کا خیر کا پہلو نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک بدعت سیئہ (بری بدعت) اور دوسری حسنہ (اچھی بدعت) یہ بات خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ بدعت گمراہی ہے، بلکہ اس کے ساتھ (کل) ''ہر'' کا لفظ لگا کر عموم پیدا کر دیا کہ کوئی بدعت خیر نہیں اور نہ ہی کوئی بدعت حسنہ ہوتی ہے۔

بدعت کو اپنانے والے اور جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں، وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے دلیل لیتے ہیں۔ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں تراویح کی جماعت قائم کرنے کے بعد فرمایا: ((نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ)) [1] یہ اچھی بدعت ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تمام بدعت گمراہی نہیں اگر ایسی بات نہ

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۲۰۱۰.

ہوتو تو ایسا ہرگز نہ فرماتے، لہٰذا بدعت کو دوحصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

ایک جائزہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ رمضان کی ایک رات میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد گیا، وہاں لوگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے، کوئی تنہا نماز میں مشغول تھا اور کسی کے پیچھے اس کی ایک جماعت اقتداء کررہی تھی، یہ کیفیت دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے، ان سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے جمع کردوں تو بہتر ہوگا۔ پھر اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور سب کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کردیا، دوسری رات مسجد جانے کا اتفاق ہوا تو لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز ادا کررہے تھے یہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے یہ کتنی حسین بدعت ہے، اور جس حصہ میں یہ سوتے ہیں وہ اس سے بہتر ہے جس میں قیام کررہے ہیں، یعنی آخری شب بہتر کیونکہ لوگ اوّل شب میں قیام کررہے ہیں۔ [1]

اس روایت میں لفظ بدعت کو دیکھ کر اہل بدعت کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور بڑے طمطراق کے ساتھ اپنی بدعت اور خرافات پر دلیل سمجھ کر پیش کرتے ہیں، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کیا واقعی یہ عمل بدعت کی فہرست میں آتا ہے۔ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایجاد کیا تھا؟ کیا اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے باجماعت تراویح صحابہ کو نہیں پڑھائی؟ ہرگز نئی ایجاد نہیں تھی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح باجماعت پڑھائی تھی۔ لیکن ایک خاص سبب کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھر پڑھ لینے کا حکم دیا تھا اور جب یہ سبب زائل ہوگیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی ﷺ کو زندہ کیا چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ رات کی تاریکی میں ایک روز مسجد تشریف لے گئے اور وہاں نماز تراویح ادا فرمائی، کچھ لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی، جب صبح ہوئی تو ان لوگوں نے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التراویح، رقم: ۲۰۱۲.

دوسروں سے اس کا تذکرہ کیا۔ جس سے دوسری رات پہلے سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے اور آپ کی اقتدا میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے نمازِ تراویح ادا کی۔ صبح کے وقت لوگوں نے اس کا تذکرہ دوسرے لوگوں سے کیا تو تیسری رات مسجد میں ازدحام بڑھ گیا۔ آپ تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کی۔ جب چوتھی رات ہوئی تو لوگوں کا ازدحام اس قدر بڑھ گیا کہ مسجد تنگ ہوگئی، آپ اس رات نہیں نکلے بلکہ نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ فجر سے فارغ ہوکر آپ نے حمد وصلوٰۃ سے فارغ ہوکر فرمایا: مجھ پر تم لوگوں کا جمع ہونا مخفی نہیں تھا لیکن میں اس سے ڈرا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے، اور پھر تم اس کو ادا نہ کرسکو (امام زہری فرماتے ہیں) رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا، اور معاملہ اسی طرح ہی رہا۔ [1]

اس حدیث سے دو باتیں سامنے آئیں:

۱: رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو تراویح باجماعت تین رات مسلسل پڑھائی۔

۲: جب لوگوں کا ذوق وشوق اس نماز کے لیے بہت بڑھ گیا تو آپ نے اس خوف سے نماز تراویح پڑھنا ترک کردیا کہ کہیں اسے فرض نہ کردیا جائے، اور امت اسے ادا نہ کرسکے۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بدعت نہیں تھا کیونکہ اس سے قبل یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت تھا، اور فرضیت تراویح کے خوف سے رسول اللہ ﷺ نے ترک کردیا، لیکن جب آپ کے انتقال کے بعد یہ سب زائل ہوگیا، کیونکہ دین مکمل ہوگیا اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور اب اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بدعت فرمانا (اس عمل کو) صاف بتلا رہا ہے۔ اس سے مراد شرعی وحقیقی بدعت نہیں، بلکہ آپ نے مجازاً اس کو بدعت کہا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التراویح، باب فضل من قام رمضان، ح: ۲۰۱۲ و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، ح: ۱۷۸٤.

کیونکہ بدعت کا لغوی معنی ہے: انوکھا کام، جو کافی مدت انقطاع کے بعد ہو۔ یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے اس معنی میں لفظ بدعت استعمال کیا، وگرنہ یہ بدعت نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کروایا تھا۔ لہٰذا اس کو شرعی اعتبار سے بدعت کہنا قطعاً مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ لغوی اعتبار سے بدعت ہو سکتی ہے کہ دیر بعد اس پر عمل ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ .

❀❀❀❀